قیامت
سے پہلے اور بعد
محمد ولی رازی
دار العلم
کراچی

نام کتاب	قیامت اور اس کے بعد
مؤلف	محمد ولی رازی
کمپوزنگ	محمد جاوید
ترتیب وتصحیح	ڈاکٹر سید صلاح الدین قادری
طباعت اور ٹائٹل ڈیزائن	لومینز گرافکس اردو بازار، کراچی
ہدیہ	روپے
ناشر	دارالعلم، A-239، بلاک 15، گلستان جوہر، کراچی
ڈسٹری بیوٹر	دارالاشاعت۔ اردو بازار، کراچی

ملنے کے پتے

۲۔ ادارہ اسلامیات۔ اردو بازار، کراچی

۳۔ بیت القرآن۔ اردو بازار، کراچی

۴۔ ادارہ اسلامیات اردو بازار، لاہور

۵۔ مکتبہ رحمانیہ۔ اردو بازار، لاہور

فہرست

عرضِ ناشر

زیرِ نظر کتاب اپنے موضوع پر نہایت ہی مستند اور دلچسپ انداز میں تحریر کی گئی ہے۔ میرے والد ماجد جناب محمد ولی رازی صاحب نے اس پر جو محنت کی ہے، اس کا اندازہ کتاب پڑھنے سے ہو جائے گا۔ اس کتاب کے وجود میں آنے کی کئی سالہ تاریخ ہے جو والد صاحب نے عرضِ مؤلف میں تحریر فرمادی ہے۔

اس کتاب کا موضوع علاماتِ قیامت، حشر و نشر اور جنت و دوزخ کے حالات ہیں۔ اور خصوصیات یہ ہیں:

۱۔ علاماتِ بعیدہ: یعنی وہ علامات جو تقریباً پوری ہو چکی ہیں یا ہو رہی ہیں۔

۲۔ علاماتِ متوسطہ: قیامت کی بڑی علامتیں۔ امام مہدی کا ظہور، دجال اور اس کے فتنے۔

۳۔ علاماتِ قریبہ۔ یعنی وہ علامتیں جو قیامت سے کچھ ہی پہلے واقع ہوں گی۔ یاجوج ماجوج، دابۃ الارض، دجال کا قتل اور صور کا پھونکا جانا وغیرہ۔

۴۔ حشر میں کیا ہوگا۔ میزانِ عمل، حوض کوثر، پل صراط، جنت اور دوزخ کی تفصیلات۔

۵۔ قارئین کے خطوط کے جوابات میں بہت سے سوالوں کے جوابات، جو کئی عقائد اور اعمال پر کیے جانے والے اعتراضات کا دلچسپ وشگفتہ جواب ہیں۔

تقریباً تیرہ سال میں مختلف مراحل سے گزر کر آنے والی یہ کتاب اللہ تعالیٰ کے فضل سے قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرما کر مسلمان بھائیوں اور بہنوں کی نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

فرید اشرف غازی

۲-رجب ۱۴۳۷ھ

11، اپریل 2016ء

دار العلم-A-239، بلاک 15،

گلستان جوہر، کراچی

عرضِ مؤلف

قیامت کی باتیں

محمد ولی رازی

الحمدللہِ رب العلمین والصلوۃ والسلام علیٰ سیّد المرسلین وَعلیٰ آلِہ و اصحابِہ اجمعین

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّکُمْ اِنَّ زَلْزَلَۃَ السَّاعَۃِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ (۱)
(ترجمہ) ''اے لوگو! اپنے پروردگار کے غضب سے ڈرو، بلاشبہ
قیامت کا زلزلہ عظیم چیز ہے۔'' (سورۃ الحج۔آیت 1)

جس چیز کو اللہ تعالیٰ عظیم اور بڑا کہہ دیں اس کے عظیم ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں کثرت کے ساتھ قیامت اور اس کی ہولناکیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ قیامت، کائنات کی موت کا نام ہے اور موت کا کوئی وقت متعین نہیں ہوتا۔ اس آیت میں قیامت کیلئے ''السَّاعۃ'' کا لفظ اختیار کیا ہے۔ لیکن دوسرے اکثر مقامات پر قیامت ہی لفظ آیا ہے۔ ایک سورۃ کا نام ہی ''قیامۃ'' ہے۔

اسی لئے انبیاء علیہم السلام نے اپنی امتوں کو قیامت سے ڈرایا ہے۔ قیامت کا لفظ ''قیام'' سے مشتق ہے۔ جس میں اس اٹل حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ انسان اور جنات کو اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا ہے اور اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔

قیامت کے لفظ سے اکثر حشر و نشر، حساب کتاب اور میزانِ عمل وغیرہ کو بھی مراد لیا جاتا ہے۔

قیامت اور اس کی علامات کا موضوع ہمیشہ سے لوگوں میں تجسس کا ذریعہ رہا ہے۔ اور علمائے امت نے قرآن و سنت کی روشنی میں اس موضوع پر بہت کتابیں لکھی ہیں۔ مفسرین نے قیامت اور آخرت کے واقعات کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور بڑی محنت سے احادیث اور آثار سے ان روایات کو جمع کر دیا ہے جن میں قیامت کی علامات اور قیامت کے بعد کے واقعات و حادثات کا ذکر ہے۔

اردو میں بھی کافی کتابیں موجود ہیں۔ ان میں سے بعض بہت مقبول ہوئی ہیں۔ چونکہ انسان میں آئندہ پیش آنے والے واقعات کے لئے فطری تجسس موجود ہے۔ وہ جاننا چاہتا ہے کہ قیامت سے پہلے کیا واقعات پیش آئیں گے اور کب پیش آئیں گے؟ اس لئے وہ اس موضوع کو دلچسپی کے ساتھ پڑھتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ موضوع دلچسپی کے لیے نہیں ہے بلکہ خوف آخرت پیدا کرنے کے لیے ہے۔ گویا ان کتابوں کا مقصد آخرت کے لیے اپنے آپ کو تیار کرنا ہے۔

یہ سوال ہوسکتا ہے کہ اتنی کتابوں کی موجودگی میں اس موضوع پر کسی نئی کتاب کی کیا ضرورت تھی؟

ذیل کی سطور میں اسی سوال کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ کتاب جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس کی ایک عجیب تاریخ ہے۔ دراصل یہ کتاب میرے ان مضامین کا مجموعہ ہے جو 2003ء میں روزنامہ امت میں شائع ہوئے تھے۔ اس وقت یہ سلسلہ مضامین قارئین میں غیر معمولی طور پر مقبول ہوا بلکہ ان مضامین سے استفادہ کر کے کراچی کے ایک چینل (اے آر وائی ڈیجیٹل) نے اس پر ایک سلسلہ وار پروگرام بھی شروع کر دیا۔ یہ پروگرام بھی بہت مقبول ہوا تھا۔

ان مضامین کی مقبولیت کا اندازہ مجھے ان خطوط سے ہوتا تھا جو میرے پاس تقریباً روزانہ ہی وصول ہوتے تھے اور ان میں دلچسپ اور فکر انگیز سوالات بھی ہوتے تھے۔ ان میں سے بعض خطوط کے جوابات آپ کتاب میں پڑھیں گے۔ جو میرے خیال میں اس کتاب کی خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت ہے۔ ان مضامین کی مقبولیت کو دیکھ کر راقم نے یہ طے کیا کہ اگر مہلتِ حیات وصحت ملی تو کتابی شکل دے کر ان کو شائع کردیا جائے۔ میرا معمول ہے کہ میں اپنے مضامین کے تراشے ایک فائل میں جمع کرتا رہتا ہوں۔ یہ سلسلہ الحمدللہ اب بھی جاری ہے۔ (میرے مضامین ''روشن جھروکے'' کے عنوان سے روزنامہ امت میں اب بھی شائع ہوتے رہتے ہیں۔)

وقت گزرتا گیا اور راقم کی مصروفیات بڑھتی چلی گئیں۔ عمر کے ساتھ ساتھ صحت بھی ضعیف ہونے لگی اور یہ مضامین فائل میں پڑے ہوئے بوسیدہ ہونے لگے۔ آپ کو تعجب ہوگا کہ جب یہ موضوع مکمل ہوا تو اس کی ضخامت فل اسکیپ سائز کے تقریباً پانچ سو سے زائد صفحات پر مشتمل تھی۔ لیکن قدرت کو یہ کام کرانا تھا۔ اور جب اللہ تعالیٰ کو کوئی کام کرانا ہوتا ہے تو وہ غیب سے اس کے اسباب بھی پیدا فرما دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی مدد

چنانچہ غالباً 2014ء کے شروع میں اچانک ایک فون آیا۔ ایک بہت مہذب آواز نے اپنا تعارف کرایا۔ اور فرمایا کہ ڈاکٹر آصف بول رہا ہوں، مجھے ولی رازی صاحب سے بات کرنی ہے۔ راقم نے اپنا نام بتایا تو انہوں نے فرمایا کہ میں آپ کے مضامین شوق سے پڑھتا ہوں۔ آپ نے جو مضامین قیامت کے بارے لکھے ہیں وہ بہت مفید و دلچسپ تھے۔ میں نے تمام مضامین کو محفوظ کرلیا تھا۔ (بعض دوسرے

قارئین بھی ان مضامین کو محفوظ کرتے ہیں۔ لیکن ڈاکٹر آصف صاحب نے کمال یہ کیا کہ یہ تمام مضامین پی ڈی ایف فائل میں مجھے میل کر دیئے۔)

مجھے ڈاکٹر آصف صاحب کی اس محنت کو دیکھ کر بڑی قدر ہوئی۔ دل سے دعائیں نکلیں۔ ڈاکٹر آصف صاحب لیاقت نیشنل ہسپتال میں نیورولوجسٹ ہیں اور بہت مصروف آدمی ہیں۔ اپنی مصروفیات میں سے اتنا وقت نکال لینا ان کی ان مضامین سے غیر معمولی دلچسپی کا مظہر ہے۔ ایسا محسوس ہوا کہ کھویا ہوا خزانہ مل گیا ہو۔ یہ اُن کا احسان ہے کہ ان کی اس محنت سے مجھے مضامین کمپوز شدہ مل گئے۔ ان مضامین کے صفحات میری باریک تحریر میں فل اسکیپ سائز کے پانچ سو سے زائد تھے۔ ان تمام مضامین کو کاغذ پر منتقل کر کے ان کو پڑھنا اور پھر ان کو کتابی صورت میں ڈھالنا بھی کافی محنت اور وقت طلب کام تھا۔ میں مختلف سمتوں میں بکھری ہوئی اپنی ہمت کو جمع کر کے اس امکان پر غور رہا تھا کہ اس کی کتابی صورت میں کمپوزنگ اور پھر ان کی پروف ریڈنگ وغیرہ کیلئے جو وقت اور محنت درکار ہے وہ کیسے حاصل کی جائے۔ اس کام کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے ایک اہم سبب پیدا فرما دیا۔

اللہ تعالیٰ کی دوسری مدد

حق تعالیٰ شانہ کا کس زبان سے شکر ادا کیا جائے انہوں نے اس کا انتظام بھی اپنی قدرت سے پیدا فرما دیا۔ اردو میں سائنسی معلومات پر نکلنے والا ماہنامہ گلوبل سائنس ایک بہت مقبول جریدہ ہے۔ اس کے بانی اور مدیر جناب علیم احمد، جو میرے شاگرد بھی رہے ہیں، بہت ستھرے دینی ذوق کے حامل ہیں۔ راقم سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے اس جریدے میں ابتدائی صفحات ''نسخۂ کیمیا'' کے نام سے مخصوص ہیں۔ ان میں مفید دینی اور سائنسی معلومات کا خزانہ ہوتا ہے۔ وہ بھی راقم کے

مضامین باقاعدگی سے پڑھتے ہیں۔

اُن سے برسبیل تذکرہ ڈاکٹر آصف صاحب کے بھیجے ہوئے کمپوز شدہ مواد کا ذکر آیا۔ انہوں نے بھی قیامت پر ان مضامین کو پڑھا تھا۔ انہوں نے سُنا تو بڑے شوق اور اصرار کے ساتھ فرمایا کہ آپ یہ پورے مضامین مجھے بھیج دیجئے۔ میں ان کی کمپوزنگ کروا کر آپ کو بھیج دوں گا۔ آپ ان کو پڑھ کر کتاب کے نقطۂ نظر سے درست کر دیجئے گا۔ چنانچہ انہوں نے یہ سارے مضامین کمپوز کروائے اور اُن کے پرنٹ نکلوا کر مجھے بھیج دیئے۔ یہ بھی بڑا کام تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ کی تیسری مدد

راقم نے ان مضامین کو از اوّل تا آخر توجہ سے پڑھا اور بہت محنت کر کے ان میں جہاں جہاں ضرورت تھی کمی بیشی کر کے ان کو کتاب کے مزاج کے مطابق تبدیل کر دیا۔

لیکن علیم احمد صاحب کو اس عرصے میں بہت سے غیر معمولی گھریلو اور ادارتی معاملات ایسے پیش آئے کہ وہ باوجود کوشش کے اس کام کو وقت نہ دے سکے۔ اور یہ معاملہ پھر تعطل کا شکار ہو گیا۔ میں بھی اس کو تقدیر کے حوالے کر کے بہتر حالات کے انتظار میں رہا۔ پھر اچانک اللہ تعالیٰ نے مسجد میں میری ملاقات پروفیسر ڈاکٹر سیّد ڈاکٹر صلاح الدین قادری صاحب سے کرا دی۔ انہوں نے ایک تحقیقی کتاب، اُونٹ کی خصوصیات پر لکھی تھی۔ اس پر راقم نے ایک تقریظ میں اپنے رائے تفصیل کے ساتھ لکھی تھی۔ یہ کتاب بہت مقبول ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب، علیم احمد صاحب سے قریبی دوستانہ تعلق رکھتے ہیں۔ میں نے ان سے درخواست کی کہ وہ علیم صاحب سے مل کر اگلے کام کی تکمیل کی ذمہ داری قبول کر لیں۔

اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ انہوں نے اپنی تمام تر مصروفیات کے

باوجود پورے دینی جذبے سے یہ کام شروع کردیا۔ میں نے علیم احمد صاحب سے بہت اصرار کے ساتھ عرض کیا کہ وہ کمپوزنگ اور ڈرافٹ پرنٹنگ کے اخراجات کا معاوضہ قبول کرلیں۔ لیکن انہوں نے ہمیشہ سختی سے انکار کیا اور خود ہی کمپوز کروانے پر اصرار کیا۔ یہی معاملہ ڈاکٹر صلاح الدین قادری صاحب نے کیا۔ اور تن دہی سے تیار مسودات میرے گھر پہنچاتے رہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس کی جزائے خیر عطا فرمائے۔

کتاب کی خصوصیات

ا۔ تقریباً تیرہ سال پہلے لکھے گئے یہ مضامین کتنے مراحل سے گزرے، اس کا کچھ حال اوپر بیان کیا گیا۔ حق تعالیٰ شانہ کی اس غیر متوقع امداد و نصرت کے بعد اس کو کتاب کی صورت میں قارئین تک نہ پہنچانا ناشکری کے زمرے میں آتا ہے۔ اس لئے احقر نے ارادہ کرلیا کہ اس کی طباعت کے بھاری اخراجات کا انتظام کر کے کتاب شائع کردی جائے۔

۲۔ ان مضامین کو اللہ تعالیٰ نے جو مقبولیت عطا فرمائی تھی بظاہر اس کی کئی وجوہ معلوم ہوتی ہیں۔ ان میں سب سے پہلی خصوصیت یہ ہے کہ تمام واقعات اور بیانات مستند ذرائع کے حوالے دے کر بیان کئے گئے ہیں۔ میرے بیان کا حصہ اس میں نہ ہونے کے برابر ہے۔ سب کچھ قرآن و سنت کی روایات ہیں۔ البتہ خطوط کے جوابات راقم نے لکھے ہیں۔ اور وہ بھی بزرگوں کی کتابوں کے مطالعے کا نتیجہ ہے۔

۳۔ کتاب کی زبان بہت آسان شگفتہ رکھی گئی ہے کیونکہ یہ اخباری مضامین عوام کیلئے لکھے گئے تھے۔ برخلاف دوسری کتابوں کے جن میں علمی اصطلاحات اور زبان کی وجہ سے عوام کیلئے استفادہ مشکل ہوتا ہے۔

۴۔ اس کتاب کی ایک اہم خصوصیت ان خطوط کے جوابات ہیں جو قارئین نے

بڑی تعداد میں مجھے لکھے تھے۔ ان میں اکثر ایسے سوالات اٹھائے گئے جو آج کل کے ذہنوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ ان کے جوابات میں بہت سے عقائد اور نئے زمانے میں پیدا ہونے والے مسائل کا حل شگفتہ اور آسان انداز میں آ گیا ہے۔ الحمدللہ۔

۵۔ جب یہ مضامین شائع ہوئے تھے تو بعض قارئین نے علامہ ابوبکر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی، اور شاہ نعمت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی پیش گوئیوں پر مشتمل کتابچے مجھے ارسال کیے تھے اور اس وقت ان کا انتخاب بھی مضامین میں شائع ہوا تھا۔ راقم نے مغرب کے مشہور پیش گو ''نوسٹرا ڈیمس'' (Nostradamus) کی پیش گوئیاں بھی انٹرنیٹ کی مدد سے شائع کر دی تھیں۔ مگر طوالت اور ضخامت سے بچنے کیلئے وہ اس کتاب میں شائع نہیں کی گئی ہیں کیونکہ قرآن و سنت کے مقابلے میں ان کا علمی درجہ بہت ہی کم ہے۔

اب یہ کتاب آپ کے سامنے ہے۔ اس کی تیاری کے مختلف مراحل میں جن حضرات نے دامے درمے قدمے سخنے جو تعاون فرمایا ہے، میں ان کا شکرگزار ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اُن کی اس کوشش کو حسنِ قبول سے نوازے۔ خاص طور پر علیم احمد صاحب اور ڈاکٹر صلاح الدین قادری صاحب کا ممنون ہوں کہ ان کے محنت طلب اور وقت طلب تعاون کے بغیر اس کتاب کی اشاعت ممکن نہ ہوتی۔

چند گزارشات

قارئین سے گزارش ہے کہ وہ اس کتاب کے مطالعے سے پہلے اپنی نیت درست کر لیں کہ یہ کتاب محض اپنی دلچسپی اور شوق کی نیت سے نہ پڑھیں۔ اس کی غرض و غایت یہ ہے کہ اپنی موت سے پہلے اپنے عقائد و اعمال کی اصلاح کی فکر کریں۔ کیونکہ انسان کی قیامت کا دن اس کی موت کا دن ہے۔ پھر اُس کی آنکھ حشر

میں کھلے گی جب اللہ کے سامنے کھڑا ہو کر اپنی پوری زندگی کا حساب دینا ہے۔ اس کتاب سے امید ہے کہ اصلاح کی فکر پیدا ہوگی۔

دوسری گزارش ہے کہ راقم نے اس کتاب کی ترتیب وتدوین میں اپنی قدرت کے مطابق محنت کی ہے۔ لیکن انسان خطاء کا پتلا ہے۔ اس کتاب میں جہاں کہیں کوئی غلطی، کوئی بھول چوک یا اقتباسات میں کوئی کمی بیشی ہوئی وہ اس ناکارہ کی طرف سے ہے۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔

تیسری گزارش ہے کہ قارئین اس ناکارہ مؤلف کیلئے عافیت اور حسنِ خاتمہ کی دعا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے عذاب سے بچا کر جنت کے باغوں میں جمع فرمادے۔ آمین۔

اَللّٰهُمَ اِنَّا نَسئَلُکَ الجَنَّۃَ وَمَا قَرَّبَ اِلَیھا مِن قَولٍ اَو فعلٍ اَو عَمَلٍ

محمد ولی رازی
یکم رجب ۱۴۳۷ھ
مطابق 9اپریل 2016ء
گلستان جوہر، بلاک 15، کراچی

پہلا باب

فتنوں کی بارش

☆ہمارا دور اور فتنے

☆علم اٹھا لیا جائے گا (حدیث)

☆علم کی کثرت ہوگی (بائبل)

رازدانِ رسول ﷺ

آنحضرت ﷺ نے قیامت سے پہلے نازل ہونے والے فتنوں اور قیامت تک پیش آنے والے واقعات کو صحابہ کرام کے سامنے بہت تفصیل اور اہمیت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ صحابہ کرام کی جماعت کو اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے علم وہدایت کی نہریں بنا کر پیدا فرمایا تھا جو سرچشمہ نبوت سے سیراب ہو کر آنے والی نسلوں کے لیے روشنی کے مینار ثابت ہوئے۔ ان میں سے ہر صحابی کا اپنا رنگ تھا۔ وہ اپنے اپنے ذوق اور ایمان کے مطابق اللہ کے رسول سے سوال کرتے اور اس علم کو دوسروں تک پہنچاتے تھے۔ ان میں سے حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ ان صحابہ میں سے تھے کہ اُن سے صحابہ کرامؓ آئندہ آنے والے واقعات کے بارے میں پوچھا کرتے تھے۔ چنانچہ وہ خود بیان فرماتے ہیں کہ:

> ''لوگ (صحابہ) رسول اللہ ﷺ سے نیکی کا سوال کرتے رہتے تھے (یعنی اعمال صالحہ کی بابت سوال کرتے تھے) اور میں آپ ﷺ سے برائیوں اور فتنوں کے بارے میں پوچھا کرتا تھا۔ اس خیال سے کہ کہیں میں فتنے میں مبتلا نہ ہو جاؤں''۔ (مشکوٰۃ کتاب الفتن حدیث نمبر 5147)

حضرت عمر فاروقؓ بھی ان سے آئندہ ہونے والے واقعات پوچھا کرتے تھے۔

حضرت ابوحذیفہؓ ان مہاجرین میں سے ہیں جو بالکل شروع میں ایمان لے آئے تھے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ اس وقت تک ابن ارقم کے مکان میں تشریف نہیں لائے تھے۔ یہ اسی عتبہ بن ربیعہ کے بیٹے تھے جو اللہ اور اس کے رسول کا سخت دشمن تھا اور اُس نے اسلام کی مخالفت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ عتبہ قریش کے با

اثر سرداروں میں سے تھا۔ پھر غزوہ بدر میں تاریخ نے ایک نادر منظر دیکھا کہ غزوہ بدر میں عتبہ کے بیٹے حضرت ابو حذیفہؓ نے اپنے باپ کے سامنے آکر ان کو مقابلے کے لیے للکارا اور دنیا کو یہ سبق دیا کہ جب حق کے مقابلے میں باطل سینہ تان کر آئے تو خون کے رشتے ختم ہو جاتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا ہو یا حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ان کی نجات صرف اس بنا پر نہیں ہوگی کہ وہ کسی نبی کا بیٹا اور کسی پیغمبر کی بیوی ہے۔ نجات کا دارومدار خون کے رشتوں پر نہیں بلکہ ایمان اور عمل صالح پر ہے۔ چنانچہ غزوہ بدر کے اختتام پر جب آنحضرت ﷺ نے قریش کے مقتول سرداروں کو ایک گڑھے میں دفنانے کا حکم دیا تو آپ نے اس گڑھے کے قریب کھڑے ہو کر فرمایا: ''اے عتبہ، اے شیبہ، اے امیہ ابن خلف، اے ابوجہل، کیا تم نے وعدہ الٰہی کو حق پایا؟ مجھ سے تو جو کچھ وعدہ ہوا تھا وہ سچ ثابت ہوا''۔ (سیر الصحابہ، بحوالہ بخاری)

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ اس موقع پر ''حضرت ابو حذیفہؓ کا چہرہ غمگین تھا۔ آنحضرت ﷺ نے پوچھا ابو حذیفہؓ (شاید تم کو اپنے) باپ کا افسوس ہے۔ حضرت ابو حذیفہؓ نے عرض کیا خدا کی قسم نہیں۔ مجھے اس کے مقتول ہونے کا صدمہ نہیں ہے۔ لیکن میرا خیال تھا کہ وہ ایک ذی عقل، پختہ کار اور صاحب رائے شخص تھا۔ اس بنا پر مجھے امید تھی کہ وہ ایمان کی دولت سے بہرہ ور ہوگا۔ لیکن جب کہ حضور ﷺ نے حالت کفر پر اس کی موت کی تصدیق کر دی تو مجھے اپنی غلط توقع پر افسوس ہوا''۔ (سیر الصحابہ جلد دوم ص 440، بحوالہ سیرت ابن ہشام)

حضرت ابو حذیفہؓ کو دو ہجرتوں کی سعادت اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ اکثر غزوات میں شرکت کی فضیلت بھی حاصل ہے۔ عہد صدیقی میں مسیلمہ کذاب کے خلاف جہاد میں شریک ہوئے اور 54 برس کی عمر میں شہادت کی فضیلت حاصل کی۔

حضرت ابو حذیفہؓ کا یہ مختصر سا تعارف احقر نے اس لیے ضروری سمجھا کہ قیامت سے پہلے پیش آنے والے واقعات کے مستند ہونے کے بارے میں اگر کسی کے ذہن میں ادنیٰ وہم یا شک ہو تو وہ بھی دور ہو جائے کہ ان کے راوی کس مقام اور مرتبے کی شخصیت ہیں۔ اس لیے گفتگو کی ابتدا حضرت حذیفہؓ کی ایک روایت سے کرتا ہوں۔

''حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ لوگوں کے دلوں پر اس طرح فتنے ڈالے جائیں گے جیسے کہ چٹائی کے تنکے ہوتے ہیں۔ (جس طرح چٹائی جن تنکوں سے بنی جاتی ہے وہ آپس میں برابر برابر ہوتے ہیں اور تعداد میں بھی زیادہ ہوتے ہیں، یعنی یہ فتنے یکے بعد دیگرے بڑی تعداد میں آئیں گے۔) پس جو دل ان فتنوں کو قبول کرلے گا اس کے اندر ایک سیاہ نشان ڈال دیا جائے گا اور جو دل ان فتنوں سے متاثر نہ ہوگا اس پر ایک سفید نشان ڈال دیا جائے گا۔ غرض دو قسم کے دل ہوں گے ایک سفید مثل سنگ مرمر کے اس کو فتنے نقصان نہیں پہنچائیں گے اس وقت تک جب تک آسمان وزمین قائم ہیں۔ دوسرا دل سیاہ راکھ کی مانند جیسے الٹا برتن جس میں کچھ باقی نہ رہے۔ یہ دل نہ نیکی کو جانتا ہوگا اور نہ برے کاموں کو برا جانے گا۔ مگر صرف اسی چیز کو سمجھے گا جو انسانی خواہشات میں سے اس کے دل میں پیوست ہوگئی ہے۔ (حدیث 5145، مشکوٰۃ جلد سوم بحوالہ صحیح مسلم)

ہمارا دور اور فتنے

اس حدیث میں دی گئی تینوں پیشگوئیاں حرف بہ حرف پوری ہوتی ہوئی ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

1- فتنوں کا پے در پے کثرت سے ظاہر ہونا۔ یہ فتنے ہماری سوچ میں، ہمارے عقائد میں، ہمارے اعمال و عبادات میں، ہماری معاشی اور معاشرتی ترجیحات میں صاف نظر آ رہے ہیں۔ ہر آنے والا دن ایک نئے فتنے کی خبر لاتا ہے۔

2- فتنوں کو قبول کرنے والے دل سیاہ ہو جائیں گے اور نیکی کو نیکی نہیں سمجھیں گے اور برائی کو برائی نہیں جانیں گے۔ چنانچہ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ وہ تمام اعمال جن کی وجہ سے پچھلی قوموں پر عذاب نازل ہوا۔ ان برائیوں کو آج کا انسان نہ صرف یہ کہ برا نہیں سمجھتا بلکہ ان کو اپنا حق منوانے پر مصر ہے۔ ہم جنس پرستی، زنا کاری، شیطان کی پوجا، ناپ تول میں کمی، یہ تو وہ برائیاں ہیں جو مغرب میں پروان چڑھیں اور دنیا میں پھیل رہی ہیں۔ خود مسلمانوں میں ہر شخص اپنی اپنی سوچ کو اپنا دین بنا کر اس دھوکے میں مبتلا ہے کہ وہی اس کی نجات کا ذریعہ ہے۔ دلوں کا یہ فتنہ اتنا عام ہے کہ اس کے نظر آنے والے نتائج کی فہرست بہت طویل ہوگی۔ سود کو حلال سمجھ کر اس پر معیشت کی بنیاد رکھ کر آج کی دنیا جس عذاب میں مبتلا ہے وہ سب پر ظاہر ہے۔

3- ایک جماعت کا ہمیشہ قائم رہنا جو ان فتنوں کو قبول کرنے سے انکار کر دیں گے اور جن کے دل سنگ مرمر کی طرح سفید ہوں گے اور زمین و آسمان جب تک قائم ہیں ان پر کوئی فتنہ اثر انداز نہیں ہوگا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن و سنت کا صحیح علم عطا فرمایا اور اس پر عمل کی توفیق دی اور ان کے علاوہ عوام جن کو اللہ تعالیٰ نے آخرت کی فکر نصیب فرمائی۔ وہ دنیا کے طعن و ملامت کی پرواہ کیے بغیر اس دھن میں لگے ہوئے ہیں کہ وہ اپنے رب کی خوشنودی کس طرح حاصل کریں اور مبلغین جو لوگوں کو دین حق کی تبلیغ کا فریضہ انجام دینے کے لیے اپنے گھربار اور بیوی بچوں کو چھوڑ کر دور دراز کا سفر کرتے ہیں۔

قیامت سے پہلے فتنوں کے بارے میں ایک اور حدیث جو بخاری اور مسلم میں روایت کی گئی ہے۔اس کا ترجمہ یہ ہے:

''حضرت اسامہ بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ کے ایک بلند مکان پر چڑھے اور صحابہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا'' کیا تم اس چیز کو دیکھتے ہو جس کو میں دیکھ رہا ہوں؟'' صحابہ نے عرض کیا نہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا میں فتنوں کو دیکھ رہا ہوں جو تمہارے گھروں پر اس طرح برس رہے ہیں جس طرح بارش برستی ہے''۔(حدیث نمبر 5152،مشکوٰۃ جلد سوم)

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ''تمہارے گھروں پر'' کے الفاظ کے ساتھ فتنوں کی بارش کا ذکر فرمایا ہے۔ ہمارے گھروں پر فتنوں کی یہ بارش اس دور کا ایسا فتنہ ہے جس کے ہولناک اور تباہ کن اثرات کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بھی اس سے بچنے کی فکر تو کیا کرتے ان کے فروغ میں اپنا پیسہ اور اپنے وقت کا سرمایہ لگا کر اپنی دنیا اور آخرت کو داؤ پر لگا رہے ہیں۔ یہ فتنہ ٹی وی، موبائل فون، ڈش اور کیبل کے ذریعے ہمارے گھروں میں گھسا ہے اور ہماری بے غیرتی کا یہ حال ہے کہ ہم اللہ اور اس کے بدترین دشمنوں کی نشریات کے ذریعے غیر محسوس طور پر اپنی نسلوں کو ان کے شیطانی عقائد و افکار اور ان کی کافرانہ ثقافت کے جال میں پھنسا رہے ہیں۔حد تو یہ ہے کہ ہمارا بدترین دشمن بھارت اس نئی نسل کے لیے اپنے ٹی وی کے چینلوں پر ایسے ڈراموں کا سلسلہ نشر کرتا ہے جن میں وہ غیر محسوس طور پر بت پرستانہ عقائد و نظریات کو دکھاتا ہے۔

دکھے دل سے عرض کرتا ہوں کہ ان ڈراموں کو جس پابندی اور اہتمام کے ساتھ ہمارے گھروں میں دیکھا جاتا ہے۔ یہ خود قیامت کی علامتوں میں سے ہے۔ ان ڈراموں کو دور جدید کے نفسیاتی طریقوں پر تیار کیا جاتا ہے۔جن کو دیکھنے والا

ایک خاص نفسیاتی اثر کے تحت اگلی قسطوں کو دیکھنے کے لیے بے چین ہوتا ہے اور یہ ڈرامے سینکڑوں قسطوں پر محیط ہوتے ہیں۔ ہمارے بچوں کے کچے ذہن جب ان ڈراموں کو دیکھتے ہیں تو ان کے دلوں میں بت پرستی کے عقائد واوہام سے آہستہ آہستہ انس پیدا ہو جاتا ہے۔ (معاذ اللہ)

دوسری طرف اس سے گھر کا پرسکون ماحول بری طرح متاثر ہوتا ہے۔ میرے پاس کئی جھگڑے ایسے آئے جو شوہر اور بیوی کے درمیان ان ڈراموں کی وجہ سے علیحدگی کی حد تک جا پہنچے۔ شوہر دن بھر اپنی معاشی مصروفیات سے تھک کر گھر میں آتا ہے تو دیکھتا ہے کہ بیوی اور بچے ڈرامے دیکھنے میں منہمک ہیں۔ وہ اگر کھانا مانگتا ہے یا کوئی ضروری بات کرتا ہے تو بیوی بچوں کو اس کی یہ مداخلت بھی بری لگتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس مصیبت سے نجات دے اور ان فتنوں سے ہمیں اپنی پناہ میں رکھے۔

ترمذی کی ایک حدیث جو حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے اس میں قیامت سے پہلے ظاہر ہونے والی علامتوں کا ذکر کچھ تفصیل کے ساتھ آیا ہے۔ ان علامتوں کو دیکھ کر یوں معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ ہمارے اس دور کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اس دور کی خصوصیات کا ذکر فرما رہے ہیں۔

"حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔

جب مال غنیمت کو دولت قرار دیے دیا جائے گا (یعنی مال غنیمت کو اہل اقتدار خود لے لیں گے اور غریبوں کو اس میں سے حصہ نہ دیں گے) اور جب امانت کو غنیمت سمجھ لیا جائے گا۔ جب زکوٰۃ کو تاوان سمجھ لیا جائے گا۔ جب علم کو دین کے لیے نہیں سیکھا جائے (یعنی دنیا کے لیے علم سیکھا جائے گا) جب مرد عورت کی اطاعت کرے گا اور جب وہ ماں کی نافرمانی کرے گا اور اس کو رنج دے گا اور جب آدمی دوست کو قریب کرے گا اور باپ کو

دور کرے گا۔ جب مسجد میں زور زور سے باتیں کی جائیں گی، جب قوم کا فاسق آدمی قوم کی سرداری کرے گا، اور جب قوم کے معاملات کا سربراہ قوم کا رذیل ترین شخص ہوگا، اور جب آدمی کی تعظیم اس کی برائیوں سے بچنے کے لیے کی جائے گی، اور جب گانے والی عورتیں ظاہر ہوں گی، اور موسیقی کے آلات ظاہر ہوں گے، اور جب شرابیں پی جائیں گی اور جب اس امت کے لوگ پچھلے لوگوں کو برا کہیں گے اور لعنت کریں گے۔ اس وقت تم ان چیزوں کا انتظار کرنا۔

''تیز و تند سرخ آندھی، زلزلہ، زمین میں دھنس جانا، صورتوں کا مسخ اور تبدیل ہو جانا اور پتھر برسنا۔ اور ان پے در پے نشانیوں کا (جو قیامت سے پہلے واقع ہوں گی) گویا وہ موتیوں کی ایک ٹوٹی ہوئی لڑی ہے جس سے پے در پے موتی گر رہے ہیں''۔ (بحوالہ ترمذی، مشکوۃ جلد سوم حدیث نمبر 5214)

اس حدیث میں کل 16 علامتوں کی خبر دی گئی ہے۔ یہ سولہ علامتیں سب کی سب پوری ہو چکی ہیں اور ہم اس وقت ان علامتوں کو سو فیصد پورا ہوتا ہوا دیکھ رہے ہیں۔

یہ وہ برائیاں ہیں جن میں آج پوری دنیا مبتلا ہے لیکن ان علامتوں میں بعض اعمال صرف مسلمانوں کے لیے مخصوص ہیں مثلاً زکوۃ کو تاوان سمجھنا، دین کے بجائے دنیا کے لیے علم حاصل کرنا، مسجدوں میں شور مچانا، اس امت کے لوگوں کا اپنے اسلاف کو برا بھلا کہنا وغیرہ۔ آج ان میں سے ہر علامت ہماری زندگی کا جزو بن گئی ہے اور بعض برائیوں کو تو ہم دین سمجھ کر ان میں مبتلا ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی سمجھ عطا فرمائے۔ آمین

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے چار قسم کی آفات کا ذکر فرمایا کہ جب یہ حالات دنیا میں پیدا ہو جائیں تو سرخ آندھی، زلزلہ، زمین میں دھنسائے جانے اور صورتوں

کے مسخ ہونے کے واقعات رونما ہوں گے۔ دوسری احادیث میں زلزلوں کی کثرت اور نئی نئی بیماریوں کی خبریں بھی دی گئی ہیں۔

کیمونزم کے عروج کے وقت بعض ولوگوں نے اسے "سرخ آندھی" کی علامت قرار دیا تھا۔ لیکن یہ صرف مجازی معنی میں ہوسکتا ہے جبکہ اس حدیث میں تمام واقعات اپنے حقیقی معنی کے لحاظ سے پوری ہوئی ہیں۔ اس لیے صرف سرخ آندھی کو ان سے مستثنیٰ قرار دینا بلا کسی دلیل کے ہوگا۔

ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ حتی الامکان اس بات کی شعوری کوشش کرے کہ وہ اپنی ذات کو قیامت کی ان علامتوں میں سے کسی بھی علامت کے ظہور کا ذریعہ نہ بننے دے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہمارے اہل وعیال اور تمام مسلمانوں کی حفاظت فرمائے۔

علم اٹھالیا جائے گا (حدیث)

علم کی کثرت ہوگی (بائبل)

میں سب سے پہلے تو ان قارئین کی خدمت میں شکریہ پیش کرتا ہوں جنہوں نے میرے مضامین کو پڑھ کر اپنی قیمتی تجاویز اور آرا سے راقم الحروف کی ہمت افزائی فرمائی۔ ان میں سے ایک خط اور ایک فون خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ڈاکٹر معراج الہدیٰ صدیقی صاحب نے جو جماعت اسلامی کراچی کے امیر ہیں، دو خط احقر کے نام بذریعہ امت بھیجے۔ ایک خط میں تو انہوں نے اس موضوع کی ضرورت واہمیت بیان فرما کر اپنے تعریفی کلمات سے احقر کی ہمت افزائی فرمائی جس کے لیے میں ان کا شکر گزار ہوں۔ دوسرے خط میں انہوں نے تجویز پیش فرمائی ہے کہ ان مضامین میں

دجال اور اس کی حقیقت اور اس کے ظہور کے بارے میں مستند روایات لے کر حالات حاضرہ کی روشنی میں ان کا تعلق اگر ممکن ہو تو اس کو تفصیل کے ساتھ لکھا جائے۔

اس کے علاوہ ٹیلی فون پر ایک عیسائی دوست نے اپنی اس حیرت کا اظہار کیا ہے کہ قیامت سے پہلے ہونے والے واقعات پر حدیثوں اور انجیلوں میں پائی جانے والی خبروں میں کس قدر یکسانیت ہے؟ (راقم نے کچھ پہلے بائبل اور قرآن وحدیث میں علامات قیامت پر چند مضامین لکھے تھے، ان کی طرف اشارہ تھا۔) ان کی تجویز ہے کہ بائبل کی ایسی روایات جو قرآن وسنت سے یکساں ہوں، ان کو ان مضامین میں خصوصی طور پر شامل کیا جائے۔

قرب قیامت کی احادیث 5 ابواب میں تقسیم کی جاسکتی ہیں۔ (1) قیامت کی عام علامتیں جو دنیا میں آنحضرت ﷺ کے بعد کسی بھی زمانے میں ظاہر ہوسکتی ہیں، ان کا سلسلہ خروج دجال تک جاری رہے گا۔ ان علامتوں میں جنگوں کا ہونا، زنا، قتل اور فحاشی وعریانی کا رواج وغیرہ شامل ہیں۔ (2) پھر خروج دجال پر ایک بہت بڑا ذخیرہ احادیث میں اور بائبل میں موجود ہے۔ (3) پھر ظہور مہدی، (4) پھر نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام (5) اور پھر یاجوج ماجوج کا ظاہر ہونا اور آخر میں قیامت کا قائم ہونا۔

احقر نے جب یہ ارادہ کیا کہ اس موضوع پر مسلسل مضامین لکھے جائیں تو اپنے ذہن میں چار ابواب اس ترتیب سے قائم کیے۔ 1- فتنوں کا ظہور ان کی تفصیلات۔ 2- خروج دجال اور اس کی علامات وغیرہ۔ 3- ظہور مہدی کی تمام تفصیلات۔ 4- نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور قیامت کا قائم ہونا۔

عیسائی دوست کا یہ کہنا درست ہے کہ آخری زمانے کے بارے میں مختلف انبیاء علیہم السلام سے منسوب پیشگوئیاں، حدیث میں دی جانے والی خبروں سے کافی

حد تک یکسانیت رکھتی ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بائبل میں مختلف زمانوں میں ہونے والی تبدیلیوں کا زیادہ تر تعلق توحید، رسالت اور عبادات سے رہا ہے۔ اس لیے آخری زمانے کے بارے میں تبدیلیاں نسبتاً کم ہوئی ہیں۔ مجھے دوران مطالعہ خود ایسی روایات ملیں جن کے اکثر حصے اسلامی عقائد سے حیرت انگیز طور پر موافقت رکھتے ہیں۔ انجیلوں میں پائی جانے والی پیشگوئیوں کا بیشتر حصہ عہد قدیم کے یہودی صحیفوں سے ماخوذ یا ان کی تفصیل ہیں۔ ان کا ذکر اپنے موقع پر ہوتا رہے گا۔

ایک حدیث جو متفق علیہ ہے (یعنی اس کو صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں نے روایت کیا ہے) اور بائبل کی کتاب دانیال میں دی گئی ایک پیشگوئی ہے، ذیل میں درج ہے۔ حدیث یہ ہے:

"حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ زمانے باہم قریب ہوں گے اور علم اٹھالیا جائے گا اور فتنوں کا ظہور ہوگا اور بخل ڈالا جائے گا (یعنی لوگوں کے دلوں پر) اور ہرج کی کثرت ہوگی۔ صحابہؓ نے پوچھا ہرج کیا چیز ہے فرمایا "قتل" (بخاری و مسلم مشکوۃ جلد سوم)۔

بائبل کے عہد قدیم کی کتاب دانیال کے بارہویں باب کی آیات تین اور چار کا ترجمہ کنگ جیمز ورژن کے مطابق یہ ہے:

"علم کی کثرت ہوگی۔ دانشمند راہنما آسمان کی تمام روشنی کے ساتھ منور ہوں گے اور جنہوں نے بہت سے لوگوں کو حق کا راستہ دکھایا ہوگا وہ آسمان کے ستاروں کی مانند چمکیں گے۔" (کتاب دانیال 12:3,4)۔

بائبل کے گڈ نیوز ورژن میں "علم کی کثرت ہوگی" کے الفاظ کی جگہ یہ عبارت دی گئی ہے: "اس دوران بہت سے لوگ یہ جاننے کے لیے کہ کیا واقعات ہو رہے

ہیں اپنی کوششوں کو ضائع کریں گے۔" (گڈ نیوز بائبل، کتاب دانیال باب 12، صفحہ 868، برٹش ایڈیشن مطبوعہ 1982ء)۔

حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث میں خبر دی گئی ہے کہ "علم اٹھالیا جائے گا" اور بائبل کی روایت میں پیشگوئی ہے کہ "علم کی کثرت ہوگی" بظاہر دونوں رواتیوں میں تعارض نظر آتا ہے۔ لیکن احقر کے عاجزانہ خیال کے مطابق یہ تعارض نہیں ہے اس کی تفصیل آگے عرض کرتا ہوں۔ آج ہم جس دور میں جی رہے ہیں اس کو "علمی سیلاب" کا دور کہا جاتا ہے۔ بلاشبہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ کمپیوٹر کی ایجاد کے بعد (علم کا نہیں) معلومات کا جو سیلاب آیا ہے وہ اتنا تندوتیز ہے کہ آج کا انسان اس کے آگے کتنا بے بس ہے اس کا اندازہ ان چند اعداد وشمار سے کیجیے۔

حال ہی میں ایک سیمینار لندن میں ہوا تھا جس میں مختلف علمی شعبوں کے ماہرین نے اپنے مقالے پڑھے تھے۔ اس کا عنوان تھا Information Overload یعنی "معلومات کا حد سے زیادہ بوجھ۔" اس کے سروے کے مطابق دنیا میں اب تک جتنے سائنس دان کسی بھی زمانے میں پیدا ہوئے ان کی مجموعی تعداد سے زیادہ سائنس دان آج زندہ ہیں اور وہ سائنسی معلومات میں دو ہزار صفحات فی منٹ کے حساب سے اضافہ کررہے ہیں آج کل تقریباً 30 کروڑ صفحات کے برابر تحریری مواد روزانہ انٹرنیٹ پر جاری کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر مالکم ٹوڈ Dr. Malcolm Todd جو امریکن میڈیکل ایسوسی ایشن کے صدر بھی رہ چکے ہیں کہتے ہیں کہ ہر دس سال بعد طبی دنیا کی تمام معلومات کا تقریباً نصف حصہ ازکار رفتار Outdated ہوجاتا ہے۔ 1970ء میں جب امریکی خلائی جہاز اپولو 13 (Appolo 13) خلا میں گم ہوگیا تھا، اس وقت امریکی خلائی ادارے ناسا NASA کو اس کی تلاش کرنے کا طریقہ معلوم کرنے میں 90 منٹ لگے تھے۔ اگر

کوئی سائنس دان قلم اور کاغذ لے کر ان معلومات اور حساب کتاب کو اپنے ہاتھ سے انجام دیتا تو ایک حساب کے مطابق اس کو دس لاکھ سال اس کام کے لیے درکار ہوتے۔ برٹش ٹیلی کام لیبارٹریز کے پروفیسر پیٹر کوشرین Prof Peter Cochrane کا کہنا ہے کہ آج کل کی ایک عام موٹر کار چاند پر سب سے پہلے قدم رکھنے والے خلا باز سے زیادہ ذہین ہے اور کلائی پر بندھی ہوئی بعض گھڑیاں 1970ء کے سب سے زیادہ طاقتور کمپیوٹر سے زیادہ کارکردگی کی صلاحیت رکھتی ہیں۔

قارئین! یہ ایک بہت مختصر سا خاکہ ہے جو علم کے دھماکوں کے اس دور کی ایک دھندلی سی تصویر پیش کرتا ہے۔ آنکھوں دیکھے اس مشاہدے کے مقابل حدیث کے یہ الفاظ کہ ''علم اٹھالیا جائے گا'' بظاہر بعید از قیاس معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن آنحضرت ﷺ کی اس پیشگوئی کا آغاز بھی اپنے حقیقی معنوں میں ہو چکا ہے۔ میں اکثر کہتا رہا ہوں کہ یہ علم کا سیلاب نہیں ہے۔ معلومات کا سیلاب ہے اور یہ سیلاب اس علم کو بھی بہا کر لے جا رہا ہے جو انسان کو اس دنیا میں حیات طیبہ اور آخرت میں دائمی راحت و آرام کا پیغام لے کر آیا تھا۔

انفارمیشن اوورلوڈ کے اس دور سے پوچھیے کہ اس نے ایک عام انسان کو پہلے سے بہتر انسان بنانے کے لیے کیا خدمت انجام دی؟ کیا انسان نے اس کائنات کے خالق کے بارے میں پہلے سے زیادہ معلومات حاصل کرلیں؟ کیا آج کا انسان علم کی اس روشنی میں جہالت سے نجات پا گیا؟ کیا رشتوں کا تقدس پہلے سے زیادہ بحال ہوا؟ کیا اس علم نے ہمیں مخلص اور دیانتدار حکمران مہیا کر دیے جو عوام کے جان و مال کا پہلے سے زیادہ تحفظ کر رہے ہیں؟ کیا خود غرضی، کنجوسی، غربت اور جہالت پر قابو پا لیا گیا؟ کیا ہم نے اپنی نسلوں کے لیے جنگوں کے تباہ کن خطرات

سے محفوظ ظلم سے پاک معاشرے کے اصول تیار کر لیے؟
اگرچہ آج کے دور میں دنیا میں گزرے ہوئے سائنس دانوں کی مجموعی تعداد سے زیادہ سائنس دان موجود ہیں۔ کیا ان سب نے جو روزانہ دو ہزار صفحات پر مبنی سائنسی معلومات میں اضافہ کر رہے ہیں۔ انسان کے دکھوں کا مداوا کر دیا؟ یہ بھی درست ہے کہ امریکی خلائی ادارے نے صرف 90 منٹ میں وہ کام کر ڈالا جو ایک شخص کو ہاتھوں سے پورا کرنے کے لیے دس لاکھ سال درکار ہوتے۔ لیکن کیا اس ادارے نے انسانیت کو صرف 90 منٹ ایسے مہیا کر دیے جس میں وہ جنگوں کے خطرات سے، غربت افلاس اور ظلم وغصب کے اندیشوں سے محفوظ رہی؟ یہ بھی درست کہ آج کل کے کمپیوٹر کی ایک چپ میں 125 ملین (1 کروڑ 25 لاکھ) ٹرانزسٹرز جن کی موٹائی انسانی بال کی موٹائی کا 600 واں حصہ ہے۔ انسان کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ معاف کیجیے گا میں نے ''آج کل کے کمپیوٹر'' غلط کہا۔ یہ 1996ء کے کمپیوٹر میں استعمال ہونے والی چپ کا ذکر ہے۔ ان برسوں میں علم کے کتنے مزید دھماکے ہوئے ہیں، ان کی تفصیل میں جاؤں گا تو ڈپریشن کا شکار ہو جاؤں گا۔

عرض یہ کرنا ہے کہ بیشک سائنس اور ٹیکنالوجی کی اس ترقی سے انسانیت کی بڑی خدمت ہوئی ہے۔ میری اس گفتگو سے یہ تاثر لینا غلط ہوگا کہ اسلام سائنس اور ٹیکنالوجی کے خلاف ہے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ اس کی ہمت افزائی کرتا ہے بشرطیکہ اس ترقی کو مثبت نیت کے ساتھ مثبت مقاصد کے لیے استعمال کیا جائے۔ ان دو شرائط کی عدم موجودگی کی وجہ سے علمی دھماکوں کے اس دور نے پوری دنیا کو اس وقت تباہ کن جنگ عظیم کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہوا ہے۔ اس لئے حدیث کا یہ ارشاد کہ ''علم اٹھالیا جائے گا'' اس لیے درست ہے کہ علم کا اصل مقصد غلط اور صحیح میں تمیز

کرنا ہے۔ اور یہ علم صرف قرآن وسنت کا علم ہے جو انسان کو دائمی نجات عطا کرنے والا ہے۔

یہاں قارئین کی دلچسپی کے لیے عیسائی مذہب کے ایک فرقے جو ''عصر جدید'' (New Age) کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے ایک پروفیسر مسٹر لیمرٹ جوتھیا صوفی کے ماہر ہیں اور اپنے مکاشفات کے لیے وہ ایک مستند نام کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ موجودہ دور کی سائنسی ترقی شیطان کے ہتھیاروں میں سے ایک ہتھیار ہے۔ جو دجال کے مشن کے لیے زمین ہموار کررہی ہے۔ ان کے ایک لیکچر کا اقتباس یہ ہے۔ یہ لیکچر انہوں نے 2002ء میں نومبر کے مہینے میں دیا تھا۔

''حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے پہلے ظاہر ہے کہ ترقی یافتہ سائنس اور کچھ مافوق العادت قوتوں کا میل ہوگا۔ بلاشبہ اگر شیطان نے ایک مقصد کے تحت انسان پر نئے سائنسی رازوں کو منکشف کیا ہے۔ جیسا کہ نیو ایج New Age والوں کا دعویٰ ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ مافوق العادت قوتیں اور سائنسی ٹیکنالوجی شیطان کے کارنامے ہیں''۔ (سیمینار برائے پراسرا نفسیات Occult Psychology رپورٹ، صفحہ نمبر 8)

آیئے اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ بالا حدیث پر مختصر گفتگو کرلیتے ہیں۔ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر مندرجہ ذیل پیشگوئیاں فرمائی ہیں۔ 1- زمانے باہم قریب ہوں گے۔ 2- علم اٹھالیا جائے گا۔ 3- فتنوں کا ظہور ہوگا۔ 4- بخل ڈالا جائے گا۔ 5- ہرج کی کثرت ہوگی۔

ان میں سے اس وقت صرف دوسری خبر یعنی ''علم اٹھالیا جائے گا'' کے بارے میں کچھ عرض کرنے پر اکتفا کروں گا۔ کتاب دانیال کی پیشگوئی بشرطیکہ وہ روایت

مستند ہو معلومات کی زیادتی کے بارے میں ہوگی جس کی تفصیل اوپر آچکی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس علم کے اٹھ جانے کی پیشگوئی فرمائی ہے اور جس کا مکمل ظہور تو اس وقت ہوگا جب قیامت قائم ہوگی۔ کیونکہ قیامت مسلمانوں پر قائم نہیں ہوگی۔ روایات کے مطابق جب قرآن اٹھالیا جائے گا اور ایک فرد بھی اللہ اللہ کہنے والا نہ رہے گا تو قیامت قائم ہو جائے گی۔ لہٰذا اس پیشگوئی میں وہ علم مراد ہوگا جو حقیقی علم ہے۔ جس کا مقصد ہی انسان کو اس زندگی میں حیات طیبہ دینا اور آخرت میں ابدی نجات دینا ہے اور یہ علم قرآن وسنت کے علم کے سوا کوئی اور علم نہیں ہے۔

مجھے اگر یہ معلوم ہو جائے کہ دنیا میں کل درختوں کی کتنی تعداد ہے، آسمان پر چمکنے والے ستارے کتنے ہیں، سمندروں کی مخلوقات کتنی ہیں اور یہ معلوم نہ ہو کہ میرا خالق کون ہے؟ ایک ہے یا ایک سے زیادہ؟ اس نے ہم کو اس دنیا میں کیوں بھیجا ہے؟ تو میری یہ معلومات میرے لیے وبال ہوں گی۔ ایئر کنڈیشنر اور کمپیوٹر کے موجدین جو اس دنیا سے جاچکے ہیں ان کی ایجادیں بغیر ایمان کے ان کی قبروں کو ٹھنڈی اور کشادہ نہیں کریں گی۔ ان کی قیامت قائم ہو چکی، کیونکہ وہ اب یوم حشر اٹھیں گے۔ ان کا سائنسی علم بغیر ایمان اور عمل صالح کے ان کے کام نہیں آئے گا۔ حدیث کی اس پیشگوئی کا آغاز ہو چکا ہے۔ علم دین رفتہ رفتہ سمٹ رہا ہے اور اس میں بھی مختلف مسالک نے قرآن وسنت کی بجائے اپنے بعض عقائد کی بنیاد بعد میں آنے والے لوگوں کے اقوال پر قائم کرلی ہے جو قرآن وسنت کے مطابق نہیں ہیں۔

قتل، عام ہو جائے گا

پہلے جو حدیث اوپر بیان کی گئی ہے اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ہرج زیادہ ہوگا، صحابہ کرام نے پوچھا کہ ہرج کیا چیز ہے فرمایا ''قتل''

صحیح مسلم کی ایک روایت جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں آنحضر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے دنیا اس وقت تک فنا نہ ہوگی جب تک لوگوں پر ایسا دن نہ آجائے جس میں قاتل کو یہ معلوم نہ ہوگا کہ اس نے مقتول کو کیوں قتل کیا، اور نہ مقتول کو یہ معلوم ہوگا کہ اس کو کیوں قتل کیا گیا۔ صحابہؓ نے (تعجب سے) پوچھا، ایسا کیونکر ہوگا فرمایا ہرج (یعنی فتنہ) قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں جائیں گے۔

(مشکوٰۃ بحوالہ مسلم حدیث نمبر 5155)۔

اس سے پہلی حدیث میں آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہرج قتل ہے جبکہ اوپر والی حدیث میں ہرج کے معنی فتنہ بیان کیے گئے ہیں۔ دونوں معنوں کا حاصل ایک ہی ہے، یعنی ایسا فتنہ جس میں قتل بہت عام ہو جائے گا۔ ہماری آنکھوں نے خود اپنے ملک اور اپنے شہروں میں اس پیشگوئی کو جس طرح پورا ہوتا ہوا دیکھا ہے۔ اور دیکھ رہے ہیں، شاید ہی کسی نے دیکھا ہو، ایک سیاسی شخص کا نام و پتہ دیدیا جاتا ہے۔ چند سکوں کے عوض قتل ہو جاتا ہے نہ قاتل کو یہ معلوم کہ وہ اس شخص کو کیوں قتل کر رہا ہے۔ نہ مقتول کو یہ خبر کہ اس کو کس جرم میں قتل کیا گیا ہے۔

یوں تو قتل و غارت کا بازار پوری دنیا میں پچھلی تین دہائیوں میں زیادہ گرم ہوا۔ لیکن افسوسناک بات یہ ہے کہ پچھلی دو دہائیوں میں اس پیشگوئی کو پورا کرنے کا تمغہ جس بیدردی کے ساتھ پاکستان کے بعض افراد اور بعض تنظیموں نے حاصل کیا اس کی مثال کہیں اور نظر نہیں آتی (اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے) قتل کی وجوہات پر اگر غور کیا جائے گا تو صرف ایک وجہ بنیادی نظر آئے گی۔ وہ ہے نفس کی بے لگام آزادی جس پر کسی قانون، مذہب کی اصول اور عقل کا پہرہ نہ ہو۔ شدت پسندی۔

ایذا رسانی، دوسروں پر اپنی مرضی تھوپنے کا جنون، دہشت گردی وغیرہ سب اسی کی اولاد ہیں۔ اسی قوت کو مہذب کرنے کے لیے تمام ادیان نے تزکیہ نفس کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ نفس کا یہ گھوڑا جب سرکش ہوتا ہے تو اخلاق کی تمام قدروں کو اپنے پاؤں تلے روندتا ہوا انسان کو ایک وحشی جانور سے زیادہ سفاک بنا دیتا ہے۔

قرب قیامت کی علامتوں میں قتل و غارت گری کے بڑھ جانے کی پچھلے صحیفوں میں بھی خبر دی گئی ہے چنانچہ انجیل متیٰ کے 24 ویں باب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں سے دنیا کے آخری زمانے کے بارے میں مختلف واقعات کا ذکر کر رہے ہیں اس کی آیت 9 کا ترجمہ کنگ جیمز ورژن کے مطابق یہ ہے:

> ''پھر وہ (جھوٹے لوگ) تمہیں برباد ہونے کے لیے لوگوں کے حوالے کر دیں گے اور تمہیں قتل کریں گے اور تمام اقوام تم سے میرے نام کی وجہ سے نفرت کریں گی''۔(24:9)

یہ واضح رہے کہ اس باب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے آسمان سے نازل ہونے سے پہلے کے واقعات کا ذکر کر رہے ہیں اور وہ حالات بتا رہے ہیں جو آپ کے نزول سے پہلے دنیا میں ہوں گے۔ ان میں قتل و غارت گری اور شدت پسندی وغیرہ کی خبریں بھی ہیں۔

صحیح احادیث میں قتل و غارت گری کے عام ہونے کی پیشگوئیاں کئی حدیثوں میں آئی ہیں۔ اور قتل کے واقعات میں دنیا کے کسی خاص ملک میں نہیں بلکہ بیشتر ممالک میں حیرت ناک حد تک اضافہ ہوا ہے۔

صرف امریکہ میں قتل کے واقعات میں کتنا اضافہ ہوا ہے اس کا اندازہ ایف بی آئی (F.B.I) کی اس رپورٹ سے کیا جا سکتا ہے۔ ایف بی آئی کا کہنا ہے کہ امریکہ میں ہر 22 منٹ میں ایک آدمی قتل ہوتا ہے۔ ہر چار منٹ میں ایک جبریہ زنا

کا واقعہ ہوتا ہے۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ امریکی معاشرے میں زنا صرف ان واقعات کو کہا جاتا ہے جس میں عورت کی مرضی شامل نہ ہو، یعنی Rape۔ باہمی رضامندی سے ناجائز تعلقات زنا کی تعریف میں نہیں آتے ہیں۔ ہر 26 سیکنڈ میں ایک ڈاکہ پڑتا ہے، (یعنی ہر سوا منٹ میں تین ڈاکے پڑتے ہیں) رائٹرز (Reuters) کی رپورٹ کے مطابق امریکہ میں جرائم کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے۔

امریکہ میں قائم ''کونسل برائے امریکہ میں جرائم'' (Council on Crime in America) کے نام سے ایک ادارے نے اپنی پہلی رپورٹ میں بتایا ہے کہ ''امریکہ میں جرائم کی تعداد کا درجہ تاریخی ریکارڈ کی حیثیت رکھتا ہے''۔ اسی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ''امریکہ شدت پسندی کے جرائم کا ٹک ٹک کرتا ہوا ایک بم ہے جو پھٹنے کے لیے اپنا وقت پورا کر رہا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ ایف بی آئی کے اعداد و شمار ایک برفانی پہاڑ کا صرف ایک ٹکڑا ہے۔ جبکہ وہ اعداد و شمار جو متاثرہ لوگوں کے ایک جائزے پر مبنی ہیں، FBI کے رپورٹ شدہ جرائم سے 5.6 فیصد زیادہ ہیں۔ قتل اور خودکشی کے واقعات اب امریکہ میں 145 واقعات روزانہ کے حساب سے ہو رہے ہیں۔ گزشتہ تیس سالوں میں 1,200,000 (بارہ لاکھ) آدمی ان واقعات میں مارے گئے ہیں۔ یہ تعداد ان تمام لوگوں کی تعداد سے زیادہ ہے جو امریکہ کی تاریخ میں لڑی جانے والی تمام جنگوں میں مارے گئے۔

یہ صرف دنیا کے اس ملک کے اعداد و شمار ہیں جو تہذیب و تمدن، علم و تحقیق، جمہوری روایات اور عورتوں کے حقوق اور آزادی کا سب سے بڑا دعویدار ہے۔ باقی دنیا کے واقعات پر نظر کریں گے تو بات کہاں پہنچے گی۔ یہ اندازہ آپ خود کیجیے۔ لیکن یہ جان کر قارئین کو خوشی ہوگی کہ سالانہ عالمی رپورٹوں کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے

کہ دنیا میں قتل، ڈاکہ اور زنا کے واقعات سب سے کم سعودی عرب، امارات، افغانستان، ایران، پاکستان، اسرائیل اور بھارت میں ہوئے ہیں۔ ان ممالک کے ناموں کو دوبارہ پڑھیے۔ آپ کو ایک چیز قدر مشترک کے طور پر نظر آئے گی۔ وہ یہ کہ ان سب ممالک کا تعلق کسی نہ کسی مذہب سے ہے۔ یہاں مذہب نے اپنے آپ کو زندہ رکھا ہے۔ قتل، ڈاکہ زنی، زنا وغیرہ وہ جرائم ہیں جن کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ مذہب ہے، خواہ وہ کوئی بھی مذہب ہو۔ مغربی ممالک نے تو مذہب کو کان پکڑ کر اپنی زندگی سے نکال ہی دیا ہے جس کے نتائج ان اعداد و شمار کے آئینے میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور پیشگوئی جس کو آج ہم عملی صورت میں دیکھ رہے ہیں۔ اس کا ترجمہ یہ ہے

> ''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قیامت قائم نہ ہوگی جب تک زمانے آپس میں قریب نہ ہو جائیں۔ پس سال مہینے کے برابر ہو جائے گا۔ اور مہینہ جمعہ (یعنی ہفتہ) کے برابر اور ہفتہ ایک دن کے برابر اور دن اس وقت ایک گھنٹے کے برابر ہوگا۔ اور گھنٹہ شعلہ اٹھنے کے برابر (یعنی آگ کی چمک جو فوراً بجھ جائے)۔
>
> (مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی حدیث نمبر 5212)

یوں لگتا ہے کہ ہمارے اس دور کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیشگوئی فرمائی ہے۔ یہاں ذہنوں میں یہ سوال ضرور اٹھے گا کہ جب سال کے دن بھی اتنے ہی ہیں جتنے پہلے زمانوں میں تھے مثلاً شمسی سال میں دنوں کی تعداد 365.25 ہے اور اسلامی سال کے دنوں کی تعداد 354.367 ہے یہی تعداد پہلے بھی تھی اور آج بھی ہے۔ اسی طرح مہینوں، ہفتوں اور گھنٹوں کا بھی یہی حال

ہے۔ پھر ایک سال کا ایک مہینے کے برابر ہونے کا کیا مطلب ہے؟

اس کا غیر فلسفیانہ اور حقیقت پر مبنی جواب بہت مختصر سا ہے۔ وقت میں سے برکت اٹھ جائے گی۔ اور برکت ایسی چیز ہے کہ جس چیز میں ڈال دی جائے اس کے منافع اور فوائد کو کئی گنا کر دیتی ہے۔ اگر یہ برکت وقت میں آجائے تو تھوڑے وقت میں صدیوں کے کام ہو جاتے ہیں۔ اگر مال میں ڈال دی جائے تو جو کام دوسروں کے ہزاروں میں ہوتے ہیں وہ سو روپے میں پورے ہو جاتے ہیں۔ اگر جان اور عمر میں برکت ہو تو ایک شخص مختصر سی عمر میں اتنے کام کر جاتا ہے کہ بڑے بڑے اداروں سے نہ ہو پائیں، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف 55 سال کی عمر میں سیکڑوں موضوعات پر اتنی تصانیف چھوڑی ہیں کہ آج 60 سال کی عمر پانے والا شخص ان کو اپنی عمر میں شاید پڑھ بھی نہ پائے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا تو سب کو یاد ہو گی، اور اگر نہ یاد ہو تو یاد رکھنی چاہیے کہ

اللھم بارک لی فیما رزقتنی فیه

''اے اللہ! آپ نے جو کچھ مجھے عطا کیا ہے اس میں برکت عطا فرما''

یہ دعا جتنی مختصر ہے اتنی ہی جامع بھی ہے اور تمام مقاصد کو حاوی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک اور پیشگوئی جو ہماری آنکھوں کے سامنے پوری ہو رہی ہے، اس کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔

''حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ وہ (قیامت کی) علامتیں یہ ہیں کہ علم اٹھا لیا جائے گا۔ جہالت زیادہ ہو گی۔ زنا کثرت سے ہو گا۔ شراب بہت پی جائے گی۔ مردوں کی تعداد کم ہو جائے گی اور عورتوں کی تعداد بڑھ جائے گی۔ یہاں تک کہ پچاس عورتوں کی خبر گیری کرنے والا ایک مرد ہو گا''۔

اور ایک روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں: ''علم کم ہوگا، اور جہالت زیادہ ہوگی۔'' (حدیث نمبر 5201 مشکوۃ بحوالہ صحیح بخاری و مسلم)

اس حدیث میں 4 پیشگوئیاں کی گئی ہیں، علم کا اٹھ جانا۔ اوپر اس پیشگوئی کے حوالے سے مختصر معروضات پیش کر چکا ہوں زنا کی کثرت اس پر بھی اوپر صرف امریکہ کے اعداد و شمار شامل ہیں۔ شراب نوشی کی کثرت۔ یہ اس درجہ عام ہے کہ اس پر کسی تبصرے کی حاجت نہیں ہے، کیونکہ قارئین مجھ سے زیادہ جانتے ہوں گے۔ صرف برطانیہ میں شراب کی تیاری، اس کے مراحل، اور اس کی فروخت پھر اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی بیماریاں اور اموات کا حال اکثر سامنے آتا رہتا ہے۔

عورتوں کی تعداد کا مردوں سے زیادہ ہونا: عورتوں کی تعداد پوری دنیا میں اس وقت جس تیز رفتاری سے بڑھ رہی ہے، انسانی تاریخ میں اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آئی۔ اس بارے میں اپنے بہت ہی محدود مطالعے اور مشاہدے کی بنیاد پر میرا قیاس ہے (پتہ نہیں صحیح ہے یا درست) کہ بت پرست اقوام میں عورتوں کی تعداد اول نمبر پر ہے۔ مثلاً مشرقی ممالک، جاپان، تھائی لینڈ، تائیوان، چین وغیرہ۔ دوسرے نمبر پر وہ ممالک ہیں جو بنیادی طور پر بت پرست نہیں، مگر ان میں بت پرستی شامل ہوگئی ہے۔ مغربی اقوام، جو توحید کا دعویٰ کرتی ہیں، رسالت پر بھی لنگڑا لولا یقین رکھتی ہیں، اور آخرت پر بھی ان کا ایمان ان ہی کی طرح اندھا بہرا ہے عورتوں کی تعداد میں سب سے کم اضافہ سعودی عرب میں ہوا ہے۔

اس پیشگوئی کا کوئی غیر محسوس سا تعلق مجھے توحید اور شرک و بت پرستی سے جڑا ہوا لگتا ہے (واللہ اعلم) اس حدیث کے آخر میں پیشگوئی کی گئی ہے کہ علم کم ہو جائے گا اور جہل بڑھ جائے گا۔

پاکستان میں لاعلمی کا حال

ہمارے اپنے ملک پاکستان میں جس کو ہم ''اسلام کا قلعہ'' کہتے ہیں، وہاں علم کی کمی کا کیا حال ہے؟ اس کا اندازہ اس واقعے سے کیجیے جو عبرتناک بھی اور حیرت انگیز بھی۔ میرے ایک عزیز کبھی کبھی تبلیغی جماعت کے ساتھ اللہ کے راستے میں نکلتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ وہ بلوچستان کے کسی گاؤں میں پہنچے جس کے بارے میں یہ معلوم ہوا تھا کہ وہاں لوگ دین سے بے بہرہ ہیں۔ وہاں ان سے یہ واقعہ اس گاؤں کے لوگوں نے بیان کیا کہ کچھ عرصہ پہلے یہاں تبلیغی جماعت کے لوگ تبلیغ کے لیے آئے ہوئے تھے اس جماعت کے امیر کے پاس ایک شخص نے آکر کہا کہ اس کے باپ کا انتقال ہوگیا ہے۔ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھادیں۔ انہوں نے کہا کہ جنازہ لے آؤ۔ کچھ دیر بعد جنازہ آیا۔ اور جماعت کے امیر امامت کے لیے آگے بڑھے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ جنازہ میں کچھ حرکت سی ہے توجہ سے دیکھا تو یہ حرکت سانس کی محسوس ہوئی، انہوں نے مردہ شخص کے بیٹے سے کہا کہ تمہارا باپ تو زندہ معلوم ہوتا ہے کفن اٹھاؤ ہم دیکھنا چاہتے ہیں، بیٹے نے پہلے تو کفن اٹھانے سے انکار کیا، لیکن جب امام صاحب نے نماز پڑھانے سے انکار کیا تو وہ راضی ہوا، کفن اٹھانے سے معلوم ہوا کہ وہ شخص زندہ ہے۔ انہوں نے بیٹے سے کہا کہ اس کو فوراً لے جاؤ اور اس کا علاج کراؤ۔ اس نے جواب دیا کہ سب علاج ہو چکے ہیں اور یہ چند گھنٹوں کا مہمان ہے۔ آپ لوگ اگر نماز جنازہ پڑھائے بغیر چلے گئے تو اس کو بغیر نماز کے ہی دفنانا پڑے گا کیونکہ اس گاؤں میں کوئی نماز پڑھانے والا نہیں ہے۔ اور اس کی قبر پر بھی لال جھنڈی لگانی پڑے گی۔ انہوں نے پوچھا لال جھنڈی کیوں؟ اس نے جواب دیا کہ ہمارے قبرستان میں دو طرح کی قبریں ہیں، کچھ پر سبز جھنڈی لگی ہوئی

ہے اور کچھ پر لال جھنڈی۔ سبز جھنڈی ان لوگوں کی قبروں پر ہے جن کی نماز جنازہ پڑھی گئی۔ اور لال جھنڈی والے وہ ہیں جن کو بغیر نماز کے دفنا دیا گیا۔ پھر جب کوئی مولوی آتا ہے تو کسی کی نماز جنازہ پڑھ دیتا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہمارے انہی عزیز کے حوالے سے یہ واقعہ بھی مجھے بتایا گیا کہ تبلیغی جماعت کے کچھ لوگ کچھ عرصہ پہلے سندھ کے ایک گاؤں میں پہنچے ایک شخص کا انتقال ہوا اور اس کی نماز جنازہ کے لیے ان سے کہا گیا۔ امیر جماعت امامت کے لیے آگے بڑھے تو انہوں نے دیکھا کہ مردے کے بائیں جانب کفن پر خون لگا ہوا ہے اور تازہ خون نظر آیا۔ انہوں نے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ مولوی صاحب گھبراؤ نہیں، ہمارے یہاں یہ رواج ہے کہ جب ہمارے یہاں کوئی مرتا ہے تو ہم اس کا بایاں ہاتھ کاٹ دیتے ہیں تاکہ جب وہ حشر کے دن اٹھے تو اس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے۔

نہ بایاں ہاتھ ہوگا نہ بائیں ہاتھ میں نامہ اعمال آئے گا۔

یہ علم کی کمی ہے یا جہالت کی زیادتی اسکا فیصلہ قارئین خود کرلیں۔

دوسرا باب

قیامت سے پہلے

☆ اس امت پر کوئی بیرونی دشمن مسلط نہیں ہوگا

☆ یاجوج ماجوج کی دیوار میں شگاف

☆ ترکوں سے جنگ

☆ غزوۃ الہند

روزنامہ امت کی معرفت مجھے ویسٹ وہارف روڈ کراچی سے ایک خط ملا۔ اس خط کے ساتھ آج سے 27 سال پہلے (اور اب ۳۹ سال پہلے) ایک مقامی اخبار میں شائع ہونے والے مضمون ''شیخ ابن عربیؒ کی قیامت کے متعلق پیشگوئیاں'' کی فوٹو کاپی منسلک تھی۔

اس خط میں شیخ اکبر علامہ ابن عربی کی ایک تصنیف کا بھی ذکر کیا ہے جو شیخ اکبرؒ کے مکاشفات پر مبنی قیامت سے متعلق پیشگوئیوں پر مبنی ہے۔اس کتاب کا نام ''مالابد قبل القیامتہ'' ہے۔ مضمون پڑھ کر میں حیرت میں رہ گیا کہ علامہ ابن عربیؒ نے جو پیشگوئیاں فرمائی ہیں وہ حیرت انگیز حد تک ہماری موجودہ معاشرت کا ایسا نقشہ کھینچتی ہیں جیسے کوئی شخص آنکھوں دیکھا حال سنا رہا ہو۔

شیخ علامہ ابوبکر محمد محی الدین ابن عربیؒ آٹھویں صدی کے ان ممتاز اولیا اور علماء میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کا علم بھی بڑی فیاضی سے عطا فرمایا تھا اور تصوف میں معرفت وحقائق کے چشمے سے بھی سیراب فرمایا تھا۔ بڑے صاحب کشف وکرامت والے بزرگ تھے ان کی مشہور زمانہ تصانیف فتوحات مکیہ، فصوص الحکم وغیرہ ان کے دقیق معارف والہامات پر مبنی کتابیں ہیں۔ جن کو سمجھنا بھی بڑے بڑے علماء کے لیے مشکل ہوتا ہے۔ کیونکہ اولیا اللہ پر حق تعالیٰ کی جانب سے جو علوم وحقائق منکشف ہوتے ہیں ان کی تعبیر سے الفاظ وقلم عاجز آجاتے ہیں۔

''مالابد قبل القیامتہ'' کے معنی ہیں، قیامت سے پہلے کے ناگزیر حالات۔

شیخ الشیوخ علامہ ابوبکر محمد محی الدین ابن عربیؒ ساتویں صدی کے بزرگ ہیں۔ آپ کی وفات 638 ہجری مطابق 1240 عیسوی میں ہوئی۔

فتنوں کے دور میں

صحیح بخاری کی ایک حدیث میں جو حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"وہ وقت قریب ہے جب مسلمان کا (سب سے) عمدہ مال بکریاں ہوں گی جن کے پیچھے (انہیں ہنکاتا ہوا) وہ پہاڑوں کی چوٹیوں اور برساتی وادیوں میں اپنے دین کو بچانے کے لیے بھاگتا پھرے گا۔" (صحیح بخاری حدیث نمبر 18)۔

ابوداؤد کی ایک حدیث میں جو حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (ان فتنوں کے وقت) بیٹھا ہوا شخص چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا شخص دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔ پھر صحابہؓ نے پوچھا آپ ہمارے لیے کیا حکم دیتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کہ اپنے گھروں کی ٹاٹ بن جاؤ" (یعنی گھروں سے باہر نہ نکلو) اور ترمذی کی ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں۔ "تم اپنی کمانوں کو توڑ ڈالو اور ان کے چلّے کاٹ دو اور گھروں میں پڑے رہو"۔ (مشکوۃ حدیث نمبر 5164)۔

ان فتنوں کے دور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے مطابق صرف وہی لوگ عافیت میں ہوں گے جو تمام آفات کے باوجود اپنے دین پر مضبوطی سے قائم رہیں گے۔

حضرت حذیفہؓ ان صحابیوں میں سے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت سے پہلے رونما ہونے والے واقعات کے بارے میں بہت سوال فرمایا

کرتے تھے۔ ان کی ایک حدیث ملاحظہ فرمایئے۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں:

''ایک روز میں نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم جاہلیت اور برائیوں میں مبتلا تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ خیر (اسلام) عطا فرمائی۔ کیا اس خیر کے بعد بھی کوئی شر آئے گا۔ (رسول اللہ نے) فرمایا: ہاں! اس (برائی) میں دھویں کی کدورت ہوگی۔ میں نے پوچھا وہ کدورت کیا ہوگی؟ فرمایا: (کدورت سے مراد) وہ قوم ہے جو میری سنت کے خلاف طریقہ اختیار کرے گی اور میری ہدایت کے خلاف راہ بتائے گی۔ تو ان میں دین کو بھی دیکھے گا اور دین کے خلاف امور بھی۔ میں نے عرض کیا: کیا اس بھلائی کے بعد بھی برائی ہوگی؟ فرمایا: ہاں! ایسے لوگ ہوں گے جو دوزخ کے دروازوں پر کھڑے ہوکر لوگوں کو بلائیں گے۔ جو شخص ان کی دعوت کو قبول کرے گا وہ اس کو دوزخ میں دھکیل دیں گے۔ میں نے عرض کیا، یارسول اللہ ہم سے ان کی صفت بیان فرمایئے، فرمایا وہ ہماری جنس (یا قوم) سے ہوں گے اور ہماری زبان میں گفتگو کریں گے۔ میں نے عرض کیا میں اگر وہ زمانہ پاؤں تو آپ مجھ کو کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا: مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑ اور ان کے امام کی اطاعت کر۔ میں نے عرض کیا اگر اس وقت مسلمانوں کی جماعت نہ ہو اور کوئی امام بھی نہ ہو؟ فرمایا: تمام فرقوں سے علیحدہ ہو جا اگرچہ تجھ کو درخت کی جڑ میں پناہ لینی پڑے۔ یہاں تک کہ موت تجھ کو اپنی آغوش میں لے لے''۔ (بحوالہ بخاری و مسلم، مشکوۃ حدیث نمبر 5147)

''صحیح مسلم کی ایک روایت میں اس طرح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد امام (خلیفہ یا بادشاہ) ہوں گے وہ میری سنت پر نہیں ہوں گے۔ ان میں کچھ لوگ ایسے اٹھیں گے جن کے دل شیطانوں کے سے

ہوں گے اور صورت آدمیوں کی ہوگی۔ میں نے عرض کیا، یارسول اللہ اگر میں اس زمانے کو پاؤں تو کیا کروں؟ فرمایا بادشاہ جو کچھ کہے اس کو سن اور بادشاہ کی اطاعت کر اگرچہ تیری پشت پر مارا جائے اور تیرا مال چھین لیا جائے۔اس کی سن اور اطاعت کر"۔(مشکوۃ جلد سوم صفحہ 7)

اس حدیث میں آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام کی خیر کے بعد جو شر آئے گا وہ دخن ہوگا۔عربی میں دخن دھویں کو کہتے ہیں۔ پھر اس کی تشریح میں آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ایک ایسی قوم ہوگی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف طریقے اختیار کرے گی ان میں کچھ دین کی باتیں بھی ہوں گی اور دین کے خلاف امور بھی۔

اسلام کی تاریخ میں ایسے بہت سے فرقے آئے جنہوں نے دین سمجھ کر آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی خلاف ورزی کی۔ان میں متکلمین کے فرقے معتزلہ، قدریہ اور جبریہ بھی ہیں اور وہ فرقے بھی جنہوں نے سنت نبوی ﷺ کے خلاف دین میں نئے نئے طریقے ایجاد کر لیے۔

اس امت پر کوئی بیرونی دشمن مسلط نہیں ہوگا

صحیح مسلم کی حدیث نمبر 7258 میں حضرت ثوبانؓ سے مروی ہے کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے"اللہ تعالیٰ نے زمین کو میرے لیے سمیٹ دیا تو میں نے اس کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھا اور جہاں تک کی زمین میرے لیے سمیٹ دی گئی تھی وہاں تک عنقریب میری امت کی سلطنت پہنچ جائے گی اور مجھے سرخ اور سفید دو خزانے عطا کیے گئے اور میں نے اپنے رب سے اپنی امت کے لیے دعا مانگی کہ وہ انہیں عام قحط سالی سے ہلاک نہ

کرے اور ان پر ان کے علاوہ کوئی دشمن بھی مسلط نہ کرے جو ان سب کی جانوں کو اپنے اوپر حلال کر لے (یعنی ان کا بیج ہی مٹا دے) اور میرے رب نے فرمایا، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب میں کوئی فیصلہ کر لیتا ہوں تو اسے تبدیل نہیں کیا جا سکتا اور بیشک میں نے آپ کی امت کو یہ بات عطا کر دی ہے کہ انہیں عام قحط سالی سے ہلاک نہ کروں گا اور نہ ان پر کوئی ایسا دشمن مسلط کروں گا جو ان کا بیج ہی مار دے۔ اگرچہ ان کے خلاف زمین کے چاروں اطراف سے لوگ جمع ہو جائیں۔ یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے کو خود ہلاک کریں گے اور ایک دوسرے کو خود قیدی بنائیں گے۔'' (صحیح مسلم جلد سوم کتاب الفتن)

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو دو خوشخبریاں سنائی ہیں۔ آپ کو اپنی امت کی دینی اور دنیوی فلاح و کامیابی کی جتنی فکر تھی اتنی حقیقی ماں باپ کو بھی اپنی اولاد سے نہیں ہو سکتی۔ پچھلی امتیں اپنی بدعملیوں کے سبب مختلف آسمانی عذابوں کا شکار ہو کر دنیا سے نابود ہو گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت کو آسمانی عذاب سے نجات دلائی۔ اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو زمینی عذابوں سے اپنی امت کی حفاظت کے لیے دعا فرمائی، قحط سالی اور بیرونی دشمن کے ہاتھوں ہلاکت۔ یہ امت انشاء اللہ تعالیٰ بہ حیثیت امت کے ان دونوں آفتوں سے ہمیشہ محفوظ رہے گی۔ کسی خاص گروہ اور قوم پر ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے قحط یا دشمن مسلط کر دیا جائے تو وہ اس وعدے میں شامل نہیں ہے۔ البتہ آخری وعدے میں حق تعالیٰ شانہ نے اپنے رسول ﷺ سے جو وعدہ فرمایا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کہ

''میں ان پر کوئی (بیرونی) دشمن علاوہ خود ان کے مسلط نہیں کروں گا''

اور پھر آخر میں یہ بھی فرمایا کہ

"یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے کو ہلاک کریں گے اور ایک دوسرے کو خود ہی قیدی بنائیں گے۔"

اس ارشاد کا مظاہرہ ہمارے اس دور میں کثرت اور بیدردی سے ہو رہا ہے۔ اس سے پوری مسلم دنیا ایک دوسرے سے نبرد آزما ہے۔ خود پاکستان میں گیارہ ستمبر کے بعد کے واقعات اس ارشادِ نبوی ﷺ کے گواہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسوۂ رسول ﷺ کو ہماری زندگی کا طریقہ بنا دے، آمین۔

اسلام کی تاریخ کا ہر باب اس کی گواہی دیتا ہے کہ مسلمانوں کے زوال کا سبب کوئی غیر مسلم دشمن نہیں ہوا۔ خود ان کی بدعمالیوں اور ان ہی کے درمیان سازشیں کرنے والے مسلمان ہی ان کے زوال کا سبب بنے ہیں۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلکی اختلافات کا سلسلہ امام مہدی کے ظہور تک جاری رہے گا۔

یاجوج ماجوج کی دیوار میں شگاف

"ام المومنین حضرت زینب بنت جحشؓ روایت کرتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھبرائے ہوئے اس حال میں نکلے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ سرخ تھا اور آپ فرما رہے تھے لا الٰہ الا اللہ عرب کے لیے اس شر سے ہلاکت ہو جو قریب آچکا ہے۔ آج یاجوج ماجوج کی دیوار اتنی کھل چکی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے انگوٹھے اور اس کے ساتھ ملی ہوئی انگلی کا حلقہ بنا کر بتایا۔ فرماتی ہیں کہ میں نے پوچھا، اے اللہ کے رسول کیا ہم اپنے اندر موجود نیک لوگوں کے باوجود بھی ہلاک ہو جائیں گے؟ فرمایا: ہاں جب فسق و فجور کی کثرت ہو جائے گی"۔ (صحیح مسلم، جلد سوم حدیث نمبر 7237)

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یاجوج ماجوج کے اس بند میں چھوٹا شگاف پیدا ہونے کی اطلاع دی ہے جو حضرت ذوالقرنین نے دو پہاڑوں کے درمیان لوہے اور تانبے کو پگھلا کر تعمیر کیا تھا اور جس کے پیچھے یاجوج ماجوج کی قوم آباد ہے اور روزانہ اس بند کو توڑنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس کا پورا واقعہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی سورہ کہف میں بیان فرمایا ہے۔ یاجوج ماجوج کا یہ عظیم فتنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خلافت کے زمانے میں پیش آئے گا۔ جس کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ اپنے وقت پہ بیان کی جائے گی۔ اس وقت اس حدیث کو پیش کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ یہ سب واقعات تاریخی ترتیب کے اعتبار سے خروج دجال سے پہلے کے ہیں۔

ترکوں سے جنگ

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک مسلمان ترکوں سے جنگ نہیں کرلیں گے۔ ان کے چہرے ڈھالوں کی طرح چپٹے ہوں گے اور وہ بال پہنیں گے اور بالوں ہی میں چلیں گے'' (سنن نسائی جلد دوم کتاب الجہاد حدیث نمبر 3182)

اسی مضمون کی ایک حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے حوالے سے مشکوٰۃ جلد سوم میں حدیث نمبر 5176 کی عبارت اس طرح نقل کی گئی ہے۔

''حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک تم اس قوم سے جنگ نہ کرلو گے جن کی جوتیاں بالوں والے چمڑے کی ہوں گی اور جب تک تم ان

ترکوں سے نہ لڑو گے جن کی آنکھیں چھوٹی اور سرخ چہرے اور ناک بیٹھی ہوئی ہوگی۔ گویا ان کے منہ چپڑوں کی تہہ بر تہہ ڈھالیں ہیں۔"

(مشکوٰۃ جلد سوم)

ان دونوں حدیثوں میں ایک ایسی ترک قوم سے جنگ کی پیشگوئی کی گئی ہے جو بالوں والے جوتے پہنتے ہوں گے، ان کے لباس بھی بالوں والے ہوں گے اور ان کے چہرے ڈھال کی طرح چپٹے اور سرخ ہوں گے۔ قیاس کہتا ہے کہ یہ قوم غالباً ترکمانستان اور اسی نواح کے لوگ ہوں گے جو روس میں شامل تھے۔ جو برفیلے علاقے ہیں اور وہاں اس قسم کے جوتوں اور لباس کا عام رواج آج بھی ہے۔ لیکن اس حدیث سے معلوم نہیں ہوتا کہ یہ واقعہ خروج دجال سے پہلے ہوگا یا بعد میں۔

اس قوم سے ایک جہاد حضرت قتیبہ بن مسلم باہلی کی سرکردگی میں ہو چکا ہے جسکے نتیجہ میں روسی ترکستان کے علاقے بخارا، سمرقند، آذربائیجان وغیرہ فتح ہوئے تھے اور اب پھر آزاد ہو چکے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ آئندہ ایسی کسی قوم سے جنگ کی جائے۔ اس حدیث میں اس جنگ کے نتیجے کے بارے میں کوئی خبر نہیں دی گئی ہے۔

غزوۃ الہند

بعض قارئین نے احقر سے فرمائش کی ہے کہ میں سنن نسائی کی روایت "غزوۃ الہند" کی پیشگوئی پر بھی اپنی رائے پیش کروں۔ نارتھ ناظم آباد سے غلام مصطفیٰ اویسی صاحب نے ایک حدیث کا عربی متن بھی لکھ کر بھیجا ہے۔ میں نسائی شریف سے اس حدیث کا ترجمہ پیش کر رہا ہوں۔ سنن نسائی شریف کی جلد دوم، باب الجہاد ہندوستان کے بارے میں دو حدیثیں روایت کی گئی ہیں۔ پہلی حدیث کا ترجمہ یہ ہے:

"حضرت ابوہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ہم سے وعدہ کیا تھا کہ مسلمان ہند میں جہاد کریں گے۔ سیدنا ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں، اگر وہ جہاد میری زندگی میں ہوا تو میں اس کے لیے اپنی جان و مال خرچ کروں گا۔ چنانچہ اگر قتل کر دیا گیا تو افضل ترین شہدا میں سے ہوں گا اور اگر لوٹ آیا جہنم سے آزاد کیا ہوا ابو ہریرہؓ ہوں گا۔'' (سنن نسائی جلد دوم حدیث 3178)

دوسری حدیث حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت ثوبانؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں سے دو گروہ ایسے ہیں جنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ جہنم سے آزاد کر دیں گے۔ ان میں سے ایک گروہ وہ ہے جو ہند میں جہاد کرے گا۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے ساتھ ہوگا۔'' (نسائی: جلد دوم حدیث نمبر 318)

بعض قارئین کے خطوط سے انداز ہوتا ہے کہ سنن نسائی کی اس حدیث ''غزوۃ الہند'' کے بارے میں انہوں نے یقینی طور پر یہ فرض کر لیا ہے کہ ہندوستان میں جہاد کی یہ پیشگوئی آئندہ پیش آنے والے واقعات سے متعلق ہے۔ جبکہ پہلی حدیث میں اس یقین کے لیے کسی قسم کا کوئی اشارہ موجود نہیں ہے۔ تاریخ میں یہ پیشگوئی پہلی صدی ہجری کے آخر میں محمد بن قاسمؒ کی فتوحات ہند کی صورت میں بظاہر پوری ہو چکی ہے۔ محمود غزنوی کی فتوحات بھی اس کا مصداق ہو سکتی ہیں۔ لیکن آئندہ کسی وقت ہندوستان میں جہاد ہونے کے خوش کن احتمال کو نظر انداز کرنے کی بھی کوئی واضح دلیل نہیں ہے۔ رہی یہ بات کہ اس حدیث میں ہندوستان کے اس جہاد کے لیے غزوہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو عام طور پر اصطلاحاً ان جہادوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جن میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود شرکت فرمائی ہے۔ لیکن

روایات میں بعض ایسی جہادی مہموں کے لیے بھی غزوہ کا لفظ استعمال ہوا ہے جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم شریک نہیں تھے۔ بہر حال اس لفظ سے یہ فال نیک لینا کہ ہندوستان کے اس جہاد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی توجہ شامل رہی ہے۔یا رہے گی یقیناً باعث طمانیت ہے۔

دوسری حدیث میں چونکہ ہندوستان میں جہاد کرنے والوں کے گروہ کا ذکر اس گروہ کے ساتھ کیا گیا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہو کر جہاد کرے گا۔ یہ بات اس بات کا قرینہ بن سکتی ہے کہ شاید یہ جہاد آئندہ زمانے میں ہوگا۔ اس جہاد میں شرکت کرنے والوں کے لیے اس سے زیادہ سعادت کی اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ اس کی تمنا حضرت ابو ہریرہؓ جیسے عظیم المرتبت صحابی کر رہے ہیں اور ان کے لیے جہنم کی خلاصی کا کھلا وعدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کیا نصیب ہوگا ان لوگوں کا جنہیں یہ سعادت حاصل ہوئی یا آئندہ حاصل ہوگی!

تیسرا باب

دجال سے پہلے کیا ہوگا؟

☆ دجال سے پہلے ایک عظیم جنگ

☆ گناہوں کے اثرات

☆ امانت اُٹھالی جائے گی

☆ ایک جماعت حق پر قائم رہے گی اور غالب ہوگی

☆ ظہورِ مہدی، ایک مسلمہ عقیدہ

ایک عظیم جنگ

سنن ابوداؤد میں ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''حضرت بریدہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے سلسلے میں جس کا شروع یہ ہے کہ تم سے ایک چھوٹی آنکھوں والی قوم جنگ کرے گی۔ یہ فرمایا کہ تم ان کو (ترکوں) تین بار بھگاؤ گے۔ (یعنی تین مرتبہ ان کو شکست دو گے) یہاں تک کہ تم ان کو جزیرہ عرب میں پہنچا دو گے۔ ان کو پہلی مرتبہ بھگانے میں وہ لوگ بچ نکلیں گے جو بھاگ کھڑے ہوں گے اور دوسری مرتبہ کی شکست میں ان کے کچھ لوگ بچ جائیں گے اور کچھ ہلاک ہو جائیں گے اور تیسری مرتبہ شکست دینے میں ان کا خاتمہ ہو جائے گا''۔ (مشکوۃ جلد سوم بحوالہ ابوداؤد)

اس حدیث میں جو تفصیل پچھلی حدیث سے زائد دی گئی ہے اس سے یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ یہ جنگ آئندہ زمانے ہی میں لڑی جائے گی۔ کیونکہ اس جنگ کے نتیجے میں ترکوں کی قوم کے ختم ہو جانے کی پیشگوئی کی گئی ہے۔ اس قوم کا یہ خاتمہ تیسری جنگ کے نتیجے میں ہوگا اور یہ قوم جن کو ترک کہا گیا ہے اور جن کا ناک نقشہ اور حلیہ بیان کیا گیا ہے اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ قوم ترکمانستان کے علاقے کی ہوگی۔ اس زمانے میں ترکستان ان تمام علاقوں میں شامل تھا جو بعد میں روس کے قبضے میں آ گئے تھے۔ (واللہ اعلم)

دجال سے پہلے تین واقعات

''حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا ہے۔ کہ بیت المقدس کی آبادی یثرب کی خرابی (مدینہ کی تباہی) کا باعث ہوگی اور یثرب کی خرابی ایک جنگ عظیم (ملحمہ) کا باعث ہوگی اور جنگ عظیم (ملحمہ) قسطنطنیہ کی فتح کا سبب ہوگی اور قسطنطنیہ کی فتح دجال کے خروج کا سبب ہوگی''۔ (مشکوٰۃ جلد سوم بحوالہ ابوداؤد)

اس حدیث میں چند واقعات کی خبر ترتیب کے ساتھ دی گئی ہے۔ جو خروج دجال سے پہلے پیش آئیں گے۔

1- بیت المقدس کی آبادی (یعنی جب اس کی آبادی کمال کو پہنچ جائے گی، تو وہ یثرب کی تباہی کا باعث ہوگی۔

2- اور یثرب کی خرابی ایک بڑی جنگ کا سبب بنے گی۔ ملحمہ کے معنی بڑی جنگ کے ہیں۔ یہ جنگ عظیم بھی ہوسکتی ہے۔

3- اس بڑی جنگ کے نتیجے میں قسطنطنیہ (استنبول) کی فتح کا سبب ہوگی۔

4- اور استنبول کی فتح دجال کے ظاہر ہونے کا سبب ہوگی۔

یثرب مدینہ منورہ کا قدیم نام ہے۔ اس کی تباہی یا خرابی کا کیا مطلب ہے یہ واضح نہیں ہے۔ بعض دوسری روایات میں دجال کا مدینہ منورہ سے باہر پڑاؤ ڈالنے کا ذکر ہے۔ لیکن اس حدیث میں یہ واقعہ دجال سے پہلے پیش آنے کی خبر دی گئی ہے۔ حدیث میں خرابی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اس خرابی سے مراد ضروری نہیں ہے کہ اس کی ظاہر تباہی اور بربادی ہو بلکہ اخلاقی اور روحانی انحطاط کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے۔ بعض روایات میں خبر دی گئی ہے کہ قیامت سے پہلے مدینہ منورہ میں اونچی اونچی عمارتیں بن جائیں گی اور اس کی آبادی ''اھاب یا یہاب'' تک پہنچ جائے گی۔ اھاب یا یہاب مدینہ کے قریب ایک بستی کا نام تھا۔ لیکن اس واقعے کو ایک بڑی جنگ کا سبب بتایا گیا ہے۔ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ پر

کوئی حملہ ہوگا جسکے نتیجے میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان کوئی بڑی جنگ ہوگی۔(واللہ اعلم)

اسی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دجال کے ظاہر ہونے سے پہلے ترکی کا دارالخلافہ استنبول مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل جائے گا۔ یہاں ذکر صرف استنبول کا ہے۔ پورے ملک کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن اکثر کسی ملک کے دارالخلافہ کا نام لے کر پورا ملک مراد لیا جاتا ہے۔ جیسے ''سقوط بغداد'' سقوط ڈھاکہ'' وغیرہ، اس لیے پورا ترکی بھی مراد ہوسکتا ہے۔ اس کے بعد ایک بڑی جنگ کے دوران ترکی پر دوبارہ مسلمانوں کا قبضہ ہوگا اور اس کے بعد دجال ظاہر ہوگا۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں خبر دی گئی ہے کہ عراق، شام اور مصر بھی آخری زمانے میں مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جائیں گے۔ یا وہاں مسلمانوں کی کوئی موثر قوت نہیں رہے گی۔ لیکن وہ غالباً خروج دجال کے بعد کے زمانے سے متعلق ہے۔ اسی میں یہ پیشگوئی بھی کی گئی ہے کہ مسلمان جس طرح پہلے مفلس ونادار تھے وہ پھر ویسے ہی مفلس اور غریب ہوجائیں گے۔

یہ حدیث دجال کے واقعات میں اِن شاء اللہ تعالیٰ تفصیل سے پیش کی جائے گی۔

فتنوں کا بند دروازہ

''حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ ہم حضرت عمرؓ کے پاس تھے تو انہوں نے کہا کہ تم میں سے کون ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فتنوں والی حدیث سب سے زیادہ یاد ہے۔ میں نے کہا، میں ہوں۔ فرمایا، تو بہت جری ہے (یعنی فتنوں کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنے میں بہت بیباک ہے) پھر پوچھا وہ حدیث کیسے ہے؟ میں نے

کہا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے آدمی کے اہل وعیال، اس کے مال، اس کی جان، اس کی اولاد اور اس کے پڑوسی فتنہ ہیں اور ان کا کفارہ روزے، نماز، صدقہ اور نیکی دعوت اور برائی سے روکنا ہے۔

حضرت عمرؓ نے کہا ''میرا مطلب اس فتنے سے نہیں ہے بلکہ میں اس فتنے کے بارے میں کہہ رہا ہوں جو سمندر کی موجوں کی طرح آئیں گے۔'' میں نے کہا اے امیر المومنین آپ کو اس سے کیا غرض؟ بے شک آپ کے اور ان فتنوں کے درمیان ایک بند دروازہ ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے پوچھا، اس دروازے کو توڑا جائے گا یا کھولا جائے گا۔ میں نے کہا نہیں! بلکہ توڑا جائے گا۔ حضرت عمرؓ نے کہا اگر ایسا ہے تو پھر (وہ دروازہ) کبھی بند نہ کیا جاسکے گا۔ راوی کا بیان ہے کہ ہم نے حضرت حذیفہؓ سے کہا، کیا حضرت عمرؓ اس دروازے کو جانتے تھے؟ انہوں نے کہا جی ہاں! وہ اسی طرح جانتے تھے جیسے وہ کل کے آنے سے پہلے رات کو جانتے تھے۔ میں نے ان سے ایک حدیث بیان کی جو غلط روایت نہیں تھی۔ (راوی اور ان کے ساتھی کہتے ہیں) ہم حضرت حذیفہؓ سے اس دروازے کے بارے میں پوچھنے سے خوفزدہ ہوئے۔ ہم نے مسروقؒ سے کہا کہ تم ان سے پوچھو۔ انہوں نے پوچھا تو حضرت حذیفہؓ نے کہا کہ وہ (دروازہ) حضرت عمرؓ (خود) ہیں۔''

(صحیح مسلم جلد سوم حدیث نمبر 7286)

اس حدیث سے تین باتیں معلوم ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ذات آنے والے فتنوں کے لیے ایک بند دروازے کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس بند دروازے کو توڑے جانے کا مطلب واضح ہے کہ حضرت عمر فاروق کو شہید کیا

جانا ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اس بند دروازے کو توڑے جانے کے بعد دنیا میں فتنے اس طرح پیدا ہوں گے جیسے سمندر کی موجیں۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کے دور ہی میں فتنوں کا آغاز ہوگیا تھا اور آج تک فتنوں کا یہ سمندر طغیانی کے ساتھ موجیں مار رہا ہے۔

تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ فتنوں کا یہ دروازہ قیامت تک بند نہیں ہوگا۔

دجال سے پہلے ایک عظیم جنگ ہوگی

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ قیامت اس وقت آئے گی جب میراث تقسیم نہ کی جائے گی۔ مسلمان مال غنیمت سے خوش نہ ہوں گے۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ ابن مسعود نے اس کی تشریح کی اور فرمایا۔

''شام والوں سے لڑنے کے لیے کافر لشکر جمع کریں گے (یہاں کافروں سے مراد رومی یعنی عیسائی ہیں) ان کافروں کے مقابلے کے لیے مسلمان بھی لشکر جمع کریں گے۔ پھر مسلمان ایک جماعت کو منتخب کرکے رومیوں سے مقابلے کے لیے آگے بھیجیں گے اور اس سے یہ شرط رکھیں گے کہ وہ (دشمنوں سے) موت تک لڑے اور فتح حاصل کیے بغیر واپس نہ آئے۔ پھر دونوں فریقوں کے درمیان جنگ ہوگی یہاں تک کہ ان کے درمیان رات حائل ہوجائے گی اور دونوں فریق اپنی اپنی جگہ واپس آجائیں گے اور کسی کو فتح حاصل نہ ہوگی۔ لیکن مسلمانوں کی وہ جماعت جس کو (موت کی شرط کے ساتھ) آگے بھیجا گیا تھا وہ فنا ہوجائے گی۔ پھر (دوسرے روز) مسلمان، ایک دوسری جماعت کو موت کی شرط کے ساتھ آگے بھیجیں گے کہ وہ فتح کے بغیر واپس نہ ہوں۔ (وہ جنگ کریں گے)

یہاں تک کہ ان کے درمیان رات حائل ہوجائے گی اور دونوں فریق واپس ہوجائیں گے اور ان میں سے کوئی غلبہ حاصل نہیں کرسکے گا۔ لیکن مسلمانوں کی وہ جماعت (جس کو موت کی شرط کے ساتھ) آگے بھیجا گیا تھا فنا ہوجائے گی۔

پھر (تیسرے روز) مسلمان ایک جماعت کو اسی شرط کے ساتھ آگے بھیجیں گے اور دونوں فریق معرکہ آراء ہوں گے۔ یہاں تک کہ شام ہوجائے گی اور دونوں فریق واپس ہوجائیں گے اور کسی کو بھی فتح حاصل نہ ہوگی اور مسلمانوں کی وہ جماعت جو (موت کی شرط پر) آگے بھیجی گئی تھی فنا ہوجائے گی۔ پھر جب چوتھا دن ہوگا تو مسلمانوں کی باقی فوج لڑنے کے لیے تیار ہوگی اور اللہ تعالیٰ اس کو کفار پر فتح دے گا۔ یہ لڑائی اتنی سخت ہوگی کہ اس وقت تک اس جیسی لڑائی نہ دیکھی گئی ہوگی۔ یہاں تک کہ اگر پرندہ اطراف لشکر سے گزرنا چاہے گا تو وہ لشکر کو پیچھے نہ چھوڑ سکے گا اور مرکر زمین پر گر پڑے گا۔ پھر ایک باپ کے بیٹوں کو شمار کیا جائے گا جس کے سو بیٹے ہوں گے ان میں سے صرف ایک زندہ بچے گا۔ پھر کس مال غنیمت پر وہ خوش ہوں گے یا کونسی میراث ہوگی جو ان میں تقسیم کی جائے گی؟ ابھی مسلمان اسی حال میں ہوں گے کہ انہیں ایک سخت لڑائی کی خبر ملے گی۔ جو اس لڑائی سے زیادہ سخت ہوگی۔ پھر مسلمان یہ فریاد سنیں گے کہ دجال ان کے پیچھے ان کے اہل اعیال میں پہنچ گیا ہے۔ اس خبر کو سن کر وہ سب کچھ پھینک دیں گے اور دجال کی طرف متوجہ ہوجائیں گے اور وہ دس سواروں کو آگے بھیجیں گے کہ وہ دشمن کا حال معلوم کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان جن سواروں کو آگے بھیجیں گے مجھے ان کے نام اور ان کے باپوں کے نام

معلوم ہیں اور ان کے گھوڑوں کا رنگ بھی، وہ بہترین سوار ہیں یا اس وقت روئے زمین پر بہترین سواروں میں ہوں گے۔" (مشکوۃ شریف حدیث نمبر 5186 بحوالہ صحیح مسلم)

صحیح مسلم کی یہ حدیث ایک طویل حدیث ہے اور اس میں بہت تفصیلی خبریں دی گئی ہیں۔

1- یہ پوری حدیث حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا قول ہے۔ اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ یہ تفصیل انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔

2- حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے یہ پوری تفصیل ان دو باتوں کی تشریح میں بیان کی ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ قیامت اس وقت آئے گی جب میراث تقسیم نہ کی جائے گی اور مسلمان مال غنیمت پر خوش نہ ہوں گے۔

3- اس حدیث میں جس جنگ کی خبر دی گئی ہے وہ 4 دن جاری رہے گی اور صرف دن میں لڑی جائے گی۔ رات کو جنگ نہیں ہوگی۔

4- یہ جنگ تاریخ کی بے مثال جنگ ہوگی۔

5- اس جنگ کے پہلے تین دنوں میں مسلمانوں کو شہادت نصیب ہوگی اور چوتھے دن مسلمانوں کی باقی ماندہ فوج بے جگری اور بہادری سے لڑے گی اور انہیں اللہ تعالیٰ فتح نصیب فرمائے گا۔

6- لشکر اتنا بڑا ہوگا کہ ایک پرندہ اڑ کر اس کو پیچھے نہیں چھوڑ سکے گا، اس کی وجہ یا تو لشکر کا پھیلاؤ ہوگا اور زیادہ قرین قیاس یہ بات لگتی ہے کہ فضا میں لاشوں کی بدبو یا پھر اگر سائنسی جنگ ہوئی تو فضا زہریلی ہو جائے گی جس سے پرندے مر کر زمین پر گر پڑیں گے۔ اس سے کیمیائی ہتھیاروں کے استعمال کا احتمال بھی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس حدیث میں یہ بات وضاحت سے معلوم ہوتی ہے کہ اس جنگ کے دونوں

فریقوں کے درمیان رات حائل ہو کر جنگ کو روک دے گی۔ اگر یہ جنگ سائنسی ترقی کے زمانے میں ہوئی تو رات کا جنگ میں حائل ہونا بعید معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ آج کل کی جنگوں میں تو بیشتر حملے رات ہی کو ہوتے ہیں۔

7- اس حدیث میں صرف یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی گئی ہے کہ دجال کی خبر سن کر اس کی تحقیق کے لیے جو کمیشن دس افراد پر مشتمل بھیجا جائے گا۔ ان کے اور ان کے باپوں کے نام اور گھوڑوں کے رنگ تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھے اور یہ کہ وہ اس وقت کے بہترین سواروں میں سے ہوں گے۔ اس کے ظاہری الفاظ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ دس سوار گھوڑوں ہی پر روانہ ہوں گے کیونکہ عربی کی عبارت میں جو لفظ استعمال کیا گیا ہے وہ گھوڑوں ہی کے لیے مخصوص ہے۔ یہ احتمال بھی ہوسکتا ہے کہ یہاں گھوڑوں کا لفظ سواری کے استعارے کے طور پر استعمال ہوا ہو حقیقت کا علم تو اللہ ہی کو ہے۔

بعض علما نے اس حدیث کے واقعات اور اس عظیم جنگ کے بارے میں قیاس کیا ہے کہ یہ جنگ امام مہدی کی کمان میں ہوگی۔ یہ قیاس درست ہوسکتا ہے کیونکہ امام مہدیؒ کا ظہور دجال سے پہلے ہوگا جس کی تفصیلات انشاء اللہ تعالیٰ آگے آئیں گی۔ صحیح بخاری کی ایک روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنگ کی پیشگوئی فرمائی ہے جس میں دو نام متعین کر کے فرمایا کہ تم ان سے جنگ کرو گے۔

حدیث کا ترجمہ یہ ہے۔

''حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک تم خوز اور کرمان سے نہ لڑو گے جو عجمیوں میں سے ہیں اور ان کے چہرے سرخ ہوں گے۔ بیٹھی ہوئی ناک اور چھوٹی آنکھیں گویا ان کے چہرے تہہ بہ تہہ ڈھالیں ہیں۔ ان کی

جوتیاں بال والی ہوں گی''۔ (مشکوٰۃ جلد سوم حدیث نمبر 5176)

ترکوں سے جنگ والی حدیث جو شروع میں نقل کی گئی ہے۔ یہ روایت بھی اسی کا تسلسل ہے لیکن اس میں خوز اور کرمان سے جنگ کی پیشگوئی کا اضافہ ہے۔ اس واقعے کے بارے میں بھی یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ کب پیش آئے گا بعض دوسری روایات سے اس واقعے کے خروج دجال سے پہلے ہونے کے کچھ قرائن معلوم ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم

ایک اشکال کا جواب

دجال سے پہلے کے واقعات پر مبنی احادیث پیش کرنے کی بجائے اس دور کے ایک اہم فتنے اور ایک اہم اشکال کا جواب یہاں دینا مناسب ہے۔ اس فتنے کا تعلق بھی اسی پر فتن دور سے ہے جو دجال سے پہلے ظاہر ہوں گے۔ مجھے امید ہے کہ اس مضمون سے انشاء اللہ تعالیٰ بہت سے ذہنوں کی الجھن کا علاج ہوگا۔

اس ضمن میں دو ای میل قابل ذکر وصول ہوئے۔ ان میں سے ایک انگلینڈ کے شہر برمنگھم سے اور دوسرا آسٹریلیا سے آیا ہے۔ برمنگھم سے آنے والے خط پر مکتوب نگار نے اپنا نام شائع نہ کرنے کی درخواست کے ساتھ کئی اعتراضات تحریر کیے ہیں۔ لیکن ایک اعتراض ایسا ہے جس میں ہمارے بہت سے مغرب زدہ ذہن مبتلا ہیں۔ ان کا یہ اعتراض انگریزی میں ہے اس لیے اس کا ماحصل اردو میں پیش کر رہا ہوں ان کا کہنا ہے کہ:

''میں قرآن کریم کی حقانیت پر غیر متزلزل یقین رکھتا ہوں اور قرآن کریم کی سچائی اس دور میں جتنی واضح ہو کر سامنے آئی ہے اتنی پہلے کبھی نہیں آئی تھی۔ لیکن جہاں تک حدیث کا تعلق ہے اس کے بارے میں میرے کچھ تحفظات ہیں۔ حدیث

میں قرب قیامت کی پیشگوئیوں میں بعض ایسی باتیں بیان کی گئی ہیں جو (نعوذ باللہ) نہ عقل کی کسوٹی پر پوری اترتی ہیں اور نہ ہی سائنسی طور پر ان کا واقع ہونا ممکن ہے۔ مثال کے طور پر ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سورج عرش کے نیچے پہنچ کر اللہ کو سجدہ کرتا ہے اور اجازت مانگتا ہے کہ وہ آئندہ طلوع ہو یا نہ ہو، قیامت کے قریب جب سورج اجازت مانگے گا تو اس سے کہا جائے گا کہ جہاں سے آیا ہے وہیں لوٹ جا اور پھر وہ مغرب سے طلوع ہوگا۔ اس زمانے میں ہر شخص جانتا ہے کہ سورج کے طلوع وغروب کا تعلق سورج کی حرکت سے نہیں ہے بلکہ زمین کی محوری حرکت سے ہے اور دنیا میں ہر وقت سورج کہیں طلوع ہو رہا ہے اور کہیں غروب، سورج حرکت نہیں کر رہا ہے، بلکہ زمین اپنے محور پر گھوم رہی ہے جس سے دن اور رات پیدا ہو رہے ہیں۔ زمین کی دوسری حرکت سورج کے گرد ہے جس سے موسموں کی تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں"۔

میں ان مراسلہ نگار کی خدمت میں پہلے تو شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اپنے اشکالات کو بہت مہذب انداز میں پیش کیا۔ رہا آپ کا یہ خدشہ کہ میں آپ کے اس اعتراض کو سن کر ناراض ہوں گا یا آپ کے بارے میں کوئی منفی رائے قائم کروں گا، بہت ہی بعید از حقیقت بات ہے۔ اس قسم کے اشکالات اسی شخص کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں جو حقیقت کی تلاش میں رہتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ آپ کو حدیث کے بارے میں اپنے چند اشکالات کی وجہ سے اپنا نام چھپانے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں آپ کو اپنے اصلی نام کے بجائے آپ کے دینی نام سے مخاطب کر رہا ہوں اور وہ نام ہے عبداللہ۔ (اللہ کا بندہ)

قرآن پر ایمان، حدیث پر ایمان کے بغیر ممکن نہیں

عبداللہ صاحب! پہلے تو ایک اصولی بات آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ آپ نے فرمایا ہے کہ قرآن کریم کی حقانیت پر آپ غیر متزلزل یقین رکھتے ہیں؟ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کے پاس اس غیر متزلزل یقین کی کیا دلیل ہے؟ اس غیر متزلزل یقین کی صرف دو صورتیں ممکن ہیں یا تو خود حضرت جبریل علیہ السلام کسی کو آ کر یہ بتائیں کہ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ یہ صورت تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ختم ہو چکی، اب اس کا کوئی امکان موجود نہیں، کیونکہ وحی کا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جس پر وحی آتی ہو، وہ لوگوں کو بتائے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خبر حدیث ہے اور اسی حدیث کی بنا پر قرآن کریم پر ہمارے ایمان کی بنیاد کھڑی ہے۔ اس لیے حدیث پر غیر متزلزل ایمان کے بغیر قرآن کریم پر غیر متزلزل یقین کا دعویٰ کرنا بلا دلیل کے ہوگا۔

اس لیے سب سے پہلے تو آپ کے لیے میرا مشورہ یہ ہوگا کہ آپ حدیث کے بارے میں اپنے اس عقیدے کی تصحیح بلا تاخیر کر لیں کہ جب کسی حدیث کا صحیح ہونا ثابت ہو جائے تو اس پر ایمان لانا ایمان کا رکن ہے۔ خواہ اس حدیث کے مضمون کی حقیقت ہم پر واضح ہو یا نہ ہو کسی حدیث کے بارے میں یہ بحث تو ہو سکتی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول، عمل یا اجازت ہے یا نہیں لیکن مومن رہتے ہوئے یہ ممکن نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال پر محض اس بنا پر شک کیا جائے کہ اس قول کی حقیقت ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔ انکار حدیث کا فتنہ بھی حقیقت میں

قیامت ہی کی علامتوں میں سے ہے اور شیطان کے ان جالوں میں سے ہے جنہیں شیطان نے بہت محنت اور چالاکی سے بُنا ہے۔

کیا سورج کا سجدہ کرنا ممکن ہے؟

آپ نے جس حدیث کا ذکر کیا ہے اس پر اشکال تو قدیم اور جدید علما دونوں کو پیدا ہوا ہے اور اس پر قدیم فلکیات کی روشنی میں قدیم علما نے اور جدید علم فلکیات کی روشنی میں بہت سے نئے علما نے اظہار خیال کیا ہے۔ یہ حدیث غالباً صحیح بخاری کی روایت ہے اور حضرت ابوذر غفاریؓ کے اس سوال کے جواب میں کہ یہ سورج کہاں جاتا ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جواب دیا تھا کہ یہ عرش کے نیچے پہنچ کر اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتا ہے اور اجازت طلب کرتا ہے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ نے یہ سوال مغرب کے وقت کیا تھا۔ اس لیے یہ سمجھ لیا گیا کہ یہ سوال اس کے غروب کے بارے میں ہے جبکہ حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جواب میں یہ نہیں فرمایا تھا کہ وہ عرش کے نیچے غروب ہوتا ہے بلکہ یہ فرمایا تھا کہ یہ عرش کے نیچے جا کر اللہ کو سجدہ کرتا ہے۔ یعنی سورج کے جانے کا ذکر کیا ہے غروب ہونے کا ذکر نہیں فرمایا۔ لہٰذا اس سے یہ مطلب لینا کہ دن اور رات کو سورج کی حرکت سے وابستہ کیا گیا ہے۔ درست نہیں ہے۔

سورج بھی حرکت میں ہے

اب رہا آپ کا یہ اعتراض کہ سورج حرکت نہیں کرتا۔ آپ کا یہ کہنا نہ تو سائنسی طور پر درست ہے اور نہ عقلی طور پر، بلکہ یہ دعویٰ تو قرآن کریم کے اس واضح اعلان کے خلاف ہے جو سورہ یٰسین کی 38 ویں آیت میں خود خالق کائنات نے ان الفاظ

میں کیا ہے:

وَ الشَّمۡسُ تَجۡرِیۡ لِمُسۡتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِکَ تَقۡدِیۡرُ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ (۳۸)

''اور (ایک نشانی) آفتاب ہے کہ وہ اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے۔ یہ اس ذات کا باندھا ہوا اندازہ ہے جو زبردست علم والا ہے''۔ (36:38)

ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَهُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ الَّیۡلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ ؕ کُلٌّ فِیۡ فَلَکٍ یَّسۡبَحُوۡنَ (۳۳)

''اور وہ (اللہ تعالیٰ) ایسا (قدرت والا) ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند بنائے (ان میں سے) ہر کوئی ایک دائرے میں تیر رہے ہیں۔ (سورہ انبیاء:33)

یہ دونوں آیتیں سورج کی حرکت کا برملا اعلان کر رہی ہیں۔ پھر اب تو سائنس دان سورج کی دو حرکتیں تو دریافت کر چکے ہیں۔ ایک حرکت اس کی اپنی کہکشاں Milky Way کے تابع ہے اور ایک حرکت اس کی اپنی کسی خاص سمت میں ہے جس کا یقینی تعین ابھی سائنس نہیں کر سکی ہے۔ یہ حرکت کسی دائرے کی صورت میں ہونا یقینی معلوم ہوتا ہے کیونکہ خالق کائنات سورج کے لیے دائرے میں تیرنے کی خبر دے رہا ہے۔ اب آپ کے اس اشکال کا جواب بھی قرآن کریم ہی سے دیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا ہے:

''سورج کا سجدہ کرنا ایک غیر سائنسی اور غیر عقلی بات معلوم ہوتی ہے''

اوّل تو بے چاری سائنس کا سفر ابھی اپنے بہت ابتدائی درجے میں ہے۔ خصوصاً ''تخلیق کائنات'' Cosmology کے شعبے میں تو سائنس ابھی سیڑھی کے پہلے درجے پر بھی نہیں چڑھ پائی ہے۔ اسے مہلت دیجیے کہ وہ آنے والے وقت

میں قرآن کریم میں بیان کردہ سورج اور چاند کے سجدوں کا مطلب سمجھنے کے قابل ہو سکے۔ سورہ رحمٰن کی یہ مختصری آیت تو آپ نے بارہا پڑھی اور سنی ہوگی کہ

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ (۵) وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ (۶)

''سورج اور چاند حساب کے ساتھ (چلتے) ہیں اور ستارے اور درخت سجدہ کرتے ہیں''۔ (سورہ رحمٰن آیات 5 اور 6)

ابھی تو آپ سورج کے سجدہ کرنے کی بات میں الجھے ہوئے تھے۔ ان آیات میں ستارے اور درخت بھی سجدہ کرنے والوں میں شامل ہو گئے۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ کی اس مشکل میں مزید اضافے کے لیے قرآن کریم کی ایک اور آیت یاد آگئی۔ سورۂ حج کی اٹھارویں آیت کا ترجمہ یہ ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِى الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَ كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ

کیا تو نے (اے مخاطب) نہیں دیکھا کہ اللہ کو سجدہ کرتا ہے جو کوئی بھی آسمانوں میں ہے اور جو کوئی بھی زمین میں ہے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور چوپائے اور انسانوں میں سے اکثر لوگ'' (22:18)

سجدہ کرنے کا مطلب

عبداللہ صاحب! مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔ اب آپ کو سورج کے علاوہ چاند، ستاروں، پہاڑوں، چوپایوں کے سجدوں کو بھی عقل اور سائنس کے ترازو میں تولنا پڑے گا۔ ظاہر ہے بحیثیت مسلمان ہونے کے قرآن کریم پر آپ کا یقین ہے۔ اب ان کے سجدوں سے انکار کا تو آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ پہاڑوں، سورج، چاند، ستاروں کے سجدہ کرنے کی اس اطلاع کو آپ نہ سائنسی

طور پر صحیح کہہ سکتے ہیں اور نہ عقلی طور پر، اب اگر ایمان کی بنیاد انہی دو چیزوں پر تھی تو یہ دونوں تو یہاں آپ کا ساتھ چھوڑ جاتی ہیں۔ لیکن ٹھہریے، پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ کا ایمان محفوظ ہے۔ آپ کے پاس عقل وفہم جیسی دولت موجود ہے۔ کافر کو صحیح بات سمجھانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ مومن صحیح بات بہت جلدی سمجھ لیتا ہے۔ علماء نے قرآن کریم کے ان تمام مقامات کو جہاں سوچنے والے انسان کو اشکالات پیش آتے ہیں۔ بڑی خوبی کے ساتھ سمجھایا ہے۔ لیکن اس سے پہلے کہ میں ان آیات کے بارے میں علماء کا وہ موقف پیش کروں جو نہ صرف یہ کہ سائنسی بھی ہے اور عقلی بھی۔ اس آیت میں پوشیدہ اس لطیف نکتے کی طرف اشارہ کرنا چاہوں گا جو اللہ رب العٰلمین کی اس آیت میں پوشیدہ ہے۔ اس آیت کے الفاظ میں غور کیجیے۔ کہ آسمانوں کی مخلوق (ملائکہ) زمین کی مخلوقات چوپائے اور دوسرے زندہ جانور، سورج، چاند، ستاروں، پہاڑوں وغیرہ کا ذکر بغیر کسی استثنا کے کیا ہے کہ وہ سجدہ کرتے ہیں، آخر میں انسانوں کا ذکر یہ کہہ کر کیا ہے کہ ان میں سے اکثر سجدہ کرتے ہیں۔ سب نہیں کرتے۔ حالانکہ ذی عقل اور اشرف المخلوقات ہونے کا تقاضہ تو یہ تھا کہ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ ہوتا کہ اللہ کو سجدہ نہ کرتا۔ معلوم ہوا کہ تمام مخلوقات میں انسان ہی اس معاملے میں پھسڈی ہے۔

اب علماء اور مفسرین کے اس موقف کو سمجھئے کہ ان آیات میں سورج، چاند، ستاروں، چوپایوں اور پہاڑوں کے سجدہ کرنے کے کیا معنٰی ہیں۔ علما نے فرمایا ہے کہ سجدے کا مطلب وہ خاص شکل نہیں ہے جو مسلمان نماز میں اختیار کرتے ہیں بلکہ سجدے کا مطلب اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور یہ سجدہ بھی اطاعت کا اظہار ہے۔ ہر مخلوق کا سجدہ یا اطاعت اس کے حال کے مناسب مختلف ہے۔ یہی مطلب ان آیات کا ہے جن میں حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا ہے کہ ”جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ

اللہ کی تسبیح (پاکی بیان) کرتے ہیں۔ تسبیح کہتے ہیں ''سبحان اللہ'' کہنے کو۔ اب ظاہر ہے کہ ہم پہاڑوں، دریاؤں، درختوں، جانوروں، سورج اور چاند ستاروں کو سبحان اللہ کہتے ہوئے نہیں سنتے ہیں لیکن یہ یقینی بات ہے کہ وہ اللہ کی پاکی اپنے اپنے حال کے مطابق بیان کرتے ہیں۔ ان کی تسبیح قولی نہیں، حالی ہے۔ اور کیا بعید ہے کہ آنے والے وقتوں میں سائنس کی رسائی اس تسبیح کو سمجھنے کے قابل بھی ہو جائے۔ اگر مجھے اس بحث کے طویل ہونے کا خطرہ نہ ہوتا تو میں آپ کو 'کوانٹم فزکس' Quantum Physics کے حوالے سے یہ سمجھانے کی کوشش کرتا کہ اس کائنات کا ہر ذرہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح یعنی اطاعت میں کس ذوق وشوق اور خشوع وخضوع کے ساتھ مشغول ہے۔ مومن کو اللہ تعالیٰ نے دو طرح کے حواس خمسہ عطا کیے ہیں۔ جسمانی اور روحانی، جسم کی آنکھوں سے جو چیزیں دیکھی نہیں جاسکتیں وہ قلب کی آنکھوں سے نظر آجاتی ہیں۔ یہاں مجھے اپنی غزل کے دو شعر یاد آگئے۔ وہ بھی سن لیجیے۔

سیکھا ہے جب سے دیکھنا آنکھوں سے قلب کی
ہر شے سے ان کا نام نکھرتا دکھائی دے
رازی زبانِ قلب سے کرتا ہوں جب خطاب
ہر ذرہ میری بات کو سنتا دکھائی دے

گناہوں کے سائنسی اثرات

اس موقع پر میں اپنا ایک خیال پیش کرنا چاہتا ہوں جو پہلے ایک خیال کی صورت میں پیدا ہوا اور برسہا برس کے تجربات ومشاہدات کے بعد یہ خیال ظن غالب بنا اور اب کچھ عرصہ سے ایک یقین بن کر میرے دل میں جاگزیں ہے۔ مجھے اس وقت یہ سطور لکھتے وقت یہ اعتماد بھی نہیں ہے کہ میں اپنا یہ یقین الفاظ میں صحیح

طریقے پر ڈھال بھی سکوں گا یا نہیں، سائنس اور تجربات کا یہ مسلم اصول ہے کہ ہر عمل کا ایک ردعمل ضرور ہوتا ہے۔ جس طرح آنکھیں ایک شے کو دیکھ کر اس کی تصویر آنکھ کے پردے Retina پر بناتی ہیں، پھر اس پردے سے جڑی ہوئی باریک برقی تاریں لہروں کی صورت میں اس تصویر کو دماغ کے پچھلے حصے میں موجود نظارہ گاہ Vision Centre میں پہنچاتی ہیں اور پھر دماغ ہمیں بتاتا ہے کہ ہم نے کس شے کو دیکھا اور جس طرح ہر بولا ہوا لفظ فضا میں آواز کی لہریں پیدا کرتا ہے جو فضا میں اپنے ایک خاص ارتعاش کی صورت میں دوسرے آوازوں سے خود کو ممتاز رکھتا ہے۔ اسی طرح ہر نیک اور برا عمل خواہ وہ الفاظ کی صورت میں کیا گیا ہو یا افعال کی صورت میں اس فضا کو اپنی لہروں اور اثرات کے ذریعے پاکیزہ یا آلودہ کرتا رہتا ہے۔

چنانچہ گناہ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ دل و دماغ میں ظلمت اور بے چینی پیدا کرتا ہے اور نیکی کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ دل و دماغ میں روشنی اور پاکیزگی کا عمل پیدا کرتی ہے۔ پھر جتنی گناہوں کی قسمیں ہیں اتنی ہی ظلمتوں کی اقسام ہیں۔ نیکی اور بھلائی کا رواج اس زندگی میں مال اور وقت میں برکت پیدا کرتا ہے جبکہ برائی اور گناہوں کی کثرت لوگوں کی زندگی سے، مال اور وقت سے برکت کو چھین لیتی ہے۔

جس طرح ہماری اس اسباب کی دنیا میں ہر عمل کا اپنا ایک مخصوص تاثر ہوتا ہے اسی طرح قلب کی دنیا میں ہر برائی مخصوص اثر چھوڑتی ہے۔

یہی حال نیکیوں کا ہے۔ خودغرضی، حسد، کینہ، بغض وعداوت، جھوٹ، فریب اور شکوک وشبہات گناہوں کے کلچر کی بلند وبالا عمارتیں ہیں۔ جبکہ ایثار واخلاص، محبت وغمگساری، اتحاد واخوت، نیکی کے کلچر کی روشن علامتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک اور منتخب بندوں کے لیے تہجد کی نماز کے لیے وہ وقت مقرر کیا ہے جب اس دنیا میں گناہ کرنے والے گناہ کر کر کے تھک کر سو جاتے ہیں، فضائیں گناہوں کے

ٹرانس میٹر سے نشر ہونے والی لہروں سے پاک ہو جاتی ہیں، اس وقت قلب کی دنیا کے ممتاز شہری اپنے بستر چھوڑ کر اللہ کے حضور سر بسجود ہو کر اپنے خالق حقیقی سے سرگوشیاں کرتے ہیں۔ اس وقت فضاؤں میں نیکی کے ٹرانسمیٹر سے حق کی روشنی کے سگنل نشر ہوتے ہیں، قلب کی اسکرین پر علم و دانش اور فکر و تدبر کے پروگرام وصول ہوتے ہیں جو الفاظ و آواز سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ میں اس کو ایک سائنسی حقیقت اور مشاہدہ سمجھتا ہوں کہ ہر حرام لقمہ جو حلق سے اترتا ہے اور ہر ناجائز کام جو ہاتھ پاؤں کرتے ہیں، وہ قلب کی دنیا کو اسی طرح آلودہ کر رہے ہیں جس طرح پیٹرول کا دھواں، گاڑیوں کا شور اور فیکٹریوں کے فضلے ہماری فضاؤں، زمین اور دریاؤں کو آلودہ کر رہے ہیں۔

جس طرح آج کا یہ دور مائیکرو ٹیکنالوجی تک پہنچنے میں صدیوں میں ہونے والی کوششوں اور محنتوں کا مرہون منت ہے۔ اسی طرح اخلاقی دنیا کی تباہی کے اس کنارے تک پہنچنے میں بھی صدیوں میں ہونے والی شیطانی قوتوں کی محنت شامل ہے۔

عبداللہ صاحب نے سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کو بھی ایک غیر سائنسی اور غیر عقلی بات قرار دیا ہے۔ میں ان کی خدمت میں عرض کروں گا کہ اگر انہوں نے ابھی تک ''انتقال ارضی'' (Earth Shift) کے نئے سائنسی امکانات پر ہونے والی تحریریں نہیں پڑھی ہیں تو ان کا مطالعہ ضرور کریں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس نظریے پر تفصیلی بات ہوگی جس کے ذریعے اب سورج کے مغرب سے طلوع ہونے والی بات ایک سائنسی امکان کے طور پر سامنے آ رہی ہے۔ (واللہ اعلم)

امانت کا ایک واقعہ/سچائی کا پھل

ہم اپنے روزمرہ کے معاملات میں خوف خدا اور فکر آخرت سے کتنے بے پرواہ

ہو گئے ہیں اس کا اندازہ شاید ہر شخص کو روزانہ ہی ہوتا ہوگا۔ جب آدمی خراب ہو جاتا ہے تو نہ ادارے قابل اعتماد رہتے ہیں اور نہ افراد، مادی فوائد جب دین وایمان کا روپ دھارتے ہیں تو اخلاقی اقدار کی سسکیاں سننے کے لیے بھی کسی کے پاس وقت نہیں رہتا۔ پھر آدمی بھیڑیوں اور درندوں سے اتنا نہیں ڈرتا جتنا آدمی سے ڈرتا ہے۔ ہم اس وقت کچھ ایسی ہی صورتحال میں جی رہے ہیں۔ فکر آخرت، خوف خدا اور حرام سے بچنے والوں کو لوگ اس طرح دیکھتے ہیں جیسے کسی اجنبی کو دیکھا جاتا ہے۔

پچھلے دنوں میرے چھوٹے داماد جو فرنیچر کا کام کرتے ہیں اور ایک مشہور غیر ملکی بینک میں اپنا کرنٹ اکاؤنٹ اس لیے رکھتے ہیں کہ ان کے بڑے بھائی امریکا میں ہیں وہ بھی کبھی اپنے گھر والوں کے لیے اسی بینک کے ذریعے انہیں رقم بھیجا کرتے ہیں۔ ماشاء اللہ دین دار ہیں اور حرام وحلال کے معاملے میں ایک سچے مومن کی طرح حساس ہیں۔ ایک چھوٹے سے دو کمرے کے فلیٹ میں رہتے ہیں اور وہ بھی ان کا ذاتی نہیں ہے۔ کچھ روز پہلے ان کے بھائی نے امریکا سے ایک رقم بھیجی جو تقریباً ایک لاکھ 80 ہزار روپے پاکستانی بنتے تھے۔ بینک والوں کی غلطی سے ان کے اکاؤنٹ میں یہ رقم دو مرتبہ یعنی دگنی جمع ہو گئی۔ جو تین لاکھ ساٹھ ہزار روپے بنتے تھے۔ انہوں نے بینک سے یہ رقم نکلوالی اور اس انتظار میں رہے کہ امریکا سے ان کے بھائی کا فون یا کوئی پیغام آئے گا تو وہ اس رقم کو ان کی ہدایت کے مطابق ان کے گھر والوں کو یا ماں باپ کو ادا کر دیں گے۔

ان کا فون آیا تو معلوم ہوا کہ انہوں نے صرف ایک لاکھ 80 ہزار رقم بھیجی ہے۔ اب یہ پریشانی ہوئی کہ یہ اضافی رقم کہاں سے آگئی ہے؟ شیطان کی عادت ہے کہ ایک ضرورت مند شخص کو اتنی بڑی رقم ملتی دکھائی دے تو اس کو بڑے سبز باغ

دکھاتا ہے۔ میرے داماد کی عادت ہے کہ یہ اپنے ذاتی معاملات میں بھی کوئی فیصلہ راقم الحروف سے مشورہ کیے بغیر نہیں کرتے۔ دو تین دن یہ اپنے نفس سے کشتی لڑتے رہے۔ اپنی بیوی یعنی میری بیٹی کو بھی نہیں بتایا کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ وہ اس رقم کو کبھی بھی استعمال کرنے کا مشورہ نہیں دیں گی۔ آخر کار مجھے فون کیا اور پوری صورتحال بتا کر مشورہ چاہا۔ مجھے ان کی مالی حالت اور ضروریات کا خوب اندازہ ہے۔ میں نے انہیں کچھ احادیث کے مضامین وغیرہ سنا کر مشورہ یا کہ وہ فوراً بینک کے منیجر کو فون کر کے اس کی اطلاع دیں اور یہ رقم انہیں لوٹا دیں۔

یہ اگلے دن اس بینک میں پہنچے اور منیجر سے ملے تو معلوم ہوا کہ وہاں ایک کہرام مچا ہوا ہے اور متعلقہ آفیسر کی ملازمت خطرے میں پڑی ہوئی ہے۔ منیجر نے کہا کہ ہمیں آپ سے اس رقم کے مطالبے کا کوئی حق نہیں ہے اور نہ ہی ہمارے پاس کوئی قانونی جواز ہے کہ ہم آپ کو یہ رقم لوٹانے پر مجبور کریں لیکن اگر یہ رقم بینک کو واپس نہ ملی تو کئی لوگوں کی ملازمت خطرے میں آجائے گی۔ انہوں نے جب جیب سے وہ رقم نکال کر میز پر رکھی تو منیجر کھڑا ہو گیا۔ غیر ملکی بینک ہونے کی وجہ سے اس میں غیر ملکی اسٹاف بھی تھا۔ اس نے پورے اسٹاف کو بلا کر ان کا تعارف کرایا اور یہ واقعہ سنایا۔ انہوں نے اعتراف کیا کہ اس بینک کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ ہے کہ کسی نے اس طرح رقم لوٹائی ہو۔ پھر ان کو بینک کا ایک خصوصی کارڈ دیا کہ آپ جب چاہیں اتنی رقم بینک سے قرض لینے کے مستحق ہوں گے۔ حالانکہ وہ بینک سے قرض کبھی نہیں لیں گے اور اب جب بھی وہ بینک جاتے ہیں تو لوگ انہیں دیکھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور ان کا تعارف بڑے تعجب کے لہجے میں کراتے ہیں۔

امانت اُٹھالی جائے گی

یہ واقعہ مجھے اس وقت اس لئے یاد آیا کہ مشکوۃ شریف میں امانت اٹھائے جانے کے بارے میں ایک تفصیلی حدیث آئی ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت سے پہلے دلوں سے امانت اٹھ جائے گی اور ایک امانت دار شخص کے لیے یہ کہا جائے گا کہ فلاں قوم یا قبیلے میں ایک امانت دار شخص موجود ہے۔

حدیث کا ترجمہ یہ ہے:

''حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو حدیثیں بیان کیں، ان میں سے ایک کو دیکھ چکا ہوں اور دوسری کا منتظر ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا کہ امانت (یعنی ایمان) لوگوں کے دلوں کی جڑ میں ڈالی گئی ہے۔ پھر انہوں نے قرآن کو جانا، پھر انہوں نے سنت کو جانا۔ اس کے بعد آپ نے اس کے (یعنی امانت کے) اٹھ جانے کی حدیث بیان کی اور فرمایا آدمی (حسب معمول) سوئے گا اور امانت اس کے دل سے نکال لی جائے گی۔ صرف اس کا ہلکا سا نشان رہ جائے گا جیسے ہلکا سا دھبہ ہو۔ پھر جب وہ دوبارہ سوئے گا تو (امانت) بقیہ اثر بھی نکال لیا جائے گا اور اس کا آبلے کی طرح کا نشان رہ جائے گا جیسے تو آگ کی چنگاری کو اپنے پاؤں پر ڈال لے اور اس سے آبلہ پڑ جائے جو بظاہر پھولا ہوا ہوگا لیکن اس میں کچھ نہیں ہوگا (اندر سے خالی ہوگا) پھر جب لوگ صبح کو اٹھیں گے تو (حسب معمول) خرید وفروخت کریں گے اور ان میں سے ایک بھی ایسا نہ ہوگا جو امانت کو ادا کرے یہاں تک کہ یہ کہا جائے گا کہ فلاں خاندان (قبیلے) میں ایک شخص امین (دیانتدار) رہتا ہے اور اس

زمانے میں ایک شخص کے لیے (جو دنیا داری میں کمال رکھتا ہوگا) کہا جائے گا کہ کس قدر عقلمند ہے۔ (کاروبار میں) کتنا ہوشیار ہے اور کتنا خوبصورت ہے۔ حالانکہ اس کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان نہ ہوگا۔ (مشکوۃ جلد سوم بحوالہ بخاری ومسلم حدیث نمبر 5146)

اس حدیث میں امانت کے اٹھ جانے کے بعد دل میں اس کے باقی ماندہ اثر کا بیان بالکل یوں لگتا ہے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آنکھوں سے دیکھ کر اس کا نقشہ بیان کرر ہے ہوں۔ حضرت حذیفہؓ فرمار ہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ دوعلامتوں میں سے ایک میں دیکھ چکا ہوں۔ یعنی امانت کا دلوں کی جڑوں میں پیوست ہو جانا جس کے ذریعے لوگوں نے قرآن وسنت کے منشاء ومعانی کو سمجھا اور دوسری علامت کا منتظر ہوں کہ یہ امانت دلوں سے اٹھالی جائے گی۔

الحمد للہ ابھی وہ وقت نہیں آیا ہے جو حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ کاروبار کرنے والوں میں ایک شخص بھی امانتدار نہیں ہوگا۔ لیکن اکثریت کے دلوں سے امانت کا اٹھ جانا تو آج ہم بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ میں نے اپنے داماد کا جو واقعہ اوپر بیان کیا ہے وہ بینک والوں کو اسی لیے عجیب لگا ہے کہ امانتداری کا چلن عام نہیں رہا۔ ورنہ مسلمانوں کے لیے یہ کوئی قابل ذکر واقعہ نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ جس کا ایمان یہ ہو کہ خیانت کا مال، مال نہیں دوزخ کے انگارے ہیں۔ کون احمق ان انگاروں کو ہاتھ لگانا بھی پسند کرے گا؟

فتنوں کے زمانے میں عافیت کا راستہ

فتنوں کے اس دور کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو یہ حکیمانہ مشورہ بلکہ حکم دیا ہے۔

"حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ (نیک) اعمال میں جلدی کرو۔ ان فتنوں کے آنے سے پہلے جو تاریک رات کے ٹکڑوں کی مانند ہوں گے۔ آدمی صبح کو ایمان کی حالت میں اٹھے گا اور شام کو کافر ہو جائے گا اور شام کو مومن ہوگا اور صبح کو کافر ہو جائے گا کہ اپنے دین کو دنیا کے عوض بیچ ڈالے گا"۔ (مشکوۃ جلد سوم بحوالہ صحیح مسلم حدیث نمبر (5148)

دنیا کے چند عارضی منافعوں کے عوض دین داری کو بیچنے کا تو آج بھی ایک عام مشاہدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو وہ صبح اور وہ شام نہ دکھائے جب وہ ایمان کے ساتھ سوئیں اور ایمان کے بغیر جاگیں۔

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اس زمانے میں تو مسلمان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ وہ اپنے ایمان کو اٹھنے والے فتنوں سے بچا بچا کر قبر تک ساتھ لے جائے۔ اس لیے ہر شخص کو سونے سے پہلے اپنے پورے دن کے اعمال کا ایک جائزہ لینا چاہیے کہ اس نے صبح کو اٹھنے سے اس وقت تک کیا کیا کام کیے جو کام نیک کیا ہو اس پر اللہ کی دی ہوئی اس توفیق پر شکر ادا کرے اور جو کام غلط اور ناجائز کیا ہو اس سے توبہ کر کے اللہ سے مغفرت طلب کرے۔ بعض اوقات آدمی انجانے میں ایسی بات کہہ جاتا ہے یا ایسا کام کر جاتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ بچائے جو ایمان سلب کرنے والا ہوتا ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ سے آنے والے فتنوں کی تفصیل سنی اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خبر یہ دی کہ (آئندہ زمانے میں) "ایسے لوگ ہوں گے جو دوزخ کے دروازوں پر کھڑے ہو کر لوگوں کو بلائیں گے۔ (یعنی اعلانیہ گمراہی پھیلائیں گے) جو ان کی دعوت قبول کرے

گا وہ اس کو دوزخ میں دھکیل دیں گے'' تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ ان لوگوں کی صفت بیان فرمائیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

''وہ ہماری قوم (قبیلے) میں سے ہوں گے اور ہماری زبان میں گفتگو کریں گے'' یہ سن کر حضرت حذیفہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ اگر میں وہ زمانہ پاؤں تو میرے لیے آپ کا کیا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑ اور ان کے امام کی اطاعت کر'' حضرت حذیفہؓ نے پوچھا کہ اگر اس وقت مسلمانوں کی جماعت بھی نہ ہو اور امام بھی نہ ہو تو میں کیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تمام فرقوں سے الگ ہو جا اگرچہ تجھے درخت کی جڑ میں پناہ لینی پڑے یہاں تک کہ موت تجھ کو اپنی آغوش میں لے لے۔'' (مشکوۃ بحوالہ بخاری و مسلم حدیث نمبر 5147)

ایک اور حدیث میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابو ہریرہؓ نے روایت کی ہے اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں موجود ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''عنقریب فتنوں کا ظہور ہوگا، ان فتنوں کے زمانے میں بیٹھنے والا بہتر ہوگا کھڑا ہونے والے سے، اور کھڑا ہونے والا بہتر ہوگا چلنے والے سے اور چلنے والا بہتر ہوگا دوڑنے والے سے جو شخص ان فتنوں کی طرف جھانکے گا فتنہ اس کو اپنی طرف کھینچ لے گا پس جو شخص پناہ کی کوئی جگہ پائے وہ وہاں جا کر پناہ حاصل کر لے''۔ (صحیح مسلم جلد سوم حدیث نمبر 7247)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کی سلامتی اور اس کی فلاح و نجات کی اتنی فکر تھی کہ ایک باپ کو اپنی اولاد سے بھی نہیں ہو سکتی۔ آپ نے فتنوں کے زمانے میں اپنی امت کو عافیت کا جو راستہ بتایا ہے اس کے تین جز و ہیں۔ ایک تو ہر شخص کو چاہیے

کہ وہ ایسے فتنوں کے وقت میں مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام سے وابستہ رہے۔ اگر مسلمانوں کا کوئی امام اور لیڈر قابل اعتماد نہ ہو تو پھر تنظیموں سے علیحدگی اختیار کر کے اپنی فکر میں لگ جائے اور خود کو ایمان پر مضبوطی سے قائم رکھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے کہ دوڑنے والے سے چلنے والا، چلنے والے سے کھڑا ہونے والا اور کھڑا ہونے والے سے بیٹھنے والا بہتر ہوگا اس کا بظاہر یہی منشا معلوم ہوتا ہے کہ جب فتنوں کی بارش ہو رہی ہو تو دوسروں کی فکر چھوڑ کے اپنی مصروفیات کو محدود کرلیں۔ آج یہ تماشا ہمیں روز دکھائی دیتا ہے کہ ایک تنظیم کسی برائی کے مقابلے کے لیے بنتی ہے اور پھر اس تنظیم کے ماننے والے دوسری ہر تنظیم کے وجود کو دین اور معاشرے کے لیے خطرہ قرار دے کر اس کا بیج مارنے ہی کو دین کی خدمت سمجھ لیتے ہیں اس طرح ہر تنظیم کے ساتھ فتنوں کا ایک نیا دروازہ کھل جاتا ہے۔

ایک جماعت حق پر قائم رہے گی اور غالب ہوگی

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث جو حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

> ”میری امت میں جب تلوار چل جائے گی تو قیامت تک اس کا سلسلہ جاری رہے گا اور اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی۔ جب تک میری امت کے بعض قبائل مشرکوں میں نہ جا ملیں گے اور جب تک میری امت کے بعض قبائل بتوں کی پرستش نہ کرنے لگیں گے اور میری امت میں تیس بڑے جھوٹے ظاہر ہوں گے۔ ان میں سے ہر شخص یہ گمان کرے گا کہ وہ اللہ کا نبی ہے۔ اور میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا اور میری امت میں سے ہمیشہ ایک جماعت حق پر قائم رہے گی اور دشمنوں پر غالب ہوگی۔

جو لوگ اس جماعت کی مخالفت کریں گے وہ اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے۔ (یعنی قیامت آجائے یا وہ وقت آجائے کہ اسلام سب پر غالب آجائے) (مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد، ترمذی حدیث نمبر 5171)

اس حدیث میں جہاں یہ المناک خبر دی گئی ہے کہ اس امت میں قتل وخوں ریزی کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ وہیں یہ خوشخبری بھی سنائی گئی ہے کہ مسلمانوں میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی۔ یہی وہ جماعت ہے جس پر فتنے غالب نہیں ہوں گے بلکہ وہ فتنوں پر غالب رہے گی اور اسی جماعت کے ساتھ وابستہ رہنے کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہؓ والی حدیث میں دیا ہے جو پہلے نقل کی گئی ہے۔ اسی حدیث میں دی گئی یہ خبر بھی غالباً پوری ہو چکی ہے کہ اس امت کے بعض قبائل مشرکین سے جا ملیں گے۔ چنانچہ مسلمانوں کے بہت سے فرقے اسلام سے کٹ کر مشرکین میں شامل ہو چکے ہیں۔ جن میں سکھ، بہائی، قادیانی اور دوسرے کئی فرقے ہیں جو اپنے زعم میں خود کو مسلمان سمجھتے ہیں لیکن مسلمان نہیں رہے۔ البتہ مجھے کسی ایسے فرقے کا علم نہیں ہے جو حدیث کے مطابق بت پرستی میں مبتلا ہو گیا ہو۔ اگر ایسا پہلے نہیں ہوا تو آئندہ کسی زمانے میں واقع ہوگا۔ اس کے بعد یہ خبر دی گئی کہ اس امت میں تیس جھوٹے نبی ظاہر ہوں گے۔ نبوت کے جھوٹے دعووں کا سلسلہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی سے شروع ہو گیا تھا اور آج تک جاری ہے۔ ہمارے ہی دیکھتے دیکھتے ایک سے زیادہ اشخاص نے نبوت کا دعویٰ کیا اور مہدی ہونے کا دعویٰ بھی لوگ آئے دن کرتے رہتے ہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی اس دور کے بڑے کذابوں میں شامل ہے۔

ابوداؤد کی ایک حدیث میں جسے حضرت ابوہریرہؓ نے روایت کیا ہے رسول

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بدنصیبی عرب کی کہ شر قریب آ گیا۔ پس وہ شخص کامیاب ہوگا جس نے اپنا ہاتھ روک لیا'' (مشکوۃ حدیث نمبر 5169)

اس حدیث میں بھی فتنوں کے شر سے بچنے کے لیے بلکہ اس زمانے میں کامیابی کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ فتنوں کے زمانے میں ہر شخص کو ان فتنوں سے دور رہنا چاہیے اور اپنی فکر میں لگا رہنا چاہیے۔

ایک اور حدیث میں ہمارے آقا و سردار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس کو حضرت مقداد بن اسودؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر روایت کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''خوش نصیب ہے وہ شخص جس کو فتنوں سے دور رکھا گیا۔ خوش نصیب ہے وہ شخص جس کو فتنوں سے دور رکھا گیا۔ خوش نصیب ہے وہ شخص جس کو فتنوں سے دور رکھا گیا اور خوش نصیب ہے وہ شخص جو فتنوں میں مبتلا ہوا اور اس نے صبر کیا۔'' (مشکوۃ حدیث 5170 بحوالہ ابوداؤد)

حدیث کی کتب میں بہت سی احادیث اسی مضمون کی آئی ہیں کہ فتنوں کے زمانے میں فتنوں کے شر سے بچنے اور عافیت میں رہنے کا راستہ یہی ہے کہ آدمی ان فتنوں میں الجھنے کی بجائے ان سے دوری اور کسی گوشہ عافیت میں رہنے کو اپنا معمول بنائے۔ اس وقت مجھے یاد نہیں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا اپنا قول ہے یا انہوں نے کوئی حدیث اس مضمون کی روایت کی ہے کہ فتنوں کے زمانے میں آدمی کو چاہیے کہ اپنے کمرے کی چٹخنی لگا کر گھر میں بیٹھ جائے اور دوسروں کی فکر چھوڑ دے۔

چوتھا باب

امام مہدی کا ظہور

☆امام مہدی کا ظہور ایک مسلمہ عقیدہ ہے

☆امام مہدی کا ظہور کہاں اور کیسے ہوگا؟

☆دو خط اور ان کا جواب

☆امام مہدی کے بارے میں ایک پیشگوئی

☆عراق، مصر اور شام کے بارے میں ایک پیشگوئی

☆کالے جھنڈے والا لشکر

☆دو تلواریں اور سیلاب کے تنکے

☆ہندوستان سے جہاد

☆جب زمین اپنے خزانے اُگل دے گی

☆امام مہدی کا آخری دور

امام مہدی کا ظہور ایک مسلمہ عقیدہ ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے آج تک تمام مسلمانوں کا یہ اجماعی عقیدہ رہا ہے کہ قیامت سے پہلے ایک خلیفہ پیدا ہوں گے، جو پوری دنیائے اسلام کو ایک جھنڈے کے نیچے جمع کریں گے۔ جو دنیا میں عدل وانصاف قائم کر کے ظلم بغاوت کو ختم کر دیں گے۔ مستند احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ امام مہدی قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے ظاہر ہوں گے اور انہی کے زمانے میں دجال کا عظیم فتنہ بھی ظاہر ہوگا جو پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے گا اور مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اس کے کارناموں کو دیکھ کر اس پر ایمان لے آئے گی۔ یہودیوں میں بھی یہ عقیدہ چلا آرہا ہے کہ ایک مسیح ظاہر ہوگا جو پوری دنیا میں اصل یہودیت قائم کر کے دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دے گا۔

شیعہ حضرات بھی امام مہدی کی آمد کے منتظر ہیں۔ لیکن ان کا عقیدہ اہل سنت والجماعت (یعنی چاروں فقہ کے ماننے والوں) سے بہت مختلف ہے۔ علامہ ابن قیم نے شیعہ حضرات کے عقیدے کے بارے میں فرمایا ہے کہ امام مہدی کے ظہور کا عقیدہ معمولی ردو بدل کے ساتھ مختلف فرقوں میں شروع سے چلا آرہا ہے اور مسلمانوں کے اس مسلمہ عقیدہ کی بنیاد ان بے شمار مستند احادیث پر ہے جو تواتر کے درجے تک پہنچی ہوئی ہیں۔

متواتر حدیث اس کلام کو کہتے ہیں جس میں کسی شک وشبے کی گنجائش نہ ہو۔ چنانچہ قرآن کریم حدیث متواتر ہی ہے۔ ہمارے دور کا ایک خطرناک فتنہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے درمیان شکوک وشبہات پیدا کرنے کے لیے کسی بھی شخص کو کھڑا کر دیا جاتا ہے اور وہ ان مسلمہ عقائد کو متنازعہ بنانے کی کوشش کرتا ہے اور بے چارے نادان مسلمان ان کے جال میں پھنس کر گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہی۔ اس زمانے میں بھی بعض جدت پسندوں نے اس مسلمہ عقیدے میں بھی غلط روایات اور نا قابل اعتبار تحریروں کے ذریعے مسلمانوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی مہم شروع کی ہوئی ہے۔

اسی لیے میں ہمیشہ اپنے مسلمان بھائیوں کو یہ مشورہ دیتا رہا ہوں کہ وہ ان خیالات کی طرف توجہ نہ دیں۔ دین مکمل ہو چکا۔ اس کی تمام جزئیات تسلیم شدہ ہیں، اس دینی اور علمی انحطاط کے دور میں اگر کوئی شخص ایک نئی بات لے کر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ساڑھے چودہ سو سال میں کسی نے دین کی اس نئی بات کو نہیں سمجھا اور اب اس شخص پر دین کی حقیقت منکشف ہوئی ہے۔ خود یہ دعویٰ ہی اس کی سچائی کو جھٹلانے کے لیے کافی ہونا چاہیے۔

امام مہدی، رسول اللہ ﷺ کی اولاد میں سے ہوں گے

ابو داؤد میں حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مہدی میری اولاد میں سے ہوں گے یعنی فاطمہؓ کی اولاد میں سے“ (مشکوٰۃ جلد سوم 5217)

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دنیا اس وقت تک فنا نہ ہوگی جب تک عرب پر ایک شخص کی حکومت نہ ہوگی جس کا نام میرے نام پر ہوگا۔ (مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی، 5216)

ابو داؤد اور ترمذی کی دونوں حدیثوں میں امام مہدی کے ظہور کی پیشگوئی واضح الفاظ میں موجود ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ ترمذی کی حدیث میں امام مہدی علیہ السلام کے نام تک کی صراحت موجود ہے۔ امام مہدی کا نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر محمد ہوگا اور آپ ﷺ کے والد کے نام پر اُن کے والد کا نام بھی عبداللہ ہوگا جیسا کہ ذیل کی حدیث سے واضح ہے؛ جو مشکوٰۃ میں ابو داؤد کے حوالے سے نقل کی گئی ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے:

”اگر دنیا کے فنا ہونے میں صرف ایک ہی دن باقی رہ جائے گا تو خداوند تعالیٰ اس دن کو دراز کر دے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ میرے خاندان میں سے ایک شخص کو بھیجے گا جس کا نام میرے نام پر ہوگا اور جس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام پر ہوگا۔ وہ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔

جیسا کہ وہ پہلے ظلم و جور سے بھری ہوئی ہوگی''۔(مشکوۃ جلد سوم صفحہ 30)

اس حدیث میں امام مہدی کے ظاہر ہونے کی خبر امام مہدی کے نام کے ساتھ ساتھ ان کی ولدیت بھی بتادی گئی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کے نام پر ہوگا یعنی عبداللہ۔

امام مہدی حضرت حسنؓ کی اولاد میں ہونگے

ابوداؤد میں ابو اسحاقؒ سے روایت ہے کہ ''حضرت علی کرم اللہ وجہ نے اپنے بیٹے حسن کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا کہ میرا یہ بیٹا سردار ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ عنقریب اس کی پشت سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کا نام تمہارے نبی کے نام پر ہوگا۔ اخلاق وعادات میں وہ نبی علیہ السلام کے مشابہ ہوگا۔ صورت وشکل میں مشابہ نہ ہوگا۔ اس کے بعد حضرت علیؓ نے اس شخص کے عدل وانصاف کا واقعہ بیان کیا''۔(مشکوۃ جلد سوم 5226)

اس حدیث میں حضرت علی کرم اللہ وجہ نے واضح الفاظ میں اورشاد فرمایا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام حضرت حسنؓ کی اولاد میں سے ہوں گے اور ان کا نا محمد ہوگا اور اخلاق وعادات میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہوں گے مگر ناک نقشے میں مشابہت نہیں ہوگی۔

قرب قیامت سے متعلق جو احادیث آئی ہیں ان کے مطالعے سے امام مہدی کے بارے میں مجموعی معلومات کا خلاصہ اور ان کی بنا پر علمائے سلف کا یہ مسلمہ عقیدہ ہے کہ امام مہدی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور دجال کے خروج سے پہلے ظاہر ہوں گے۔ ان کا نام محمد بن عبداللہ ہوگا۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی کل عمر 49 برس ہوگی اور چالیس سال کی عمر میں ان کی خلافت پر لوگ بیعت کریں گے۔ وہ نہ نبی ہوں گے اور نہ نبوت کا دعویٰ کریں گے۔ ان کی حیثیت ایک مجدد کی ہوگی۔ ان کی خلافت کے ساتویں سال حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے۔ وہ حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ مل کے دجال کے خلاف جہاد کریں گے۔ اس عقیدے کے علاوہ جتنی باتیں لوگوں میں مشہور یا عقیدے کا درجہ رکھتی ہیں ان کی کوئی علمی دلیل نہیں ہے۔

امام مہدی کا حلیہ اور دیگر خصوصیات

سنن ابوداؤد میں ایک روایت امام مہدی کے ناک نقشے اور ان کی بعض خصوصیات کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

"حضرت ابوسعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مہدی مجھ سے ہوں گے (یعنی میرے خاندان سے ہوں گے) وہ روشن پیشانی والے اور بلند ناک والے ہوں گے۔ زمین کو عدل وانصاف سے اس طرح بھر دیں گے جس طرح وہ ظلم وجور سے بھر دی گئی تھی اور وہ سات سال تک حکومت کریں گے" (سنن ابوداؤد جلد سوم حدیث 883)

اس حدیث میں امام مہدیؒ کی حکومت کی مدت سات سال بیان کی گئی ہے۔ دوسری روایات کی روشنی میں اس کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام مہدی اپنی خلافت قائم ہونے کے بعد سات سال تک بحیثیت خلیفہ حکومت کریں گے اور اس دور میں وہ صحیح اسلامی حکومت قائم فرما دیں گے اور بعض جنگوں میں حصہ لیں گے۔ زمین میں عدل وانصاف قائم ہوگا۔ پھر سات سال بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے دمشق میں نزول فرمائیں گے۔ پھر امام مہدی ان کی اقتداء میں دجال

سے لڑیں گے جس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقام لُد پر قتل کریں گے۔ جس کی تفصیل آئندہ اِن شاء اللہ تعالیٰ آئے گی۔

''حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا۔ یہاں تک کہ تم پر بارہ خلفا ہوں گے سب کے سب ایسے ہوں گے کہ امت کا ان پر اجماع واتفاق ہوگا۔ (اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آہستہ آواز میں کچھ ارشاد فرمایا) پس میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سنا اور اسے سمجھ نہ سکا۔ تو میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرما رہے تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ آنحضرت نے فرمایا کہ وہ سب خلیفہ قریش میں سے ہونگے''۔ (سنن ابوداؤد جلد سوم حدیث نمبر 776)

اس حدیث کی رو سے امام مہدی بارہویں خلیفہ ہوں گے اور پوری امت مسلمہ ان کی خلافت پر متفق اور متحد ہوگی۔

امام مہدی کا ظہور کہاں اور کیسے ہوگا؟

چنانچہ امام مہدی کا ظہور ایک ایسے موقع پر ہوگا جب مسلمانوں کے ایک خلیفہ کا انتقال ہوگا اور اس خلیفہ کی جگہ کسی شخص کو خلیفہ مقرر کرنے کا معامہ درپیش ہوگا اور اس معاملے میں لوگوں میں اختلاف واقع ہوگا۔ اس معاملے کی تفصیل ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی زبانی سنیے:

''حضرت ام المومنین ام سلمہؓ زوجۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک خلیفہ کی موت کے وقت لوگوں میں اختلاف ہو جائے گا۔ اس موقع پر ایک شخص مدینہ منورہ سے

نکل کر مکہ مکرمہ کی طرف بھاگے گا۔ اہل مکہ اس کو خلافت کے لیے نکالیں گے، لیکن وہ اس معاملے کو ناپسند کرتے ہوں گے۔ پھر لوگ حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان ان کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔

پھر (دشمن) ایک لشکر (ان کے مقابلے کے لیے) شام سے بھیجیں گے۔ تو وہ لشکر بیداً کے مقام پر زمین میں دھنس جائے گا۔ جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ ہے۔ جب لوگ یہ دیکھیں گے تو اہل شام کے ابدال اور اہل عراق کی جماعتیں ان سے بیعت کریں گی۔ پھر قریش میں سے ایک شخص جس کی ننھیال بنو کلب میں ہوگی۔ اٹھے گا وہ ان کی طرف ایک لشکر بھیجے گا۔ تو وہ (امام مہدی اور ان کی فوج) اس لشکر پر غلبہ حاصل کرلیں گے اور ناکامی ہو اس شخص کو جو بنو کلب کے مال غنیمت کی تقسیم کے موقع پر حاضر نہ ہو (حضرت مہدی مال غنیمت تقسیم کریں گے اور لوگوں میں نبی علیہ السلام کی سنت کو جاری کریں گے، یعنی سنت کے مطابق حکومت کریں گے) اور اسلام اپنی گردن زمین پر ڈال دے گا (یعنی کرہ ارض پر اسلام پھیل جائے گا) پھر اس کے بعد وہ سات سال تک زندہ رہیں گے۔ پھر ان کا انتقال ہوجائے گا اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے'' امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ بعض راویوں نے ہشام کے حوالے سے یہ کہا کہ وہ (امام مہدی) نو سال تک زندہ رہیں گے جبکہ بعض نے کہا کہ سات سال تک زندہ رہیں گے۔ (سنن ابی داؤد جلد سوم حدیث نمبر 883)

اس حدیث سے جہاں امام مہدی کے ظاہر ہونے کے اسباب وحالات کی خبر ملتی ہے وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ظہور مہدی سے پہلے بھی مسلمانوں کا کوئی خلیفہ ہوگا۔ جس کے انتقال کے موقع پر امام مہدی اس خوف سے کہ لوگ ان کے کاندھوں

پر یہ ذمہ داری نہ ڈال دیں مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ تشریف لے جائیں گے۔اس موقع پر حدیث میں بھاگنے کے الفاظ ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مہدی بار خلافت سے بچنے کے لیے بہت جلدی میں روانہ ہوں گے۔ حدیث میں دیے گئے باقی واقعات کے ساتھ یہ خوشخبری بھی ملتی ہے کہ امام مہدی پوری دنیا میں اسلامی حکومت قائم کردیں گے جس کے نتیجے کے طور پر یہ دنیا عدل وانصاف اور امن وسکون سے بھر جائے گی۔ اس حدیث میں کفار کے ایک لشکر کے زمین میں دھنس جانے کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ دوسری احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی ہے کہ قیامت سے پہلے دنیا میں تین واقعات زمین میں دھنس جانے کے پیش آئیں گے۔ایک مشرق میں، ایک مغرب میں اور ایک عرب میں۔ مذکورہ بالا حدیث میں عرب میں پیش آنے والے واقعے کا ذکر کیا گیا ہے۔

اس حدیث میں بیان کردہ واقعات کو جب ہم دوسری روایت کے واقعات کی تفصیل سے ملا کر دیکھتے ہیں تو پوری صورتحال کا ایک خاکہ جو ذہن میں آتا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

امام مہدی کے ظہور سے پہلے مسلمانوں کی حالت بہت بے بسی اور بے چارگی کی ہوگی اور پوری دنیا کے مسلمان کسی راہنما کی تلاش میں ہوں گے۔ مدینہ منورہ میں کسی خلیفہ کے انتقال کے بعد امام مہدی مکہ مکرمہ روانہ ہوں گے کہ لوگ ان کو خلیفہ نہ بنالیں۔ مکہ مکرمہ میں طواف کے دوران لوگ ان کو حدیث میں بیان کردہ علامات سے پہچان لیں گے اور حجرِ اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان مسلمان ان کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کریں گے۔ پھر حضرت امام مہدیؑ خلافت کی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لیے مدینہ منورہ کو اپنا دارالسلطنت بنائیں گے۔اور دنیا کے مختلف حصوں سے مسلمانوں کی جماعتیں آکر ان کے ہاتھ پر بیعت کریں گی اور وہ اسلامی سلطنت

کے قیام کے لیے تمام قوتوں کو جمع کریں گے۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شام اور مصر پر عیسائی قبضہ کرلیں گے۔ مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی حکومت کے قیام اور ان کے اجتماع کی خبر سے عیسائی اور غیر مسلم دنیا پریشان ہوگی اور وہ اپنی قوتوں کو مغرب میں جمع کریں گے اور شام کو اپنا فوجی مستقر بنائیں گے اور وہ ایک بڑی فوج کے ساتھ مکۂ مکرمہ پر حملہ کرنے کے لیے مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام پر جمع ہوجائیں گے۔ بعض روایات کے مطابق یہ مقام ایک پہاڑی ہوگی۔ دوسرے ممالک سے اسلامی افواج امام مہدی کے ساتھ ملنے کے لیے روانہ ہوں گی۔ ان میں سے ایک فوج سمرقند سے روانہ ہوگی۔ غیر مسلم افواج کوشش کریں گی کہ یہ مسلم افواج امام مہدی تک نہ پہنچنے پائیں اور انہیں راستے ہی میں ختم کردیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مدد آئے گی اور مسلم افواج کے اس مقام تک پہنچنے سے پہلے ہی غیر مسلم افواج کے مقام پر ایک زلزلہ آئے گا اور زمین شق ہوجائے گی اور کفار کا یہ پورا لشکر زمین میں دھنس جائے گا۔

مذکورہ بالا حدیث میں بظاہر اسی لشکر کے دھنس جانے کا ذکر ہے۔ لیکن جیسا کہ میں پہلے عرض کرچکا ہوں۔ ان واقعات میں جو بھی ترتیب دی جائے گی وہ یقینی نہیں ہے بلکہ ظنی ہے۔ اس میں جو بات یقینی ہے وہ صرف اتنی ہے کہ امام مہدی کے خلاف مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی جانب پیش قدمی کرنے والا لشکر زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔ (واللہ اعلم)

دو خط اور ان کا جواب

آج سب سے پہلے دو اہم خطوط کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں۔ پہلا خط کیلیفورنیا امریکا کے شہر لاس اینجلس سے خالد بیگ صاحب کا ہے۔ میری ان سے پہلی ملاقات

1992ء میں لاس اینجلس کے ایک مشہور اسلامی مرکز میں ہوئی تھی۔ اس وقت سے ان سے مسلسل رابطہ رہتا ہے۔ انہوں نے اس تازہ خط میں ایک افسوسناک اطلاع تو یہ دی کہ بعض اسلامی ممالک میں اس وقت وکیلوں کا ایک ادارہ قائم ہے جو ان ممالک میں ''ہم جنس پرستوں'' (Homo sexuals) کے قانونی اور سماجی حقوق کی حفاظت اور ان کی مدد کے لیے جدید خطوط پر کام کر رہا ہے۔ ان ممالک میں مصر، لبنان، بنگلہ دیش، انڈیا اور انڈونیشیا شامل ہیں۔ شکر ہے کہ اس میں پاکستان کا نام نہیں ہے۔ اس ویب سائٹ پر جا کر اس کی تفصیل دیکھی، یہ دیکھ کر غم ہوا کہ مصر، لبنان، انڈونیشیا میں یہ کام غیر مسلم کر رہے ہیں جبکہ بنگلہ دیش میں ایک مسلمان شخص اس ادارے کا ایک سرگرم کارکن ہے۔

خالد بیگ صاحب! یہ بھی قیامت کی علامتوں میں سے ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ اس وقت دنیا میں اگر برائی اپنے پنجے جما رہی ہے تو دوسری طرف بہت سے امید افزا حالات بھی پہلے سے زیادہ سامنے آ رہے ہیں۔ مثلاً دنیا کے بیشتر علاقوں میں وہ لوگ اسلام قبول کر رہے ہیں جن کے ذہنوں میں یہ خیال پلا دیا گیا تھا کہ اسلام بدترین مذہب اور مسلمان بدترین لوگ ہیں۔ اسرائیل میں ایک کٹر یہودی کا قبول اسلام اور بغداد میں ایک امریکی فوجی کا مسلمان ہونا اس کی تازہ مثالیں ہیں۔

ایک امید افزا بات یہ ہے کہ مغربی دنیا میں پچھلے دو تین عشروں میں قرآن کریم اور اسلام کے بنیادی ذرائع کے مطالعے کا رجحان اتنا بڑھا ہے کہ اس سے پہلے تاریخ میں کبھی دیکھنے میں نہیں آیا ہے اور اسلام کے خلاف یہ پروپیگنڈا کہ یہ ایک انتہا پسند مذہب ہے انسانی عقل اور سائنس کے ترازو میں پورا نہیں اترتا، جھوٹ ثابت ہو چکا ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جوں جوں سائنس اور ٹیکنالوجی اشیا کے حقائق سے پردہ اٹھا رہی ہے اتنی ہی تیزی سے ''سچ'' یعنی اللہ کی احدانیت اور

اسلام کی حقیقت اپنے آپ کو زبردستی منوا رہی ہے۔ مغربی لیبارٹریوں میں ریسرچ کرنے والے جب کسی نئی حقیقت کو دریافت کرتے ہیں تو انہیں مادیت اور ڈارون ازم کے فلسفوں کے چیتھڑے اپنی تجربے کی میز پر بکھرتے نظر آتے ہیں۔

مغرب کی پریشانیوں میں سے اس وقت سب سے بڑی پریشانی یہ ہے کہ جس خدا کو انہوں نے اپنی فکری اور عملی زندگی سے نکال کر چرچ میں بند کر دیا تھا۔ وہ ان کا سچا خدا نہیں تھا، سچا خدا تو اب ہر تجربہ گاہ میں، ہر یونیورسٹی میں، تجارتی اداروں میں اور فیکٹریوں میں ان کی حماقت اور گمراہی پر مسکراتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ اسی ہفتے میرے پاس آسٹریلیا سے ایک نومسلم خاتون کا خط آیا ہے جس میں انہوں نے آسٹریلیا میں آنے والی تیز رفتار اسلامی تبدیلیوں کی تفصیل بتائی ہے۔

دوسرا خط محمد ایوب صالح صاحب نے اسلام پورہ کراچی سے روزنامہ امت کی معرفت بھیجا ہے۔ انہوں نے گلشن اقبال میں اردو سائنس کالج کے قریب ایک ادارے DINETIC CENTRE کے بارے میں بتایا ہے وہ اس وقت بڑے پیمانے پر روح پر ریسرچ کر رہے ہیں اور وہ مختلف مذاہب کے عقائد سے کچھ خیالات کا ایک ملغوبہ تیار کر کے اس کو سائنسی تحقیق کے دعوے کے ساتھ پوری دنیا میں شائع کر رہے ہیں۔ اس ادارے کا بانی RON HUBBARD ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس کے بانی کے جسم میں اس وقت گوتم بدھ کی روح ہے۔ اور ان کی ''سائنسی ریسرچ'' یہ بتاتی ہے کہ موت کے بعد انسانی روح نیا جسم ڈھونڈتی ہے اور وہ کسی بھی حاملہ عورت کے پیٹ میں داخل ہو جاتی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر انسان اپنے گناہ صاف کرا لے تو مرنے کے بعد اس کو یہ اختیار حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے جہاں پیدا ہونا چاہے پیدا ہو سکتا ہے یہ ادارہ ''تزکیہ نفس'' (SELF IMPROVEMENT) کے نام سے لوگوں کو دعوت دے رہا ہے۔

محمد ایوب صالح صاحب نے اپنے خط کے آخر میں عالم برزخ، روح اور علم غیب کے بارے میں چند سوالات کیے ہیں۔ روح پر سائنسی تجربات کا مسئلہ تو کافی پرانا ہے۔ جرمنی میں 1968ء میں اس قسم کے تجربوں میں ناکامی کے بعد یہ سلسلہ ختم کر دیا گیا تھا۔

اس بارے میں اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ روح بھی دوسری مخلوقات کی طرح اللہ کی پیدا کردہ ایک مخلوق ہے۔ یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آئی اور قرآن کریم کی ایک آیت نازل ہوئی۔ اس کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّی

"یہ لوگ تم سے (اے رسول) روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔
آپ کہہ دیجیے کہ روح میرے رب کا ایک امر ہے۔"

یہاں ایک بات تو یہ سمجھنے کی ہے کہ لوگوں کا یہ سوال آنحضرت کی نبوت کا امتحان لینے کے لیے کیا گیا تھا۔ یہ موقع تھا کہ قرآنِ کریم میں روح کی حقیقت کے بارے میں جواب دے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو ثابت کر دیا جاتا۔ اس کی بجائے اللہ تعالیٰ نے کمال بے نیازی کے ساتھ یہ جواب دلوایا کہ

"روح میرے رب کا ایک امر ہے"

امر کے معنی حکم کے بھی ہوتے ہیں۔ معاملے کے بھی، کسی اہم کام کے بھی اور راز کے بھی۔ روح اللہ کا حکم ہے۔ معاملہ ہے، راز ہے یہ سب معنی یہاں لیے جا سکتے ہیں۔ اس جواب سے ایک بات تو یہ سامنے آئی کہ روح کا معاملہ ایسا نہیں تھا جس کا جواب، پوچھنے والوں کے فہم وادراک کے مطابق چند جملوں میں دلایا جاتا۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روح کی حقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف فرما دی ہو

اور پوچھنے والوں کو استعداد کی کمی کی وجہ سے یہ جواب دیا گیا ہو۔

دوسری بات یہ واضح ہوئی کہ ضروری نہیں ہے کہ پوچھنے والے کے ہر سوال کا جواب دیا جائے جس کا تعلق ان کی دنیا اور آخرت سے ضروری نہ ہو۔ علمائے حق کا موقف یہ ہے کہ مخلوق ہونے کی حیثیت سے روح کا انکشاف کسی ذریعے سے اگر ہو جائے تو یہ بات ناممکن نہیں ہے۔ لیکن ان لوگوں کے جو عقائد اوپر ذکر کیے گئے ان کا تعلق نہ سائنس سے ہے اور نہ عقل و روایت سے۔ یہ محض ان کے بے بنیاد تخمینے اور اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنے کے مترادف ہے۔ ان کی طرف توجہ کرنا یا ترغیب دینا سخت مضر ہے۔

مغرب کا خدا سے محروم انسان کبھی یوگا میں سکون تلاش کرتا ہے۔ تو کبھی تھیا صوفی میں، حق کی تلاش تو انسان کی فطرت میں ہے۔ وہ اس تلاش میں فکر و عقیدے کی گلیوں میں مارا مارا پھرتا ہے اور پھرتا رہے گا جب تک وہ اپنی فطرت کے تقاضوں پر عمل کر کے اللہ پر ایمان نہیں لاتا۔ اس ادارے کی تفصیلات پڑھ کر میں تو اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ دوسرے اداروں کی طرح یہ بھی تھیا صوفی کی ایک شاخ ہے اور اس پردے میں ان کا مشن لوگوں کو اسلام سے برگشتہ کرنا ہے۔ اس شک کا اظہار محمد ایوب صاحب نے بھی اپنے خط میں کیا ہے۔

میری سوچی سمجھی رائے یہ ہے کہ اس دور میں ایسے نئے فتنوں کا جواب دینا یا ان کی تشہیر کرنا سخت مضر ہے جن سے بہت کم لوگ واقف ہیں یا متاثر ہو رہے ہیں۔ ایسے فتنوں کا جواب دینا یا ان پر کچھ لکھنا ایک ایسی برائی کی تشہیر کرنا ہے جس کو ختم کرنا ہماری طاقت میں نہیں ہے اور اس کی تشہیر ان لوگوں کے لیے برائی کا دروازہ کھولنا ہے جن کے قلوب پر ایمان کی گرفت مضبوط نہیں ہے۔

امام مہدی ایک مجدد ہوں گے

بہت سی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر صدی کے آغاز میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی بھی فرد کو مجدد بنا کر پیدا فرماتے ہیں۔ مجدد کے لفظی معنیٰ تو تجدید کرنے والے کے ہیں۔ لیکن دینی اصطلاح میں مجدد اس شخص کو کہتے ہیں جو اللہ کے دین میں پیدا ہونے والی ملاوٹوں کو چھان کر اس کو غیر اسلامی افکار، عقائد، نظریات، بدعات اور رسوم سے پاک کر دیتا ہے اور قرآن وسنت کی صحیح ترجمانی اور تفسیر وتعبیر کر کے اسلام کے مقاصد اور منشا کو اپنے زمانے کے مطابق واضح کر دیتا ہے۔ کسی مجدد کے لیے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ اس کو اپنے مجدد ہونے کا علم بھی ہو اور نہ ہی ایسا شخص مجدد ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔

حضرت شیخ احمد سرہندی جو مجدد الف ثانی کے نام سے مشہور ہیں بارہویں صدی ہجری کے مجدد تھے۔ ان کے مجدد ہونے پر تمام علما کا اتفاق ہے۔ امام مہدی بھی آخری صدی کے مجدد ہوں گے جو دین اسلام کو اس کی اصل روح اور شکل میں نافذ کریں گے۔ چنانچہ ابوداؤد کی یہ روایت ہمیں ہر صدی میں ایک مجدد کے پیدا ہونے کی خبر دیتی ہے۔

> "حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں اپنے علم کے مطابق کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر سو سال کے پورا ہونے پر ایک شخص کو بھیجتے ہیں (جو امت کی رہنمائی کے لیے) دین کی تجدید کرتا ہے"۔ (سنن ابوداؤد حدیث نمبر 887)

البتہ دوسرے مجددین کے مقابلے میں امام مہدی میں بعض اہم خصوصیات زیادہ ہوں گی۔ ان میں سے ایک خصوصیت تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے ان کے نام اور ولدیت کے ساتھ پیشگوئی فرمائی۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ تاریخ انسانی کا سب سے بڑا فتنہ یعنی دجال کا ظہور ان ہی کے زمانے میں ہوگا اور وہ اس سے جہاد کریں گے۔ تیسری خصوصیت یہ ہے کہ ان ہی کے زمانے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا اور ایک نماز میں وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امامت کریں گے اور چوتھی خصوصیت یہ ہوگی کہ وہ اس وقت کی موجود پوری دنیا میں اسلام کی حکومت اس کی صحیح روح اور شکل کے ساتھ قائم فرمائیں گے۔

امام مہدی کے بارے میں ایک پیشگوئی

صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخری زمانے میں ایک خلیفہ ہوگا (امام مہدی) جو مال کو لوگوں میں خوب تقسیم کرے گا اور جمع کر کے اپنے پاس نہ رکھے گا اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آخر میں ایک خلیفہ ہوگا جو ہاتھ میں بھر بھر کر مال لٹائے گا اور اس کو شمار نہ کرے گا۔ (مشکوۃ جلد سوم، حدیث نمبر 5205)

اسی مضمون کی ایک حدیث ترمذی کے حوالے سے مشکوۃ شریف میں ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے۔

''حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مہدی کے پاس ایک شخص آئے گا اور کہے گا کہ مجھ کو (مال) دو، مجھ کو دو۔ مہدی اس کو دونوں ہاتھوں سے بھر بھر کر اتنا دیں گے جتنا وہ اپنے کپڑے میں بھر کر لے جاسکے۔''

عراق، مصر اور شام کے بارے میں ایک پیشگوئی

صحیح مسلم میں ایک روایت ملتی ہے کہ آخری زمانے میں عراق، مصر اور شام پر مسلمانوں کا تسلط ختم ہو جائیگا۔ روایت کا ترجمہ یہ ہے:

''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عراق اپنے درہم اور قفیز روک لے گا اور شام اپنے مُد اور دینار روک لے گا اور مصر اپنے اردب روک لے گا اور تم جہاں سے چلے تھے وہیں لوٹ آؤ گے اور تم جہاں سے چلے تھے وہیں لوٹ آؤ گے اور تم جہاں سے چلے تھے وہیں لوٹ آؤ گے اور اس بات پر ابو ہریرہ کا گوشت اور خون گواہ ہے۔'' (صحیح مسلم جلد سوم حدیث نمبر 7277)

قفیز، مد اور اردب پیمانوں کے نام ہیں جبکہ درہم و دینار سکوں کے نام ہیں۔ بعض دوسری روایات میں اس کی مزید تفصیل بھی ملتی ہے کہ پیمانوں اور سکوں کے روکنے کا مطلب یہ ہے کہ ان ممالک سے ہونے والی آمدنی سے خواہ وہ خراج ہو یا ٹیکس وغیرہ مسلمان محروم ہو جائیں گے۔ شام کے بارے میں تو حدیث پیچھے گزر چکی ہے کہ وہ ایک زمانے میں عیسائی افواج کا مرکز ہوگا اور پھر امام مہدی کی عسکری قیادت میں ملک شام فتح ہوگا۔ مسلمانوں پر ایک وقت ایسا آئے گا کہ وہ اسباب و وسائل میں ایسا ہو جائے گا جیسے ابتدا میں تھا۔

کالے جھنڈے والا لشکر

امام احمد اور بیہقی کے حوالے سے مشکوۃ شریف میں ایک حدیث کی یہ عبارت قابل ذکر ہے جو امام مہدی کے بارے میں ہے۔

''حضرت ثوبانؓ کہتے ہیں کہ خراسان کی طرف سے سیاہ جھنڈے یا نشان آتے دیکھو تو ادھر متوجہ ہو جاؤ کیونکہ ان میں اللہ کا خلیفہ مہدی ہوگا''۔
(مشکوۃ جلد سوم، 5225)

امام مہدی کے ظہور کا زمانہ ابتدا میں سخت آزمائشوں اور جنگوں کا زمانہ ہوگا۔ لیکن ان آزمائشوں کے بعد وہ تمام باطل قوتوں پر غلبہ حاصل کر کے اس دنیا کو عدل وانصاف اور خوشحال اور امن وسکون سے بھر دیں گے۔ لیکن امام مہدی کے زمانے میں چونکہ حق اور باطل الگ الگ ہو جائیں گے۔ اس وقت مسلمانوں پر ان کی اطاعت واجب اور ایمان کا جزو ہوگی۔ جو اطاعت کریں گے وہ مسلمان ہوں گے اور جو اطاعت نہیں کریں گے وہ مسلمان نہیں ہوں گے۔

حق و باطل کی جنگیں

ایک صاحب کا تحریری اعتراض یہ ہے کہ علامات قیامت جو قرآن کریم میں آئی ہیں وہ بہت کم ہیں۔ امام مہدی کے ظہور، دجال کے خروج اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بارے میں قرآن کریم میں کوئی خبر نہیں دی گئی۔ اس سوال کا جواب آئندہ صفحات میں تفصیل سے آ رہا ہے اس لئے یہاں جواب دینا، تکرار کا باعث ہوگا۔

امام مہدی کا ابتدائی زمانہ شدید جنگوں اور جہاد کا زمانہ ہوگا۔ ایک حدیث میں رومیوں سے ایک بڑی جنگ کی خبر دی گئی ہے جو پہلے نقل کی جا چکی ہے۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ پہلے دن مسلمانوں کی ایک تہائی فوج رومیوں کے مقابلے سے بھاگ جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ کبھی قبول نہیں کرے گا اور ایک تہائی مسلمان شہید ہو جائیں گے اور اللہ کے نزدیک یہ بہترین شہدا ہوں گے اور ایک تہائی مسلمان

رومیوں پر فتح حاصل کریں گے۔ ان کو اللہ تعالیٰ کبھی فتنہ میں نہ ڈالیں گے پھر مسلمان قسطنطنیہ فتح کریں گے۔ (مشکوٰۃ جلد سوم بحوالہ صحیح مسلم)

یہ بات واضح نہیں ہے کہ پہلی حدیث میں جس جنگ کی خبر دی گئی ہے وہ دوسری حدیث میں بیان کی گئی جنگ سے الگ ہے یا دونوں حدیثوں میں ایک ہی جنگ کی تفصیل دی گئی ہے۔ پہلے ایک حدیث میں چونکہ چاروں دن کی جنگ کی تفصیل دنوں کی ترتیب سے دی گئی ہے اور اس میں ایک تہائی مسلمانوں کے بھاگ جانے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ رومیوں سے جنگ دو مرتبہ ہوگی لیکن ایک بات دونوں حدیثوں میں ایسی ہے جو ان واقعات کو ایک ہی جنگ قرار دیتے ہیں۔ دونوں حدیثوں کے آخر میں دجال کے ظاہر ہونے کی جھوٹی خبر کا ذکر ہے اور دوسری حدیث میں یہ بھی وضاحت ہے کہ قسطنطنیہ کی فتح کے بعد جب مسلمان شام پہنچیں گے تو دجال حقیقت میں ظاہر ہو جائے گا۔ یہاں بھی حدیثوں میں تعارض نہیں ہے بلکہ اجمال اور تفصیل کا فرق ہے اور دونوں حدیثوں میں غور کرنے سے تمام تفصیلات کی ایک ترتیب بھی قائم کی جا سکتی ہے۔ (واللہ اعلم)

امام مہدی، ایک عالمی خوشخبری ہیں

دو تلواریں اور سیلاب کے تنکے

ہمارے دور میں خودکش حملوں کی اتنی کثرت ہوگئی ہے کہ تقریباً روزانہ ہی کہیں نہ کہیں خودکش حملہ ہو جاتا ہے۔ درجنوں افراد ہلاک اور بعض اوقات سینکڑوں افراد زخمی ہو جاتے ہیں۔ مارنے والے بھی مسلمان ہیں اور مرنے والے بھی مسلمان۔ دینی اور مسلکی اختلافات کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا:

''حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امت پر دو تلواریں جمع کریں گے۔ ایک تلوار خود ان کی (آپس کی لڑائی کی) اور ایک تلوار ان کے دشمن کی (سنن ابوداؤد جلد سوم حدیث نمبر 896)

آج کا مسلمان ان دونوں تلواروں سے ذبح کیا جا رہا ہے۔ افراد کی سطح پر بھی اور اقوام کی سطح پر بھی۔ افراد کی سطح پر ایک تلوار مسلمان دوسرے مسلمان پر چلا رہا ہے۔ آج جو کچھ افغانستان میں ہو رہا ہے وہ اقوام کی سطح کی جیتی جاگتی مثال ہے۔ بے غیرتی اور بے دینی کے بازار میں افراد بھی بکتے ہیں اور اقوام بھی۔ رسول آخر الزماںؐ کے ارشاد کے مطابق مسلمانوں کی گردنوں پر اپنی اور دشمن کی یہ دونوں تلواریں چلتی رہیں گی جب تک ہم اپنا رخ واشنگٹن کی بجائے مدینہ منورہ کی طرف نہیں پھیریں گے۔

سیرت طیبہ ﷺ کی ایک محفل میں ایک ریٹائرڈ خاتون پروفیسر نے مجھ سے یہ

سوال کر ڈالا کہ اس وقت دنیا میں مسلمانوں کی تعداد ایک ارب سے زیادہ ہے (راجہ ظفر الحق صاحب نے اس سے پہلے ایسی ہی ایک تقریب میں میرے سوال کے جواب میں بتایا تھا کہ اس وقت دنیا میں مسلمانوں کی صحیح تعداد ایک ارب تیس کروڑ ہے) اور 54 اسلامی نہیں تو مسلمان ممالک ہیں۔ مشرق وسطیٰ قدرتی ذخائر کے اعتبار سے دنیا کا مثالی علاقہ ہے۔ ہمارے پاس نہ افرادی قوت کی کمی ہے اور نہ وسائل کی۔ پھر مسلمان دنیا میں کیوں ذلیل ہو رہا ہے؟

مجھے ان خاتون کا یہ سوال سن کر ایک حدیث یاد آگئی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہؓ نے تقریباً یہی سوال کیا تھا۔ اس وقت تو اس حدیث کا مفہوم ان خاتون سے بیان کر دیا۔ پھر گھر آکر اس حدیث کے الفاظ کی تلاش ہوئی تو سنن ابوداؤد میں یہ حدیث مجھے ملی۔

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آنے والے زمانوں کے بارے میں کوئی اور پیشگوئی نہ فرماتے تو تنہا یہ حدیث خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی حق وصداقت کی گواہی دینے کے لیے کافی تھی۔ اس کے متن کو پڑھ کر ایک لمحے کے لیے تو یہ سوچ کر میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے کہ جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی امت کی نجات اور سلامتی کے لیے راتوں کو نماز میں کھڑے کھڑے اپنے پاؤں سجا لیتے تھے، انہیں جب ان کی امت کا یہ حال دکھایا یا بتایا گیا ہوگا تو اس سراپا شفقت ورحمت کے دل پر کیا گزری ہوگی۔

یہ حدیث حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”قریب ہے کہ تم پر دنیا کی اقوام چڑھ آئیں گی اور اس طرح (ایک دوسرے کو) دعوت دیں گی جس طرح پیالے (کھانے پر) پر دعوت دی جاتی ہے۔ کسی پوچھنے والے نے پوچھا، یا رسول

اللہ کیا ہم اس زمانے میں بہت کم ہوں گے؟ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے) فرمایا نہیں۔ بلکہ تم اس زمانے میں بہت کثرت سے ہوگے۔ لیکن تم سیلاب کے اوپر چھائے ہوئے کوڑے کباڑ کی طرح ہوگے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کے سینوں سے تمہارا رعب نکال دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ قلوب میں وھن (بزدلی) ڈال دے گا۔ کسی کہنے والے نے پوچھا: یارسول اللہ وھن کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''دنیا کی محبت اور موت سے کراہیت''۔ (سنن ابوداؤد جلد سوم حدیث نمبر 893)

ایک ارب تیس کروڑ مسلمان دنیا کے بہترین حصے کے مالک اور ہر طرح کے وافر وسائل کے باوجود کس طرح کفار کے لیے ایک لذیذ ڈش بن گئے ہیں اور کس طرح اس لقمہ تر کو کھانے کے لیے کفار ایک دوسرے کو دعوت دے رہے ہیں اس کا عبرتناک منظر ہم نے پچھلے برسوں میں پہلے افغانستان میں دیکھا اور پھر عراق میں، اور اب کفر کی دنیا دسترخوان پر بچی ڈش کے اس حصے پر نظر جمائے ہوئے ہے جسے پاکستان کہا جاتا ہے۔ جس طرح سیلاب کے پانی کی سطح پر کروڑوں تنکے کروڑوں اور اربوں کی تعداد میں بہتے چلے آتے ہیں، اتنی تعداد میں ہونے کے باوجود ان کی کوئی طاقت نہیں ہوتی۔ سیلاب کا پانی ان کو جہاں چاہتا ہے پھینک دیتا ہے۔ یہی حالت آج اس امت مسلمہ کی ہے۔ اس مت کی جس کی ہیبت اور رعب سے پہاڑ رائی بن جاتے تھے۔ آج ان کی خفت اور ہلکے پن کا یہ عالم ہے کہ کفر کی دنیا کے منصوبہ ساز جب اس امت کا ذکر کرتے ہیں تو ان کا لہجہ ایسا ہوتا ہے جیسے وہ مکھی اور مچھروں کی بات کررہے ہوں۔ وہ ان کی کسی بات کا وزن محسوس نہیں کرتے۔

یہاں ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ شبہ پیدا ہو کہ جب اللہ تعالیٰ ہی نے کفار کے سینوں سے ان کا رعب نکال دیا اور ان کے دلوں میں بزدلی ڈال دی تو ان

مسلمانوں کا کیا قصور؟ جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو عالم اسباب بنایا ہے۔ یہاں ہر نتیجہ کسی سبب سے جڑا ہوا ہوتا ہے۔ مسلمانوں کی یہ حالت ان کے اعمال کا نتیجہ ہے انہوں نے مغرب کی اندھی تقلید میں قرآن وسنت کی دی ہوئی ہدایت سے منہ پھیر کر جب مغربی فکر و عمل کو اپنایا تو اس عمل کا جو قدرتی نتیجہ نکلنا چاہیے تھا وہ ہمارے سامنے ہے۔ آج بھی اگر ہم دیوار پر لکھی ہوئی تحریر پڑھ کر یوٹرن لے لیں تو واللہ وہی رعب وہیبت وہی عزت وشوکت حاصل ہوسکتی ہے جو کبھی مسلمانوں کی شناخت تھی۔ یہاں شیطان ایک اور وسوسہ ذہن میں ڈال سکتا ہے کہ مسلمانوں کو پہلے جیسی عزت حاصل نہیں ہوسکتی کیونکہ حدیث یہ کہہ رہی ہے کہ وہ سیلاب کے تنکے ہوکر بہیں گے اور ان کا رعب و دبدبہ دلوں سے نکال دیا جائے گا۔ اگر ایسا ہوا تو حدیث کا بیان غلط ثابت ہوجائے گا۔ جی نہیں! حدیث کا بیان تو آپ سچ کر کے دکھا چکے۔ اب اگر مسلمان قرآن وسنت کے وعدوں کے مطابق سچی توبہ کر کے اللہ پر بھروسے کا اظہار کریں اور اللہ کے دشمنوں کو اپنا دشمن اور اس کے دوستوں کو اپنا دوست سمجھیں تو آج بھی اس روئے زمین کی سب سے بڑی طاقت مسلمان بن سکتے ہیں، حدیث کی سچائی تو ہم پہلے ہی پوری کر کے دکھا چکے ہیں۔

بہتے ہوئے اِن تنکوں کو اسلامی غیرت کی چھلنی لگا کر سیلاب سے الگ کر دیں تو یہ تنکے آج بھی جمع ہوکر دنیا کی قیادت سنبھال سکتے ہیں۔

امام مہدی: ایک خوشخبری

مسلمانوں کی مذکورہ حالت بلاشبہ افسوسناک اور پریشان کن ہے۔ لیکن مسلمانوں کی لغت میں مایوسی کے معنی کفر کے ہیں۔ اس لیے ان حالات سے مایوس ہونے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ حالات کے بدلنے میں دیر ہماری طرف سے ہے

اللہ کی طرف سے نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں دو تلواروں کے جمع ہونے اور مسلمانوں کو سیلاب کے کوڑے کی طرح بہنے کی خبر دی ہے وہیں بہت سی خوش خبریاں بھی دی ہیں۔ ان میں سے ایک خوش خبری اس امت کے بارے میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سنیے:

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسی امت ہرگز ہلاک نہیں ہوگی جس کے اول میں، میں ہوں اور آخر میں عیسیٰ علیہ السلام اور بیچ میں مہدی۔'' (علامات قیامت۔ مفتی رفیع عثمانی صف 73 بحوالہ ترمذی والدر المنثور)

امام مہدی اس تلوار کو بھی توڑیں گے جو مسلمان کے خلاف مخالفین کے ہاتھ میں ہے اور سیلاب کے ان تنکوں کو سمیٹ کر انہیں ایک ایسی طاقت بھی بنائیں گے جو سیلابوں کا رخ پھیر دے گی۔

سبحان اللہ۔ یہ اعزاز بھی دنیا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اسی امت کو نصیب ہوا کہ اس کے آغاز میں خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے۔ اور اس کے آخر میں بھی وہ نبی ہے جو اسرائیلی سلسلے کے خاتم الانبیا ہیں یعنی حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اور ان کے درمیان میں آخری امام مہدی جیسا جلیل القدر امام ہو۔ یہاں درمیان سے مراد آخری زمانے سے ملا ہوا زمانہ مراد ہے۔ کیونکہ اس حدیث کے مطابق آخری زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ ہوگا اور امام مہدی نزول مسیح علیہ السلام سے پہلے خلافت کی بنیاد رکھ چکے ہوں گے۔

امام مہدی کے خوشخبری ہونے کے لیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہی کافی ہے کہ ''وہ دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دے گا جیسا کہ وہ پہلے ظلم وجور سے بھری ہوئی ہوگی''۔

ذرا تصور تو کیجیے کہ امام مہدی جس انسانی معاشرے میں آئیں گے وہ یقیناً موجودہ زمانے سے زیادہ اختلافات، نفاق اور بغض وعداوت کا شکار ہوگا اور ان کو صرف ایک ملک یا قوم کی اصلاح کی ذمہ داری نہیں دی جائے گی بلکہ پوری دنیا کے معاشروں کو ایک جھنڈے تلے جمع کرنا ہوگا۔ ان کے پاس یہ عظیم الشان انقلاب برپا کرنے کے لیے صرف سات سال ہوں گے ان سات سالوں میں وہ کفار کی اجتماعی قوتوں سے کئی جہاد کریں گے۔ کفر کے غلبے کو توڑ کر اسلام کی شوکت وعزت کو بحال کریں گے اور یہ انقلاب صرف سیاسی نہیں ہوگا، بلکہ دفاعی، معاشی، اخلاقی اور فکری انقلاب ہوگا۔ مسلمانوں کی معیشت کا یہ حال ہوگا کہ وہ لوگوں میں مال گن کر نہیں بلکہ گودوں میں بھر بھر کر تقسیم کریں گے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ مال ودولت کی اتنی کثرت ہوگی کہ لوگ اپنے صدقات اور زکوۃ دینے کے لیے لوگوں کو تلاش کریں گے اور کوئی لینے والا نہیں ہوگا۔ ان کے زمانے کے لوگوں کی خوش حالی کا یہ عالم ہوگا کہ وہ اپنے مردہ لوگوں کے بارے میں یہ تمنا کریں گے کہ کاش وہ مسلمانوں کی اس عزت اور خوش حالی کا منظر بھی دیکھتے۔

اس عالمی انقلاب کو صرف چند سالوں میں برپا کرنے والی شخصیت کو کن کڑی آزمائشوں سے گزرنا ہوگا۔ آج کے حالات میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

ہندوستان سے جہاد

پچھلے صفحات میں ''غزوۃ الہند'' کے نام سے ایک حدیث کا ذکر بھی آیا تھا۔ امام مہدی کے زمانے کے واقعات اور ان کی جنگوں کے بارے میں یہ تعین کرنا بہت دشوار ہے کہ کونسا واقعہ ان کے زمانے میں واقع ہوگا۔ ہندوستان سے جہاد کا ذکر احادیث کی مختلف کتابوں میں آیا ہے لیکن اب تک جو احادیث اس ضمن میں نظر سے

گزریں ان میں زمانے کا کوئی تعین نہیں تھا۔ اس دوران مختلف کتابوں کے مطالعے کے دوران دو حدیثیں ہندوستان کے بارے میں اور سامنے آئیں۔ ان میں سے ایک حدیث اس قیاس کو تقویت دیتی ہے کہ یہ جہاد امام مہدی ہی کے زمانے میں ہوگا۔ پہلی حدیث نسائی میں کتاب الجہاد میں آئی ہے۔ یہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

''میری امت میں سے دو جماعتیں ایسی ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے (جہنم) کی آگ سے محفوظ کر دیا ہے۔ ایک وہ جماعت جو ہندوستان سے جہاد کریگی۔ اور ایک وہ جماعت جو عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے ساتھ ہوگی۔ (نسائی کتاب الجہاد۔ علامات قیامت بحوالہ نسائی۔ مسند احمد۔ وکنز العمال از مفتی محمد رفیع عثمانی)

اس روایت میں زمانے کا کوئی تعین نہیں کیا گیا ہے۔ غزوۃ الہند کی حدیث کے ذیل میں یہ بیان آچکا ہے کہ ہندوستان پر پہلی صدی ہجری سے جہادوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ محمد ابن قاسم رحمتہ اللہ علیہ کی ہندوستان کی فتوحات ان میں سب سے پہلا جہاد تھا۔ پھر بعد میں محمود غزنوی وغیرہ کے جہاد بھی اس حدیث کا مصداق ہو سکتے ہیں کیونکہ حدیث کے الفاظ عام ہیں کسی خاص جہاد کی کوئی قید نہیں ہے۔ لیکن میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی عربی تالیف التصریح میں ایک حدیث کنز العمال کے حوالے سے نقل کی ہے جس میں یہ وضاحت ہے کہ ہندوستان سے یہ جہاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے پہلے ہوگا۔ برادر عزیز مفتی محمد رفیع عثمانی نے اس عربی تالیف کا ترجمہ بھی کیا ہے۔ اور علامات قیامت سے متعلق مفید معلومات اور احادیث کا اضافہ کر کے اس کو ''علامات قیامت'' کے نام

سے اردو میں شائع کردیا ہے۔ ذیل کی یہ حدیث اسی اردو ترجمے سے نقل کررہا ہوں۔

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہندوستان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہارا (یعنی مسلمانوں کا) ایک لشکر ہندوستان سے جہاد کرے گا۔ جس کو اللہ فتح نصیب فرمائے گا۔ حتیٰ کہ یہ لشکر اہل ہند کے بادشاہوں کو طوق و سلاسل میں جکڑ لے گا۔ اللہ اس لشکر کے گناہوں کو معاف فرمادے گا پھر جب یہ لوگ واپس لوٹیں گے تو (ملک) شام میں ابن مریم علیہ السلام کو پائیں گے''۔ (علامات قیامت صفحہ 88)

اس حدیث کا آخری جملہ ہندوستان کے اس جہاد کے زمانے کی طرف اشارہ کررہا ہے۔ اگرچہ یہ احتمال بھی ہے کہ ہندوستان کے جہاد، اور شام میں مسلمانوں کی حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات کے درمیان صدیوں کا فاصلہ ہو۔ اس صورت میں اس جملے کا منشا یہ ہوگا کہ ہندوستان پر جہاد کرنے والوں کی نسل کے مسلمان نزول مسیح علیہ السلام کے وقت شام میں جاکر ان کا ساتھ دیں گے۔ مگر دونوں حدیثوں کے مضمون پر غور کرنے سے یہ احتمال بعید معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ نسائی شریف کی حدیث میں دو لشکروں کو جہنم کی آگ سے خوشخبری سنائی گئی ہے۔ ایک ہندوستان سے جہاد کرنے والوں کو دوسرے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ساتھ دینے والوں کو۔ یعنی یہ دو الگ الگ جماعتیں ہوں گی۔ اس صورت میں ہندوستان سے اس جہاد کا زمانہ مستقبل ہی میں معلوم ہوتا ہے۔

ہندوستان پر اس جہاد کے مستقبل میں ہونے کے احتمال کو حضرت شاہ نعمت اللہ ولی کی اس پیشگوئی سے تقویت ملتی ہے۔ جس میں انہوں نے ہندوستان کے خلاف ایک بڑے جہاد کی پیشگوئی اور مسلمانوں کی فتح کا ذکر کیا ہے۔

شاہ نعمت اللہ ولی نے ایک پیشگوئی میں فرمایا ہے کہ ہندوستان میں اچانک

ایک شور برپا ہوگا۔ اور محرم کے مہینے میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے ہاتھ میں تلوار دیں گے۔ پھر ایک شخص حبیب اللہ، اللہ کی طرف سے صاحب قرآن ہوگا۔ وہ اللہ کی تائید ونصرت کے ساتھ اپنی تلوار میان سے نکالے گا۔ اس شخص کی جو صفات بیان کی گئی ہیں وہ سب امام مہدی پر صادق آتی ہیں۔ اس لئے حبیب اللہ نام کو لغوی معنوں میں بھی لیا جاسکتا ہے اور کسی شخصیت کے لیے بھی جو آئندہ کبھی ظاہر ہو۔ واللہ اعلم۔

مال ودولت کی فراوانی

احادیث کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مہدی کا زمانہ انسانی تاریخ کا ایک اچھوتا زمانہ ہوگا۔ جس میں ایک طرف بڑی جنگیں پیش آئیں گی اور مسلمانوں پر سخت آزمائش کا کچھ عرصہ گزرے گا دوسری طرف امام مہدی کی عظیم قیادت میں مسلمان ایک سپر پاور (بڑی طاقت) کی حیثیت قائم کریں گے۔ عدل وانصاف کی حکومت ہوگی اور معاشی اعتبار سے بھی ان کا زمانہ ایک مثالی زمانہ ہوگا۔ امام مہدی کی برکات کا ظہور ہوگا۔

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت نہیں آئے گی جب تک مال ودولت اتنی زیادہ نہ ہوجائے گی کہ چاروں طرف پانی کی طرح بہتی پھرے گی۔ یہاں تک کہ لوگ اپنے مال کی زکوٰۃ نکالیں گے اور کوئی اس کو قبول نہ کرے گا اور قیامت اس وقت تک نہ آئے گی جب تک کہ عرب کی سرزمین سرسبز اور نہروں والی نہ بن جائے۔'' (مسلم)

دریائے فرات کا سونے کا خزانہ

عراق کے دریائے فرات کے بارے میں مختلف کتب حدیث میں روایات آئی ہیں کہ قیامت سے پہلے دریائے فرات سے سونے کا ایک پہاڑ نکلے گا۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بھی امام مہدی کے زمانے میں ہوگا۔ اس کے بارے میں صحیح مسلم میں کئی روایات آئی ہیں۔ ان میں سے بعض روایتیں ذیل میں دی جارہی ہیں۔

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ دریائے فرات سے سونے کا پہاڑ نکل آئے۔ جس پر لوگوں کے درمیان قتل وقتال ہوگا۔ اور ہر سو میں سے ننانوے قتل کیے جائیں گے اور ان میں سے ہر آدمی کہے گا کہ شاید میں ہی وہ شخص ہوں جسے نجات حاصل ہوگی (یعنی خزانے پر قبضہ کرلوں گا)''۔ (صحیح مسلم جلد سوم حدیث 7272)

ایک اور حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے یہ الفاظ روایت کیے گئے ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب دریائے فرات سے سونے کا ایک پہاڑ نکلے گا، بس جو بھی اس وقت موجود ہو اس میں سے کچھ نہ لے''۔ (صحیح مسلم حدیث نمبر 7275)

اس واقعے کی کچھ تفصیل صحیح مسلم کی مندرجہ ذیل روایت سے معلوم ہوتی ہے جو حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن حارث نوفل رحمتہ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھڑا ہوا تھا تو انہوں نے کہا کہ دنیا کی طلب میں لوگوں کی گردنیں ہمیشہ اختلاف کرتی رہیں گی۔ میں

نے کہا جی ہاں! انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عنقریب دریائے فرات سے سونے کا ایک پہاڑ برآمد ہوگا۔ جب لوگ اس کے بارے میں سنیں گے تو اس کی طرف روانہ ہوں گے۔ پس جو لوگ اس کے پاس ہوں گے وہ کہیں گے کہ اگر ہم نے لوگوں کو چھوڑ دیا تو وہ سارے کا سارا سونا لے جائیں گے۔ پھر وہ اس پر قتل وقتال کریں گے۔ پس ہر سو میں سے ننانوے قتل کیے جائیں گے۔" ابوکامل رحمتہ اللہ علیہ نے اس حدیث کے بارے میں کہا کہ میں اور ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ حسان کے قلعے کے سائے میں کھڑے تھے۔ (صحیح مسلم حدیث 7276)

جب زمین اپنے خزانے اُگل دے گی

امام مہدی کا زمانہ اس اعتبار سے حیرت انگیز ہوگا کہ مادیت کے جادو میں مبتلا آج کی انسانیت ان کے زمانے میں اتنی حقیقت آشنا ہو جائے گی کہ مال و دولت کی اہمیت ہی دلوں سے نکل جائے گی۔ اور لوگوں کی ترجیحات میں بہت واضح فرق پیدا ہو جائے گا۔

ایک حدیث کے یہ الفاظ نقل کر چکا ہوں کہ" آسمان بارش کے قطروں میں سے کچھ باقی نہ رکھے گا، نہایت کثرت سے بارش ہوگی، اور زمین اپنی روئیدگی میں سے کچھ باقی نہ رکھے گی یعنی سب اگا دے گی"۔ صحیح مسلم میں ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے کے لوگوں پر مال و دولت کی بے حقیقتی کیسی واضح ہو جائے گی۔

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمین اپنے جگر کے ٹکڑوں کو نکال کر باہر پھینک دے گی۔ جو سونے اور چاندی کے ستونوں کی مانند ہوں گے۔ ایک شخص جس

نے اس مال کے لیے لوگوں کا قتل کیا ہوگا آئے گا اور کہے گا: کیا اسی مال کے لیے میں نے لوگوں کا قتل کیا ہے، پھر وہ شخص آئے گا جس نے قرابت داروں سے تعلق منقطع کیا ہوگا اور کہے گا کیا اسی مال کے لیے میں نے قطع رحمی کی؟ پھر چور آئے گا اور کہے گا کہ اسی مال کے لیے میرا ہاتھ کاٹا گیا ہے؟ ان میں سے کوئی شخص اس مال میں سے کچھ نہ لے گا۔ اور اس کو یونہی پڑا رہنے دے گا''۔ (مشکوۃ حدیث 5208)

اس کی وجہ ایک طرف تو مال و دولت کی فراوانی، خوش حالی ہوگی دوسری طرف ایمان و یقین کی مضبوطی و روحانی قوت اور دنیا کے تجربات سے لوگوں پر مال و دولت کی حقیقت پوری طرح کھل جائے گی اور مال و دولت کے حصول کی دوڑ کی بجائے آخرت کی فکر دلوں پر غالب ہو جائے گی۔

امام مہدی کا آخری دور

پچھلے مضمون میں یہ ذکر آچکا ہے کہ حدیث کے مطابق مصر، شام اور عراق مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جائیں گے۔ امام مہدی اپنی خلافت قائم کرنے کے بعد سب سے پہلے ان ممالک کو فتح کر کے وہاں اسلامی حکومت قائم فرمائیں گے اور جیسا کہ پہلے احادیث نقل کی گئیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصر و شام کی فتح کے لیے امام مہدی کو ایک بہت بڑی جنگ کا سامنا ہوگا، اس جنگ میں مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد شہید ہوگی۔

یہ بات بھی پہلے ذکر ہو چکی ہے کہ امام مہدی کے ظہور کے بعد قیامت کی علامات کے درمیان زیادہ فاصلہ نہیں ہوگا بلکہ مختلف واقعات بہت جلدی جلدی ظاہر

ہوں گے۔ چنانچہ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بیان موجود ہے۔

''حضرت عبداللہ بن بشر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ''جنگ عظیم (ملحمہ) اور فتح قسطنطنیہ کے درمیان چھ برس کا فاصلہ ہوگا اور ساتویں برس دجال نکلے گا۔ (مشکوۃ حدیث نمبر 5190 بحوالہ ابوداؤد)

بلکہ ترمذی کی ایک حدیث کے مطابق تو جنگ عظیم قسطنطنیہ کی فتح اور دجال کے خروج میں صرف سات مہینوں کا وقفہ ہوگا۔ لیکن ابوداؤد نے پہلی حدیث کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ زیادہ صحیح ہے۔ یہ بات تو متعدد احادیث سے ثابت ہوتی ہے کہ قسطنطنیہ کی فتح کے بعد خروج دجال کی افواہ پھیل جائے گی اور لوگ اس خبر سے پریشان ہوں گے تو امام مہدی اس خبر کی تصدیق کے لیے دس افراد کو روانہ فرمائیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ اس وقت کے بہترین شہسوار ہوں گے اور ایک روایت پہلے نقل کی جاچکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا تھا کہ رسول اللہ کو ان کے گھوڑوں کے رنگوں، ان کے ناموں اور ان کے باپوں تک کے نام معلوم ہیں۔

ان تمام روایات کی روشنی میں اندازہ ہوتا ہے کہ دجال کے خروج سے پہلے استنبول کی فتح کے لیے جہاد ہوگا اور اس جہاد کے اور دجال کے خروج کے درمیان کوئی اور جنگ نہیں ہوگی۔ مطالعے کے دوران صحیح مسلم کے حوالے سے ایک حدیث نظر سے گزری۔ اس کو پڑھ کر ایمان تازہ ہوا۔ پہلے حدیث کا ترجمہ سن لیجیے پھر اس پر کچھ گفتگو کریں گے۔ اس حدیث کا ترجمہ مشکوۃ ہی سے پیش کر رہا ہوں۔

کشت وخوں کے بغیر ایک شہر کی فتح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے کسی ایسے شہر کا ذکر سنا ہے جس کے ایک طرف جنگل ہے اور دوسری طرف دریا؟ صحابہ نے عرض کیا ہاں! یا رسول اللہ سنا ہے۔ فرمایا قیامت آنے سے پہلے حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے 70 ہزار آدمی اس شہر کے لوگوں سے جنگ کریں گے۔ جب حضرت اسحاق علیہ السلام کی نسل کے لوگ اس شہر کے پاس آئیں گے تو اس شہر کے اطراف میں قیام کریں گے۔ وہ ہتھیاروں سے جنگ نہیں کریں گے اور نہ شہر والوں پر تیر چلائیں گے۔ وہ صرف لا الہ الا اللہ واللہ اکبر کہیں گے اور شہر کی ایک طرف کی دیوار گر پڑے گی (یعنی شہر کی فصیل)۔ راوی کہتے ہیں کہ میرا یہ خیال ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ بتلایا تھا کہ دریا کی جانب والی دیوار پر دوبارہ لا الہ الا اللہ واللہ اکبر کہیں گے تو دوسرے طرف کی دیوار بھی گر جائے گی (جو جنگل کی طرف ہوگی) پھر وہ تیسری مرتبہ لا الہ الا اللہ واللہ اکبر کہیں گے اور شہر کا راستہ کھل جائے گا اور وہ شہر میں داخل ہو جائیں گے اور شہر میں جو کچھ ہوگا اس کو غنیمت میں لے لیں گے۔ پھر جب وہ یہ مال تقسیم کرتے ہوں گے تو ایک چیخنے والا چیخے گا کہ دجال نکل آیا ہے۔ پس وہ ہر چیز کو چھوڑ دیں گے اور لوٹ جائیں گے (یعنی دجال کی طرف متوجہ ہو جائیں گے)۔

(مشکوٰۃ حدیث نمبر 5187 بحوالہ مسلم شریف)

دوسری حدیث میں ہے کہ یہ چیخنے والا شیطان ہوگا۔ ممکن ہے بہت سے لوگوں کو یہ شبہ ہو کہ صرف کلمہ توحید اور تکبیر کے کہنے سے شہر کی فصیل جیسی مضبوط دیوار کا

گر جانا عقل میں نہیں آتا۔ جن کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر کامل یقین ہے ان کے ذہنوں میں تو یہ سوال شک بن کر نہیں آئے گا بلکہ تعجب بن کر آئے گا۔ چونکہ اس قسم کا واقعہ عادتاً نہیں ہوتا اس لیے یہ بات خلاف عادت تو ضرور ہے اور قابل تعجب بھی۔ لیکن شک کی گنجائش کسی صاحب عقل کے لیے اس وجہ سے نہیں ہے کہ کسی چیز کا عقل میں نہ آنا اس چیز کے خلاف عقل ہونے کی دلیل نہیں ہوتی۔ اسلام کی کوئی ایک تعلیم بھی خلاف عقل نہیں ہے۔ اس کی ایک واضح دلیل تو ہر مسلمان کے اپنے اندر موجود ہے۔ وہ ایک ایسی ذات پر ایمان رکھتا ہے جو تمام اشیائے کائنات کو محیط ہے۔ آنکھوں کے بغیر دیکھتا، کانوں کے بغیر سنتا اور ہاتھوں اور پاؤں کے بغیر سارے کام کرتا ہے۔ یہ بات خلاف عادت ہے۔ خلاف عقل نہیں ہے۔

ایک چیز خواہ کتنی ہی تعجب خیز ہو، جب کثرت سے واقع ہونے لگے تو لوگ اس چیز کو بطور عادت قبول کر لیتے ہیں اور اس پر کوئی تعجب نہیں ہوتا۔ ایک بیج کو زمین پر ڈال کر پانی چھڑکیے، وہ ایک دو دن میں گل سڑ کر بدبو دینے لگے گا اور فنا ہو جائے گا۔ اسی بیج کو دو انچ زمین کے اندر دبا دیجیے اور پانی چھڑکیے تو وہی بیج زمین پھاڑ کر کونپل، پھر پودا اور پھر تناور درخت بن جاتا ہے۔ اس پر کوئی تعجب نہیں کرتا کیونکہ ہم اس واقعے کے عادی ہو گئے ہیں۔ فرشتوں جیسی جسیم اور طاقتور مخلوق کی غذا کیا ہے؟ اللہ کا ذکر، وہ نہ گوشت کھاتے ہیں، نہ سبزیاں۔ اگر انشاء اللہ کہنے سے یاجوج ماجوج کی وہ دیوار گر سکتی ہے جس نے صدیوں سے ان کی تباہ کاریوں سے انسان کو آج تک محفوظ رکھا ہوا ہے تو کلمہ توحید اور کلمہ تکبیر کہنے سے ایک شہر کی فصیل اگر گر جائے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟

اس حدیث میں اس شہر کا نام نہیں لیا گیا۔ پہلے استنبول کی فتح کے بارے میں کئی احادیث نقل کی گئی ہیں ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ استنبول ہی کا ذکر ہے، لیکن بعض

حضرات کا قیاس ہے کہ ویٹی کن سٹی (Vatican City) کی خصوصیت بھی یہ ہے کہ اس کے ایک طرف جنگل اور دوسری طرف دریا ہے۔ تو اس سے مراد ویٹیکن سٹی بھی ہو سکتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو پھر اس کے شہر کی فصیلوں کا کلمہ توحید و تکبیر کے ذریعے گرایا جانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے شاید دنیا کو یہ دکھانے کے لیے ہو کہ جس شہر سے کلمہ شرک کی تبلیغ کی جاتی ہے، اس کو فتح کرنے کے لیے جنگ کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ کلمہ توحید ہی اس کو فتح کرنے کے لیے کافی ہے۔ (واللہ اعلم)

حارث حراث اور منصور

ابوداؤد کی ایک روایت میں ایک لشکر کی خبر دی گئی ہے جس کے کمانڈر کا نام حارث حراث ہوگا اور سپہ سالار کا نام منصور ہوگا اور غالب گمان یہ ہے کہ یہ لشکر امام مہدی ہی کے زمانے میں ہوگا۔ حدیث میں اس لشکر کی تعریف کی گئی ہے۔ حدیث کا ترجمہ یہ ہے:

"حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک شخص ان شہروں میں جو نہر کے پیچھے واقع ہیں (ماوراالنہر) ظاہر ہوگا اس کا نام حارث حراث ہوگا۔ اس کی فوج کے اگلے حصے پر ایک شخص ہوگا جس کا نام منصور ہوگا۔ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کو ٹھکانہ دے گا۔ یا مضبوط کرے گا۔ جس طرح قریش (کے ان لوگوں) نے (جو ایمان لے آئے تھے) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھکانہ دیا تھا (حمایت کی تھی) ہر مسلمان پر اس شخص کی مدد واجب ہے"

(مشکوۃ حدیث نمبر 5222)

خروج دجال سے ذرا پہلے

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنوں کا ذکر کیا اور کثرت سے ذکر کیا۔ یہاں تک کہ احلاس کے فتنے کا بیان کیا۔ ایک شخص نے پوچھا احلاس کا فتنہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ ''ھرب'' و ''حرب'' ہے۔ (عربی میں ھرب کے معنی بھگانے کے آتے ہیں لیکن یہ لفظ اسمگلنگ کے لیے استعمال ہوتا ہے اور حرب کی معنی لوٹ مار کے بھی ہیں اور نیزہ مارنے کو بھی کہتے ہیں) اور پھر سرا کا فتنہ ہوگا۔''

(یعنی خوشحالی، آسودگی اور خوشی و مسرت کا فتنہ۔ اللہ تعالٰی افراد اور قوموں کو دو طریقوں سے آزماتے ہیں، مصائب اور تکالیف کے ذریعے اور کبھی مال و دولت خوشحالی کی فراوانی کر کے۔ ان دونوں قسم کے فتنوں کا ذکر سورہ اعراف میں موجود ہے۔)

''اس فتنے کی تاریکی ایک شخص کے قدموں کے نیچے سے نکلے گی۔ جو میرے اہل بیت میں سے ہوگا۔ وہ گمان کرے گا کہ وہ میرے خاندان (میرے طریقے) پر ہے۔ لیکن حقیقت میں مجھ سے نہ ہوگا۔ اس وقت میرے دوست پرہیز گار لوگ ہوں گے۔ پھر لوگ ایک شخص کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ وہ ایسا ہوگا جیسے حسی کے کولہے پسلی کے اوپر ہوں۔ اس کے بعد دھیماء کا فتنہ ہوگا۔ (القاموس الوحید میں، دھیماء د کے پیش کے ساتھ ہے جس کے معنی بھیانک مصیبت کے ہیں) یہ فتنہ میری امت میں سے کسی کو نہ چھوڑے گا اور ہر شخص پر ایک طمانچہ لگائے گا۔ پھر جب کہا جائے

گا کہ فتنہ ختم ہو گیا تو اس کی مدت کچھ اور بڑھ جائے گی۔ آدمی صبح کو مومن اٹھے گا اور شام کو کافر ہو جائے گا۔ یہاں تک آدمی دو خیموں (غالباً دو حصے مراد ہیں) میں تقسیم ہو جائیں گے۔ ایک خیمہ ایمان کا ہو گا اس میں نفاق نہیں ہو گا۔ ایک خیمہ نفاق کا ہو گا۔ اس میں ایمان نہیں ہو گا۔ جب یہ صورت واقع ہو جائے، تو تم دجال کا انتظار کرو۔ اسی دن یا اس سے اگلے دن"۔ (مشکوۃ حدیث نمبر 5168 بحوالہ ابوداؤد)

اس حدیث میں بہت سے فتنوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ جن میں سے اکثر پورے ہو چکے اور جاری ہیں۔ آخر میں ایمان اور نفاق کے دو خیموں کا ذکر ہے۔ یہ بظاہر اس وقت کا ذکر ہے جب مسلمان امام مہدی کی قیادت میں تمام فتوحات سے فارغ ہو کر شام میں جمع ہو جائیں گے۔ ایک طرف خالص مسلمان ہوں گے اور دوسری طرف کفار و مشرکین اور منافقین ہوں گے۔ حدیث میں اس واقعے والے دن یا اس سے اگلے دن دجال کے ظاہر ہونے کی پیشگوئی کی گئی ہے۔

لیکن اب تک جو احادیث بیان کی گئی ہیں وہ ایک ایسے دور کا نقشہ پیش کرتی ہیں جس کا پہلا حصہ کڑی آزمائشوں اور حق و باطل کی جنگوں کا زمانہ ہو گا۔ اس کے بعد دنیا پر مسلمانوں کی حکمرانی ہو گی۔ یہ عدل وانصاف اور خوشحالی کا مثالی زمانہ ہو گا اور یوں لگتا ہے کہ آخر میں مسلمانوں کا مرکز شام میں ہو گا۔ وہیں مسلمان دجال سے جنگ کی تیاری کر رہے ہوں گے کہ اس دوران آسمان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے۔

پانچواں باب

قیامت کی دس بڑی علامتیں

☆ قیامت کی دس اہم علامات

☆ دجال کے جال اور دھوکے

☆ سورہ کہف کی دس آیات

☆ مردے کو زندہ کرنا

☆ اپنے حکم سے بارش برسانا

☆ دجال سب سے بڑا فتنہ ہوگا

☆ کیا ابن صیاد ہی دجال ہے؟

☆ دجال کن حالات میں ظاہر ہوگا

☆ مدینہ منورہ کا مردِ مومن

☆ دجال کے آخری حالات

ایک اہم حدیث

قیامت کی چھوٹی علامتوں پر تفصیل پہلے آچکی ہے۔ علاماتِ کبریٰ یعنی بڑی علامتیں آگے بیان ہوں گی۔ یہ علامتیں قیامت کے بہت قریب واقع ہوں گی۔

یہ حدیث ان علامات کے بارے میں بہت مشہور ہے:

''حضرت حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، ہم باہم گفتگو کررہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم کس بات کا تذکرہ کررہے ہو۔ لوگوں نے کہا کہ ہم قیامت کا ذکر کررہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ہرگز قائم نہ ہوگی۔ یہاں تک کہ تم اس سے پہلے 10 علامتیں دیکھ لوگے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ 10 علامتیں بیان فرمائیں۔ 1- دخان (دھواں)، 2- دجال، 3- دابۃ الارض، 4- آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا، 5- عیسیٰ ابن مریم کا نزول، 6- یاجوج ماجوج، 7- مشرق میں زمین میں دھنس جانے کا واقعہ، 8- مغرب میں دھنسنے کا واقعہ، 9- جزیرۃ العرب میں دھنسنے کا واقعہ، 10- یمن سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو ان کے محشر (جمع ہونے کی جگہ) کی طرف ہانک لے جائیگی۔'' (صحیح مسلم، حدیث 7285)

قیامت کی دس اہم علامات

مفتی محمد رفیع عثمانی کی علاماتِ قیامت کے حاشیے میں اس حدیث کی تفصیل دی گئی ہے جو درج ذیل ہے:

1- دخان (دھواں): حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں مستند روایات سے

ثابت کیا ہے کہ یہ دھواں قرب قیامت میں ظاہر ہوگا اور فرمایا کہ قرآن کریم میں سورہ دخان کی دسویں آیت میں اسی دھویں کی خبر دی گئی ہے۔

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ (١٠)

ترجمہ: ''آپ کفار کے لیے اس روز کا انتظار کیجیے کہ آسمان سے ایک صاف نظر آنے والا دھواں آجائے جوان پر چھا جائے گا۔ یہ ایک دردناک عذاب ہوگا۔ (قرآن 44:10)

تفسیر ابن جریرؒ میں ہے، حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھا گیا ہے کہ جب یہ دھواں نکلے گا تو مومن کو صرف زکام سا محسوس ہوگا لیکن منافقین اور کفار کے کانوں میں گھس جائے گا۔ جس سے ان کے سر ایسے سخت گرم ہو جائیں گے جیسے انہیں آگ پر بھون دیا گیا ہو۔ دخان کی یہ تفسیر دوسرے متعدد صحابہ سے بھی منقول ہے۔

2- دجال کا ظہور: اس عظیم فتنے کی تفصیلات کا سلسلہ جاری ہے۔ اس کی مزید تفصیلات آگے بیان ہوں گی۔

3- دابتہ الارض: یہ ایک عجیب وغریب جانور ہوگا جو قیامت سے کچھ پہلے نکلے گا اور لوگوں سے باتیں کرے گا۔ اس کا ذکر بھی قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ سورہ نمل کی آیت 82 میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے:

وَ اِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِاٰيٰتِنَآ لَا يُوْقِنُوْنَ (٨٢)

(ترجمہ) ''جب قیامت کا وعدہ ان پر پورا ہونے کو ہوگا تو ہم ان کے لیے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے باتیں کرے گا'' (قرآن کریم 22:82)

علامہ قرطبیؒ نے ایک روایت کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ یہ واقعہ حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور وفات کے بعد اس وقت پیش آئے گا جب دوبارہ دنیا میں اللہ کی نافرمانی اور کفر پھیلنے لگے گا اور دین کے اکثر حصے پر عمل ترک کر دیا جائے گا۔اس وقت یہ جانور نکلے گا جو کافر اور مومن کو ممتاز کر دے گا۔ راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ بعض دوسری روایات میں یہ وضاحت ہے کہ وہ انسانوں سے باتیں کرنے کے علاوہ ہر شخص پر ایک نشان لگائے گا جس سے کافر اور مومن الگ الگ نظر آئیں گے۔اس کا ذکر بائبل میں بھی آیا ہے اور یہ نشان عیسائیوں اور یہودیوں میں Mark of the Beast کے نام سے معروف و مشہور ہے۔

4- آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا: چوتھی علامت آفتاب کا اچانک مغرب سے طلوع ہونا ہے۔بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے ایک طویل رات ہوگی اور پھر اچانک سورج مشرق کی بجائے مغرب سے نکلے گا۔اس علامت کو دیکھ کر کسی کافر یا مسلمان فاسق کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔اس بات کا ذکر بھی قرآن کریم کی سورہ انعام کی آیت 158 میں بیان کیا گیا ہے۔

يَوْمَ يَأْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ط (۱۵۸)

ترجمہ: ”جس روز آپ کے رب کی ایک بڑی نشانی آ پہنچے گی۔اس روز کسی ایسے شخص کا ایمان کام نہ آئے گا جو پہلے سے ایمان نہ رکھتا ہو۔یا ایمان تو رکھتا ہو لیکن اس نے اپنے ایمان کی حالت میں کوئی نیک عمل نہ کیا ہو۔(اب اگر وہ توبہ کرے گا تو یہ توبہ قبول نہیں ہوگی)“

چنانچہ صحیح بخاری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ جب لوگ سورج کو مغرب سے طلوع ہوتا دیکھیں گے تو سب کے سب ایمان لے آئیں گے۔(جو قبول نہ ہوگا) اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت تلاوت

فرمائی۔ اس بارے میں علما کے دو قول ہیں کہ جانور کے نکلنے کا واقعہ پہلے ہوگا یا سورج کے مغرب سے نکلنے کا۔ دونوں کا حاصل یہی ہے کہ پھر توبہ قبول نہیں ہوگی۔

5- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول: اسکی کچھ جزوی تفصیلات کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔ مزید تفصیلات دجال کے بیان کے بعد انشاء اللہ بیان کی جائیں گے۔

6- یاجوج ماجوج: یہ ایک وحشی قوم ہے۔ جو پہاڑوں کے پیچھے آباد تھی اور پہاڑوں کے ایک دّرے سے نکل کر لوٹ مار کرتی تھی۔ لوگوں نے حضرت ذوالقرنین سے اس کی شکایت کی تو انہوں نے اس درے کو پگھلے ہوئے تانبے وغیرہ سے بند کردیا تھا۔ یہ واقعہ بھی قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے اور اس کی تفصیلات حدیثوں میں آئی ہیں۔ جن کا ذکر آگے آئے گا۔ قرآن کریم کی سورہ انبیاء کی آیت 96 میں قیامت سے پہلے ان کے کھلنے کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے۔

حَتّٰىٓ اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ(۹۶)

(ترجمہ) ”حتیٰ کہ جب یاجوج ماجوج کو کھول دیا جائے گا اور وہ ہر بلندی سے تیز رفتاری کے ساتھ اتریں گے اور سچا وعدہ نزدیک آپہنچا ہوگا“ (انبیاء آیت 96)

7 تا 9۔ زمین میں دھنسنے کے واقعات: تین واقعات پیش آئیں گے۔ ایک مشرق میں، ایک مغرب میں اور ایک جزیرہ عرب میں۔ عرب میں ایک لشکر کے زمین میں دھنسنے کے متعلق پہلے ایک حدیث پیش کی جاچکی ہے۔ جو مدینہ منورہ پر چڑھائی کے لیے آئے گا اور مدینہ منورہ سے کچھ فاصلے پر ایک پہاڑی پر ٹھہرے گا اور اچانک زمین شق ہوگی اور پورا لشکر دھنس جائے گا یہ واقعہ دجال کے زمانے میں ہوگا۔ دوسرے دو واقعات کے بارے میں یہ واضح نہیں ہے کہ یہ واقعات کس زمانے میں پیش آئیں گے۔

10- یمن کی آگ: آخری علامت اس حدیث میں وہ آگ ہے جو یمن

سے نکلے گی اور مسلمان اس آگ سے بھاگ کر محشر (یعنی جمع ہونے کی جگہ، مستند احادیث کے مطابق محشر سے مراد ملک شام ہے) جہاں تمام مومنین پناہ لیں گے۔ یہ واقعہ روایات کے مطابق امام مہدی کے زمانے میں پیش آئے گا۔ اس کی بھی تفصیل انشاء اللہ آئندہ بیان کی جائے گی۔

یہ 10 علامتیں قیامت کی وہ علامتیں ہیں جن کو علماء نے علامات کبریٰ فرمایا ہے۔ یہ بھی پہلے وضاحت کی جاچکی ہے کہ جب یہ بڑی علامتیں ظاہر ہوں گی تو ان کے درمیان زمانی فاصلہ بہت کم ہوگا۔

یہاں صحیح مسلم کی ایک اور روایت حسب موقع ہے جو حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

”قیامت کی پہلی علامات میں سے یہ دو نشانیاں ہیں۔ آفتاب کا مغرب کی طرف سے نکلنا اور دابۃ الارض کا لوگوں کی طرف خروج کرنا اور کلام کرنا، چاشت کے وقت ان دونوں میں سے جس کا وقوع پہلے ہو۔ اس کے بعد ہی فوراً دوسری (علامت) وقوع میں آئے گی (مشکوۃ حدیث نمبر 5231)

یہاں ان دو علامتوں کو پہلی دو علامتیں کہہ کر بیان فرمایا ہے۔ اس سے مراد بظاہر یہ ہے کہ قیامت کے زلزلے سے پہلے یہ دو علامتیں ظاہر ہوں گی۔ اس حدیث میں ان علامتوں کا وقت (ضحیٰ) بیان کیا گیا ہے۔ یہ وہ وقت ہے جو چاشت کی نماز کا ہوتا ہے۔ یعنی سورج کے افق پر بلند ہو جانے کے بعد۔

دجال کے جال اور دھوکے

''حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے خطبہ دیا جس کا اکثر حصہ دجال کی حدیث پر مشتمل تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس سے خبردار کیا۔'' یہ حدیث کافی طویل ہے اور دجال کے فتنوں پر مشتمل ہے۔ اس لیے اس حدیث کی خاص باتیں ذیل میں درج کر رہا ہوں۔ جو تفصیلات پہلے بیان ہو چکی ہیں ان کو مختصر یا حذف کرتا ہوں۔

''ہر نبی جو مبعوث کیا گیا ہے اس نے اپنی امت کو دجال سے ڈرایا ہے اور میں آخری نبی ہوں اور تم بہترین امت۔ وہ لامحالہ تمہارے ہی اندر نکلے گا۔ اگر وہ میری موجودگی میں نکلا تو ہر مسلمان کی طرف سے اس کا مقابلہ کرنے والا میں ہوں اور اگر میرے بعد نکلا تو ہر مسلمان اپنا دفاع خود کرے گا اور اللہ ہر مسلمان کا خود نگہبان ہوگا۔ وہ شام اور عراق کے درمیان ایک راستے پر نمودار ہوگا۔ پس وہ دائیں بائیں ہر طرف فساد پھیلائے گا۔ پس اللہ کے بندو! تم اس وقت ثابت قدم رہنا۔ میں تمہارے سامنے اس کی وہ علامتیں بیان کیے دیتا ہوں جو مجھ سے پہلے کسی نبی نے بیان نہیں کی ہیں۔

وہ سب سے پہلے تو یہ دعویٰ کرے گا کہ میں نبی ہوں۔ حالانکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ پھر وہ یہ دعویٰ کرے گا کہ میں تمہارا رب ہوں۔ حالانکہ تم اپنے رب کو مرنے سے پہلے نہیں دیکھ سکتے (یعنی اس کے رب ہونے کے دعوے کی تکذیب کے لیے یہی بات کافی ہوگی کہ تم اس کو دیکھ رہے ہوگے دوسری بات یہ کہ) وہ کانا ہوگا اور تمہارا رب کانا نہیں۔ اس کی دونوں

آنکھوں کے درمیان ''کافر'' لکھا ہوگا۔ جو ہر مومن پڑھ لے گا۔''

سورہ کہف کی دس آیات

''اس کا ایک فتنہ یہ ہوگا کہ اس کے ساتھ ایک جنت اور ایک آگ ہوگی۔ پس جو شخص اس کی آگ میں مبتلا ہو۔ اس کو چاہئے کہ وہ اللہ سے فریاد کرے اور سورہ کہف کی ابتدائی آیات پڑھے۔ ایسا کرنے سے وہ آگ اس کے لیے اسی طرح ٹھنڈی اور بے ضرر ہو جائے گی جس طرح ابراہیم (علیہ السلام) پر ہو گئی تھی۔''

مختلف احادیث میں سورہ کہف کی ابتدائی دس آیات کا ذکر ہے۔ چنانچہ علامات قیامت کے حاشیے میں مسند احمد کے حوالے سے لکھا ہے کہ جو شخص سورہ کہف کی ابتدائی 10 آیات محفوظ رکھے گا وہ فتنہ دجال سے محفوظ رہے گا۔ ایک اور روایت میں یہی مضمون سورہ کہف کی آخری 10 آیات کے بارے میں بھی ارشاد ہوا ہے۔ علامہ طیبیؒ نے فرمایا ہے کہ دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص سورہ کہف کی ابتدائی یا آخری 10 آیات یاد رکھے گا وہ فتنہ دجال سے محفوظ رہے گا۔ (علامات قیامت صفحہ 49)

اسی لیے سورہ کہف کو خاص طور پر بچوں کو حفظ کرایا جاتا تھا اور جمعہ کے دن سورہ کہف کی تلاوت کے فضائل احادیث میں بیان کیے گئے ہیں۔ الحمدللہ دین دار گھرانوں میں یہ معمول جاری ہے اور ہمارے بزرگوں کا یہ معمول تھا کہ ہر جمعہ کو سورہ کہف کی تلاوت ضرور فرمایا کرتے تھے۔

مردے کو زندہ کرنا

''اس کا ایک فتنہ یہ ہوگا کہ وہ کسی دیہاتی سے کہے گا کہ اگر میں

تیرے (مردہ) ماں باپ کو زندہ کر دوں تو کیا تو شہادت دے گا کہ میں تیرا رب ہوں۔ وہ کہے گا کہ ہاں (میں شہادت دوں گا) پس دیہاتی کے سامنے دو شیطان (جن) اس کے ماں باپ کی صورت بنا کر آئیں گے اور کہیں گے کہ بیٹا تو اس کی پیروی کر، یہ تیرا رب ہے۔''

''اس کا ایک بڑا فتنہ یہ ہوگا کہ اس کو (مسلمانوں کی آزمائش کے لیے) ایک (مومن) شخص پر قدرت دی جائے گی۔ پس وہ اس شخص کو قتل کر دے گا اور آرے سے چیر کر اس کے دو ٹکڑے کر کے دونوں ٹکڑوں کو الگ الگ ڈال دیگا۔ پھر (لوگوں سے) کہے گا دیکھو میرے اس بندے کی طرف، میں ابھی اسے زندہ کروں گا اور یہ پھر کہے گا کہ اس کا رب میرے سوا کوئی اور ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو زندہ فرما دیں گے اور خبیث (دجال) اس سے کہے گا ''بتا تیرا رب کون ہے؟'' وہ کہے گا میرا رب اللہ ہے اور تو اللہ کا دشمن ہے۔ تو دجال ہے۔ اللہ کی قسم (تیرے دجال ہونے کا) جتنا یقین مجھے آج ہے اتنا کبھی نہیں تھا۔''

دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مومن شخص مدینہ منورہ کا ہوگا اور جب دجال مدینہ منورہ کا محاصرہ کر کے مدینہ منورہ سے کچھ فاصلے پر پڑاؤ ڈالے گا تو یہ اللہ کا بندہ دجال کے کیمپ میں جائے گا اور لوگوں سے پوچھے گا کہ دجال کہاں ہے۔ دجال کے سپاہی اس کو قتل کرنا چاہیں گے کہ وہ ان کے رب کو دجال کہہ رہا ہے۔ لیکن پھر اس کو دجال کے سامنے پیش کریں گے اور وہ اس شخص کو قتل کرے گا اور اس کے دونوں ٹکڑوں کو کافی فاصلے سے الگ الگ کر دے گا اور پھر اس شخص کو اللہ تعالیٰ زندہ کر دیں گے۔ صحیح احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ دجال کو یہ زندہ کرنے کی قوت صرف ایک ہی بار دی جائے گی۔ اس کے بعد وہ کسی مردے کو زندہ نہیں کر سکے گا۔

اپنے حکم سے بارش برسانا

دجال کی طرف سے مسلمانوں کی ایک بڑی آزمائش یہ ہوگی کہ اس کی اطاعت کرنے والے بہت خوشحال اور اچھی حالت میں ہوں گے جبکہ سچے مومن جو اس کا انکار کریں گے ان کی معاشی حالت ابتر ہوگی۔ چنانچہ مذکورہ بالا حدیث اور دوسری احادیث سے اس کی تفصیل معلوم ہو چکی ہے۔

حدیث کی ان تفصیلات کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ جن لوگوں پر دجال کا ظہور ہوگا ان کا ایمان پر قائم رہنا انگاروں پر چلنے کے مترادف ہوگا۔ اسی سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ صحابہ کرام دجال کے فتنے سے اتنے خوف زدہ کیوں تھے؟ اسی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت سے شفقت ومحبت کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ انہون نے اپنی امت کو دجال کے اس فتنے کی کتنی جزوی تفصیلات سے آگاہ کر دیا کہ لوگون کو اس کے پہچاننے میں کوئی دشواری نہ ہو اور وہ پہلے سے اس فتنے کے لیے تیار رہیں۔ پھر اس کے ان صبر آزما فتنوں سے بچنے کا ایک تیر بہدف نسخہ بھی عطا فرما دیا کہ سورہ کہف کی ابتدائی یا آخری آیات جو محفوظ رکھے گا اور اس کی تلاوت کرے گا اس کو دجال کے یہ خوفناک فریب اور دھوکے کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ (ان شاء اللہ)

اب یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے مشفق آقا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات پر خود بھی عمل کریں اور اپنے بچوں کو بھی ان آیات کو حفظ کرئیں۔ اس طرح یہ آیات آنے والی نسلوں میں منتقل ہوتی رہیں۔

دجال سب سے بڑا فتنہ ہوگا

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کیا گیا ہے۔ ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آدم کی پیدائش اور روز قیامت کے درمیان ایک بہت بڑا فتنہ ظاہر ہوگا اور وہ دجال کا فتنہ ہے“ (مشکوۃ حدیث نمبر 5233 بحوالہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں تم کو دجال کا حال بتاؤں، کسی نبی نے آج تک اپنی قوم کو اس کا حال نہیں بتایا ہے۔ وہ کانا ہوگا اور اپنے ساتھ جنت ودوزخ کی مانند دو چیزیں لائے گا۔ وہ جس چیز کو جنت بتائے گا۔ وہ حقیقت میں آگ ہوگی۔ (دوسری حدیث میں اضافہ ہے کہ وہ جس چیز کو کہے گا کہ یہ دوزخ ہے وہ حقیقت میں جنت ہوگی) میں تم کو اس سے ڈراتا ہوں۔ جس طرح نوح (علیہ السلام) نے اپنی قوم کو اس سے ڈرایا تھا۔
(مشکوۃ 5236 بحوالہ صحیح بخاری ومسلم)

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ ”کسی نبی نے آج تک اپنی قوم کو اس کا حال نہیں بتایا“ جبکہ دوسری حدیثوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح الفاظ میں خبر دی ہے کہ تمام انبیاء نے دجال کے فتنے سے اپنی اپنی قوموں کو ڈرایا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دجال کے فتنے سے تو سب نے ڈرایا، مگر اس کی تفصیلات نہیں بتائیں مثلاً یہ کہ وہ کانا ہوگا اور جنت ودوزخ کی مانند دو چیزیں لائے گا۔ جس کو وہ دوزخ کہے گا وہ حقیقت میں جنت ہوگی اور جس کو جنت کہے گا وہ دوزخ ہوگی۔ یہ اس کے چالوں میں ایک چال ہوگا جن کو دکھا کر وہ

مسلمانوں کو گمراہ کرے گا۔ چنانچہ آگے حدیثوں سے معلوم ہوگا کہ جو لوگ اس کی جنت کی ظاہری رونق اور چمک دمک دیکھ کر اس کو اختیار کرلیں گے وہ دوزخ میں جائیں گے اور جو ایمان والے اس کی ان علامتوں کو پہلے سے جانتے ہوں گے وہ اس کی دوزخ کو اختیار کرلیں گے، وہ دراصل جنت میں داخل ہوں گے۔ چنانچہ ذیل کی حدیث میں اس کی مزید تفصیل ملاحظہ کیجیے۔

''حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ دجال اپنے ساتھ پانی اور آگ لیکر نکلے گا۔ وہ چیز جس کو لوگ پانی سمجھیں گے حقیقت میں آگ ہوگی جھلسا دینے والی اور جس کو آگ خیال کریں گے وہ حقیقت میں پانی ہوگا۔ ٹھنڈا اور شیریں۔ بس تم سے جو شخص دجال کو پائے گا تو وہ اس چیز میں اپنے آپ کو ڈالے جس کو وہ اپنی آنکھوں سے آگ دیکھتا ہے۔ اس لیے کہ وہ آگ حقیقت میں میٹھا اور ٹھنڈا پانی ہے۔ (بخاری ومسلم)

مسلم کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ ''دجال کی آنکھ بیٹھی ہوئی ہوگی اور دوسری آنکھ پر موٹا ناخونہ (پھلی) ہوگی۔ اس کی آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوا ہوگا جس کو ہر مومن خواہ لکھا پڑھا ہو یا نہ ہو پڑھ لے گا۔'' (مشکوۃ جلد سوم حدیث 5237)

اس حدیث میں اس کی ایک علامت یہ بیان کی گئی ہے کہ اس کی دونوں آنکھیں عیب دار ہوں گی۔ ایک آنکھ سے کانا ہوگا اور دوسری آنکھ پر ایک موٹی پھلی انگور کی طرح ہوگی۔ ان دونوں آنکھوں کے درمیان ک۔ ف۔ ر لکھا ہوگا اس حدیث میں کافر نہیں لکھا ہے، لیکن دوسری کئی احادیث میں بیان آیا ہے کہ ''ک۔ ف۔ ر لکھا ہوگا۔ یعنی کافر''۔

حق تعالیٰ شانہ کی عجیب شان ہے کہ ایک ایسے شخص کو جو نبوت کا بھی دعویٰ کرے گا اور خدائی کا بھی، اس کو ایسے خلاف عادت تصرفات اور قوتیں عطا کر دیں گے کہ اس سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں۔ اسی لئے اس کو سب سے بڑا فتنہ کہا گیا ہے۔ فتنہ تو وہی ہوتا ہے جس میں برائی اور شر چھپے ہوتے ہیں۔

دجال سے متعلق جتنی احادیث نظر سے گزری ہیں اور جو کام وہ انجام دے گا ان سے غالب گمان یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک بہت بڑا سائنس دان ہوگا۔ ایک طرف اس کے پاس ٹیکنالوجی کی بہت ترقی یافتہ قوتیں ہوں گی اور دوسری طرف تمام شیطانی قوتیں بھی اس کے تابع ہوں گی۔ ہوسکتا ہے کہ یہ ''ک۔ف۔ر'' کسی ادارے کے ابتدائی حروف INITIALS ہوں۔ عیسائیوں کے ایک فرقے کا یقین یہی ہے کہ ANTICHRIST یعنی دجال ایک عظیم سائنس دان ہوگا اور دور حاضر کی سائنسی ایجادات اور اس کے انکشافات دراصل دجال کے ظاہر ہونے کے لیے ایک اسٹیج تیار کر رہی ہیں۔

دجال کا حلیہ

احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے ذاتی حلیے اور ناک نقشے کے بارے میں کافی تفصیل سے پیشگوئی فرمائی ہے۔ ایک حدیث میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا یہ بیان ملاحظہ فرمایئے۔

> ''وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ میں نے تم سے دجال کا حال بار بار اس اندیشے کی وجہ سے بیان کیا ہے کہ کہیں تم اس کو بھول نہ جاؤ۔ اور اس بات سے بے خبر نہ رہو کہ مسیح دجال پستہ قد ہے۔ اس کے پاؤں نیچے چلنے میں قریب ہوتے ہیں اور ایڑیاں دور دور (اس کی چال

ایسی ہوگی کے چلتے وقت پنجوں کے درمیان فاصلہ کم ہوگا اور ایڑیوں کے درمیان زیادہ) بال خم دار ہیں۔ ایک آنکھ سے کانا ہے۔ دوسری آنکھ ہموار ہے یعنی نہ ابھری ہوئی اور نہ دھنسی ہوئی۔ پھر بھی اگر تم شبہ میں پڑ جاؤ تو اتنی بات یاد رکھو" کہ تمہارا پروردگار کانا نہیں ہے۔" (ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم کو دجال کے بارے میں اس لیے بیان کرتا ہوں کہ کہیں تم یہ نہ سمجھ بیٹھو کہ، کہ مسیح دجال بہت سے ہوں گے)۔ (ابوداؤد جلد سوم حدیث نمبر 915)

مراد یہ ہے کہ یوں تو اس امت میں تیس (۳۰) دجال پیدا ہوں گے جو لوگوں کو گمراہ کریں گے لیکن مسیح دجال ایک ہی ہوگا اور اس کا حلیہ یہ ہوگا۔ دوسرے دجالوں میں اور مسیح دجال میں ایک فرق یہ ہوگا کہ دوسرے دجال نبوت کا دعویٰ کریں گے جبکہ یہ دجال خدائی کا دعویٰ بھی کرے گا اور ایک بڑی جماعت کو گمراہ کر کے ان کو یہ یقین دلادے گا کہ دجال ہی ان کا رب ہے۔ دوسرا فرق یہ ہوگا کہ وہ مافوق العادت کارنامے دکھائے گا۔ مثلاً بارش برسائے گا۔ ایک شخص کو قتل کر کے دوبارہ زندہ کردے گا۔ (ایسا صرف ایک بار کر سکے گا) لوگوں کے مردہ ماں باپ کی شکل میں شیاطین کو حاضر کر کے ان کے ورثا سے کہے گا کہ اگر میں تمہارے ماں باپ کو زندہ کردوں تو کیا تم مجھے اپنا رب مان لو گے؟ اور وہ شیاطین کو ان کی شکل میں حاضر کردے گا اور یہ لوگ اس پر ایمان لے آئیں گے۔

ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک واقعہ بیان کیا ہے جو غالباً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب کی حالت میں دیکھا تھا جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دجال کو دیکھا اور ان دونوں کا حلیہ بیان فرمایا۔ یہ حدیث بخاری اور مسلم دونوں نے روایت کی ہے۔

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں نے اپنے آپ کو (خواب میں) کعبہ کے پاس دیکھا۔ وہاں مجھ کو ایک گندم گوں شخص نظر آیا جو اس رنگ کے بہترین اور خوبصورت لوگوں میں سے تھا۔ اس کے سر پر کاندھے تک بال تھے اور اس قسم کے بال رکھنے والوں میں وہ بہترین بال تھے۔ بالوں میں کنگھی کی گئی تھی اور بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ وہ شخص دو آدمیوں کے کاندھوں پر ہاتھ رکھے خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا یہ مسیح ابن مریم ہیں۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پھر میں ایک اور شخص کے پاس سے گزرا جس کے بال گھنگر یالے تھے۔ داہنی آنکھ کانی تھی۔ گویا اس کی آنکھ انگور کا پھولا ہوا دانہ ہے۔ جن لوگوں کو میں نے دیکھا ہے ان میں سے یہ شخص ابن قطن سے بہت مشابہہ تھا۔ یہ شخص دو شخصوں کے مونڈھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے طواف کر رہا تھا۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا یہ مسیح دجال ہے (بخاری ومسلم)

ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ''اس کی آنکھیں سرخ ہیں۔ سر کے بال گھنگریالے ہیں، داہنی آنکھ کانی ہے۔ ابن قطن لوگوں میں اس سے بہت مشابہہ ہے اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث عنقریب ابن صیاد کے قصے میں بیان کریں گے'' (مشکوۃ جلد سوم 5247)

اس حدیث میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے وہ غالباً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دکھایا گیا ہے کیونکہ بہت سی احادیث میں صراحت ہے کہ دجال مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں داخل نہ ہو سکے گا اور اس کے کافر ہونے میں تو کسی شبے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے دجال کا حلیہ اپنے رسول کو دکھا دیا ہے تاکہ وہ

زیادہ وضاحت کے ساتھ امت کو اس کے بارے میں خبر دے دیں۔ واللہ اعلم۔ عیسیٰ علیہ السلام کو بھی اس واقعے میں اسی حالت میں دکھایا گیا ہے جس میں وہ آسمان سے دمشق میں دو فرشتوں کے کاندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے نازل ہوں گے۔

دجال کے ماں باپ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دجال کے ماں باپ تیس سال لاولد رہیں گے۔ پھر ان کے یہاں ایک کانا لڑکا پیدا کیا جائے گا۔ جس کے دانت بڑے بڑے ہوں گے اور اس سے بہت کم فائدہ ہوگا (یعنی گھر کے کام کاج میں اس بچے سے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا)۔ اس کی آنکھیں سوئیں گی لیکن دل نہیں سوئے گا۔ (یعنی نیند کی حالت میں شیطان اس کے دل میں فاسد خیالات پیدا کرتا رہے گا) اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ماں باپ کا حلیہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کا باپ لمبا، دبلا ہوگا۔ اس کی ناک ایسی ہوگی گویا کہ چونچ ہے۔ اور اس کی ماں موٹی چوڑی اور لمبے ہاتھوں والی ہوگی۔

ایک یہودی لڑکا

ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے مدینہ کے یہود میں ایک (ایسے ہی) بچے کے پیدا ہونے کی خبر سنی، میں اور زبیر بن عوام اس کے ماں باپ کے پاس گئے۔ دیکھا تو وہ دونوں ایسے ہی تھے (جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا)۔ ہم نے ان سے پوچھا کیا تمہارا کوئی لڑکا ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ تیس سال تک ہم بے اولاد رہے۔ پھر ایک کانا لڑکا پیدا ہوا جس سے ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ اس کی آنکھیں سوتی ہیں اور دل نہیں

سوتا۔ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم ان کے پاس سے چلے آئے۔اچانک ہم نے اس لڑکے کو دیکھا جو دھوپ میں چادر اوڑھے لیٹا تھا اور کچھ گن گنا رہا تھا۔جو سمجھ میں نہ آتا تھا۔اس نے سر سے چادر کو ہٹایا اور ہم سے کہا۔تم نے کیا کہا؟ ہم نے کہا جو کچھ ہم نے کہا کیا تو نے سنا۔اس نے کہا، ہاں! میری آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا" (مشکوۃ جلد سوم حدیث 5267 بحوالہ ترمذی)

ابنِ صیاد کون ہے؟

اس عجیب وغریب واقعے میں جس لڑکے کا ذکر ہے۔اس کا نام ابن صیاد تھا اور اس کی ذات میں تقریباً تمام وہ صفات پائی جاتی تھیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کی بابت بیان فرمائی تھیں۔یہ لڑکا یہودی تھا۔اس لڑکے کے جو عجیب وغریب واقعات بیان ہوئے ہیں وہ ایک بہت دلچسپ باب ہے۔خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ شک تھا کہ ابن صیاد دجال ہے۔چنانچہ آپ کئی مرتبہ اس کے پاس تشریف لے گئے تاکہ اس کے بارے میں حقیقت حال کا پتہ لگائیں۔صحابہ کرام کا عام خیال یہی تھا کہ ابن صیاد ہی دجال ہے۔چنانچہ:

"حضرت نافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو اس میں بالکل شک نہیں ہے کہ مسیح دجال ابن صیاد ہی ہے" (مشکوۃ صفحہ 51 بحوالہ بیہقی)

ابن صیاد کے سلسلے میں بعض صحابہ کرام کو یقین تھا کہ وہی دجال ہے۔لیکن آگے جو احادیث آرہی ہیں ان سے صحیح حقیقت پر روشنی پڑتی ہے۔اس میں بہت سے قرائین اس کے دجال ہونے کے حق میں ہیں جبکہ دوسرے قرائین اس کے خلاف ہیں۔

ابنِ صیاد نامی یہ لڑکا ایک یہودی گھرانے میں پیدا ہوا۔اس کے ماں باپ کا

حلیہ اور اس لڑکے کی تقریباً تمام خصوصیات وہی تھیں جن کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت تفصیل سے احادیث میں بیان کیا ہے۔ صحابہ کرام کا غالب گمان یہی تھا کہ یہی لڑکا مسیح دجال ہے۔ جو قیامت سے پہلے ظاہر ہو کر ایک عظیم فتنے کی صورت اختیار کرے گا اور جس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام قتل کریں گے۔

ابن صیاد سے رسول اللہ (ﷺ) کی ملاقات

"حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے (ان کے والد) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کے ہمراہ ابن صیاد کی طرف گئے۔ رسول اللہ نے اس کو یہودی قبیلے بنی مغالہ کے محل میں بچوں کے ساتھ کھیلتا ہوا پایا۔ اس وقت وہ بلوغ کے قریب پہنچ چکا تھا۔ ابن صیاد کو ہمارے آنے کا پتہ نہ چلا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی پشت پر ہاتھ مارا اور فرمایا کیا تو اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ میں خدا کا رسول ہوں؟ ابن صیاد نے کہا کہ میں اس کی شہادت دیتا ہوں کہ تم اُمیّین (ناخواندہ) لوگوں کے رسول ہو۔ اس کے بعد ابن صیاد نے کہا کیا تم اس کی گواہی دیتے ہو کہ میں خدا کا رسول ہوں۔ رسول اللہ نے اس کو پکڑ لیا اور خوب زور سے دبایا۔ پھر فرمایا آمنت باللہ ورسولہ میں اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن صیاد سے فرمایا: تم کیا دیکھتے ہو؟ اس نے کہا، میرے پاس کبھی سچا آتا ہے اور کبھی جھوٹا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھ پر امور کو مشتبہ کر دیا گیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنے دل میں ایک بات چھپائی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (قرآن کی) اس آیت کو دل میں

چھپایا تھا:

يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ

(جس دن آسمان میں ایک نظر آنے والا دھواں پیدا ہو۔ 44:10)

اس نے کہا۔ الدخ۔ آپ نے فرمایا نامراد تو اپنی حیثیت سے آگے نہ بڑھے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، یارسول اللہ آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں اس کی گردن اڑادوں؟ رسول اللہ نے فرمایا اگر یہ وہی دجال ہے تو تم اس پر قابو نہ پاسکو گے۔ (کیونکہ اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام قتل کریں گے) اور اگر یہ وہ نہیں ہے تو اس کو قتل کرنے میں تمہارے لیے کوئی بھلائی نہیں ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد (غالباً کچھ عرصے بعد) رسول اللہ اور ابی بن کعب انصاری کھجوروں کے ان درختوں کی طرف روانہ ہوئے جن میں ابن صیاد تھا۔ رسول اللہ درختوں کی شاخوں میں چھپ کر اس کے دیکھنے سے پہلے اس کی باتیں سننا چاہتے تھے۔ ابن صیاد چادر لپیٹے ہوئے بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ اس کے اندر سے کچھ بڑبڑاہٹ کی آواز آرہی تھی۔ ابن صیاد کی ماں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا اور بولی، اے صاف! (ابن صیاد کے کئی نام تھے، جو روایات میں آئے ہیں۔ ابن صائد، ابن صیاد، صاف، عبداللہ وغیرہ) یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ابن صیاد (یہ سن کر) خاموش ہوگیا۔ رسول اللہ نے فرمایا اگر اس کی ماں اس کو چھوڑ دیتی (حضور کے آنے کی اطلاع نہ دیتی) تو اس کا کچھ حال معلوم ہوجاتا۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے (تقریر کے لیے) اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی جس کا وہ مستحق ہے اور

پھر دجال کا ذکر کیا اور فرمایا میں تم کو دجال سے ڈراتا ہوں اور کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے اپنی قوم کو دجال سے نہ ڈرایا ہو اور سب سے پہلے نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ڈرایا لیکن میں دجال کی بابت تم سے وہ بات کہتا ہوں جو کسی نبی نے آج تک اپنی قوم سے نہیں کہی۔ تم آگاہ ہو جاؤ کہ دجال کانا ہے اور اللہ تعالیٰ کانا نہیں ہے (متفق علیہ مشکوۃ حدیث نمبر 5258)

اس حدیث کی تفصیلات میں بعض باتیں ایسی ہیں جن سے ذہنوں میں کئی سوال ابھرتے ہیں اور وہ قابل غور ہیں۔

1- خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کی یہ علامات بیان فرمائی ہیں کہ وہ نہ مکہ مکرمہ میں داخل ہو سکے گا نہ مدینہ منورہ میں۔ تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے دجال ہونے کے بارے میں شبہ کیوں تھا؟ اس کا جواب علما نے یہ دیا ہے کہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ وہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ بعد میں جب وحی کے ذریعے یہ معلوم ہو گیا تو یہ اندیشہ ختم ہو گیا۔

2- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن صیاد کو خوب زور سے دبایا غالباً یہ اس لیے تھا کہ اس کے قلب کا حال معلوم کیا جائے۔ سب سے پہلی وحی کے وقت بھی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ اقراء (پڑھو) تو آپ نے دونوں مرتبہ یہ جواب دیا کہ میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔ یعنی پڑھنا نہیں جانتا۔ پھر جبرئیل علیہ السلام نے تیسری مرتبہ آپ کو بہت زور سے دبایا تو آپ کی زبان پر سورہ علق کی ابتدائی آیات جاری ہوئیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آمنت باللہ ورسولہ (میں اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا)۔ یہاں یہ سوال ذہن میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اس کی صاف تکذیب کیوں نہ فرمائی؟ حقیقت میں آپ کا یہ جواب بہت سی حکمتوں مبنی تھا۔ وہ ایک مخبوط الحواس، شیطانی اثرات سے مغلوب لڑکا تھا۔ اس وقت اس کی تکذیب کرنے سے ایک فضول بحث کا دروازہ کھلتا۔ وہ اپنی تکذیب سے ناراض بھی ہوتا اور احادیث میں آیا ہے کہ مسیح دجال کسی بات پر ناراض ہوکر خروج کرے گا۔ یہ حدیث آگے آرہی ہے۔ اس وقت تک آپ کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ ابن صیاد دجال نہیں ہوسکتا۔ تیسرے آپ جس مقصد کے لیے تشریف لائے تھے وہ مقصد فوت ہوجاتا یعنی اس کی حقیقت معلوم کرنا۔ چنانچہ اس کے بعد آپ کے سوالات کے جوابات اس نے دیے۔ اس سے اس کی حقیقت کھل گئی۔ اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر تحقیق حال کے اس کی تکذیب کو روا نہ رکھتے تھے۔ پھر اسی حالت میں دوسروں کی موجودگی میں اس کو شرمندہ کرنا بھی مناسب نہ سمجھا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

ایک روایت صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت کے اس سوال پر کہ ''تو کیا دیکھتا ہے'' تو ابن صیاد نے جواب دیا کہ ''میں ایک تخت کو پانی پر دیکھتا ہوں'' رسول اللہ نے فرمایا کہ ''تو ابلیس کے تخت کو دیکھتا ہے'' اس نے کہا کہ میں دو سچوں اور ایک جھوٹے کو، یا دو جھوٹوں اور ایک سچے کو دیکھتا ہوں'' (یعنی سچی خبر لانے والے اور جھوٹی خبریں لانے والوں کو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''امر (حقیقت) کو اس پر مشتبہ کردیا گیا ہے۔ اس کو چھوڑ دو''۔

دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کئی مرتبہ (تین یا چار مرتبہ) ابن صیاد کے پاس تشریف لے گئے اور چھپ کر اس کی باتیں سننے کی کوشش کی لیکن ہر مرتبہ اس کی ماں نے ابن صیاد کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی اطلاع کردی اور وہ خاموش ہوگیا۔ اس طرح اس کا حال آپ پر واضح نہ ہوسکا بلکہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ماں کے اطلاع دینے پر فرمایا

کہ اس عورت کو کیا ہو گیا۔ اللہ اس کو ہلاک کرے۔

روایات میں ابن صیاد کی جو تفصیلات آئی ہیں ان کو پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی مسلمانوں کے لیے ایک آزمائش بنا کر پیدا فرمایا تھا اور اس میں دجال سے ملتی جلتی علامات پیدا فرما دی تھیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ بیان ملاحظہ کیجیے:

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں ابن صیاد سے ملا۔ اس وقت اس کی آنکھ ورم آلود تھی۔ (یہاں عربی کے الفاظ یہ ہیں ''نَفَرت عینہ''۔ نفر کے معنیٰ اس طرح کا ورم ہے جو کھال سے الگ سا ہو جائے۔ القاموس الوحید) میں نے (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے) کہا تیری آنکھ کب سے ورم آلود ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نہیں جانتا۔ میں نے کہا تجھ کو معلوم نہیں حالانکہ آنکھ تیرے سر میں ہے۔ اس نے کہا اگر اللہ چاہے تو آنکھ کو تیری لاٹھی میں پیدا کر دے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ابن صیاد نے ناک سے ایسی گدھے کی سخت آواز کی مانند آواز نکالی جیسی میں نے سنی۔ (مشکوٰۃ حدیث نمبر 5263 بحوالہ مسلم)

دجال کسی بات پر غصہ ہو کر نکلے گا

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے غالباً اسی واقعے کے بارے میں ایک روایت ملتی ہے جس میں ام المومنین حضرت حفصہ، آنحضرت ﷺ کے حوالے سے روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دجال کسی بات پر غضبناک ہو کر نکلے گا۔ روایت کا ترجمہ یہ ہے:

''حضرت نافع رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ابن صیاد سے ابن عمر رضی

اللہ عنہ نے مدینہ کے کسی راستے پر ملاقات کی اور انہوں نے ابن صیاد سے کوئی ایسی بات کہی جس سے وہ غضبناک ہوگیا اور اس کی رگیں پھول گئیں۔ اس کے بعد ابن عمر رضی اللہ عنہ اپنی بہن حضرت حفصہؓ کے پاس گئے۔ ان کو اس واقعہ کی خبر (پہلے ہی) پہنچ چکی تھی۔ انہوں نے فرمایا، ابن عمر! اللہ تجھ پر رحم فرمائے۔ تو نے ابن صیاد سے کیا چاہا تھا؟ کیا تجھے معلوم نہیں رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ دجال کسی پر غضبناک ہو کر نکلے گا۔ (مشکوۃ حدیث نمبر 5261 بحوالہ مسلم)

''حضرت محمد منکدر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے جابر بن عبداللہ کو دیکھا کہ وہ اللہ کی قسم کھا کر کہتے تھے کہ ابن صیاد ہی دجال ہے۔ میں نے ان سے کہا کیا تم قسم کھا کر کہتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ میں نے عمر رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ وہ رسول اللہ کی موجودگی میں اس پر قسم کھاتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے انکار نہیں کیا۔ (مشکوۃ جلد سوم حدیث نمبر 5264)

اسی مضمون کی ایک روایت بیہقی میں بھی ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ مجھے اس میں ذرا شک نہیں ہے کہ مسیح دجال ہی ابن صیاد ہے۔ (مشکوۃ)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ یقین اس وقت تک تھا جب تک اس کی حقیقت بذریعہ وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں بتائی گئی تھی۔ وحی آجانے کے بعد ان کی یہ رائے نہیں رہی تھی۔ اس لیے ان کی قسم اور ابن صیاد کے دجال ہونے کے یقین پر کوئی اشکال نہیں رہتا۔

ابن صیاد دجال نہیں ہے

جیسا کہ عرض کیا گیا ابن صیاد مدینہ منورہ میں پیدا ہوا۔ وہیں پل بڑھ کر جوان ہوا۔ پھر وہ مسلمان بھی ہو گیا تھا۔ صحابہ کیساتھ حج کے لیے مکہ مکرمہ بھی گیا تھا۔ ذیل میں اس کی تفصیل آرہی ہے۔ اس لیے اس کا دجال ہونا بعید از قیاس ہے۔ علمائے امت کا یہی موقف رہا ہے بلکہ خود ابن صیاد نے اپنے دجال ہونے کی تردید کی ہے۔ صحیح مسلم کی یہ روایت ملاحظہ ہو۔

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرا اور ابن صیاد کا مکہ مکرمہ کے سفر میں ساتھ ہوا۔ ابن صیاد نے مجھ سے اس تکلیف کا ذکر کیا جو لوگوں سے اس کو پہنچی تھی اور کہا کہ لوگ مجھ کو دجال سمجھتے ہیں۔ کیا تم نے رسول اللہ سے نہیں سنا کہ وہ لاولد ہوگا اور میری اولاد ہے۔ کیا انہوں نے نہیں فرمایا کہ وہ کافر ہوگا اور میں مسلمان ہوں، کیا انہوں نے یہ نہیں کہا کہ وہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہوگا۔ میں مدینہ سے آرہا ہوں اور مکہ مکرمہ جارہا ہوں۔ ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس نے آخری بات یہ کہی کہ اللہ کی قسم میں دجال کی پیدائش کے وقت کو جانتا ہوں، اس کا مکان جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ اس وقت کہاں ہے اور اس کے ماں باپ کے نام بھی جانتا ہوں۔ ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے (ان) آخری الفاظ نے مجھے شبہے میں ڈال دیا (یعنی ان الفاظ سے ابن صیاد نے شاید خود اپنی ذات کو مراد لیا ہو) چنانچہ میں نے اس سے کہا کہ تو ہمیشہ کے لیے ہلاک ہو۔ ابوسعید کہتے ہیں کہ ساتھیوں میں سے کسی نے اس سے کہا کیا تجھ کو یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ تو خود ہی دجال ہو؟ ابن صیاد نے کہا

کہ اگر مجھ کو وہ صفات دے دی جائیں جو دجال میں ہیں تو برا نہ سمجھوں۔
(مشکوۃ جلد سوم 5262 بحوالہ مسلم)

اس کی پر اسرار حرکتیں اور باتیں صحابہ اکرام کے لیے آخر تک معمانی رہیں یہاں تک کہ اس کے انجام کے بارے میں بھی کسی کو کچھ معلوم نہیں ہوسکا۔ سوائے اس کے کہ حرہ کے واقعے میں وہ غائب ہوگیا تھا۔ چنانچہ روایت ہے:

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے حرہ کے واقعے میں ابن صیاد کو غائب پایا۔'' (مشکوۃ بحوالہ ابوداؤد)

آخری حدیث میں ابن صیاد کے بیان سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ دجال زندہ ہے۔

کیا دجال زندہ ہے؟

ابن صیاد کا سفر حج

ایک منزل پر دوسرے صحابہ تو ادھر ادھر منتشر ہو گئے لیکن ابن صیاد حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس آ گیا اور اپنا سامان ان کے سامان کے ساتھ رکھ دیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس سے سخت وحشت ہوئی اور خوف آیا۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے اس سے بچنے کے لیے اس سے کہا کہ گرمی سخت ہے۔ اگر تو اپنا سامان درخت کے نیچے رکھ دے (تو بہتر ہوگا) اس نے اپنا سامان درخت کے نیچے لے جا کر رکھ دیا۔ پھر قریب ہی کچھ بکریاں نظر آئیں تو وہ اٹھا اور ایک پیالہ دودھ سے بھر کر لایا اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا لیکن حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کو اس کے ہاتھ سے یا اس کا لایا ہوا دودھ لینا گوارا نہیں ہوا تو آپ نے ابن صیاد سے یہ کہہ کر دودھ پینے سے عذر کر دیا کہ گرمی بہت شدید ہے اور دودھ بھی گرم ہے۔ ابن صیاد نے ان کی اس کراہیت کو محسوس کر کے ان سے کہا۔ ''اے ابو سعید! لوگ جس قسم کی باتیں میرے بارے میں کرتے ہیں ان کی وجہ سے میرا دل چاہتا ہے کہ میں ایک رسی لوں اور اس کو درخت سے لٹکا کر اپنا گلا گھونٹ لوں۔ ان کی بات تو الگ ہے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں نہیں پہنچی ہیں، اے انصار کی جماعت! تم پر تو (حقیقت) پوشیدہ نہیں ہے۔ کیا تو لوگوں میں رسول اللہ کی حدیثوں کو سب سے زیادہ جاننے والا نہیں ہے؟ پھر اس نے وہ ساری تفصیلات بیان کیں جو اس کے دجال نہ ہونے کو ثابت کرتی ہیں۔ یعنی

اس کا مسلمان ہونا، حج کرنا، مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ میں داخل ہونا وغیرہ۔ لیکن اسی حدیث کے آخر میں اس نے ایک بات ایسی کہی جس نے اس کی شخصیت کو دوبارہ مشکوک بنا دیا۔ اس نے کہا کہ ''اللہ کی قسم! میں اسے (دجال کو) پہچانتا ہوں اور اس کی جائے پیدائش سے بھی واقف ہوں اور یہ کہ وہ اس وقت کہاں ہے؟

ابن صیاد کی اس بات نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کو شک میں ڈال دیا (اور ان کو خیال ہوا کہ شاید اس نے آخری الفاظ سے خود اپنی ذات کو مراد لیا ہو۔ اسی حدیث کے آخر میں ایک صحابی کے اس سوال پر کہ کیا وہ یہ بات پسند کرتا ہے کہ وہ دجال ہو، تو اس کے جواب میں جو بات ابن صیاد نے کہی وہ ایسی ہے کہ آج کا کوئی عام مسلمان بھی ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے کسی مسلمان سے ایسی بات کی توقع رکھنا تو بہت دور کی بات ہے۔ اس نے کہا کہ ''اگر مجھے وہ صفات دے دی جائیں جو دجال میں ہیں تو میں برا نہیں سمجھوں گا۔''

اس سے گمان ہوتا ہے کہ اس کا ایمان برائے نام ہی تھا۔ ایک اور بات جو ابن صیاد کو پراسرار بناتی ہے وہ یہ ہے کہ دجال کے بارے میں جتنی احادیث آئی ہیں ان میں جو الفاظ اس کے لیے استعمال کیے گئے ہیں وہ ''خروج'' یعنی ''نکلنے'' کے معنیٰ میں ہیں۔ کسی حدیث میں پیدا ہونے کے الفاظ استعمال نہیں کیے گئے۔ جس سے اس کے زندہ ہونے کے گمان کی طرف ذہن جاتا ہے۔

دجال سے تمیم داری کی ملاقات

اس کے علاوہ صحیح مسلم میں ایک عجیب وغریب واقعے کی روایت ملتی ہے جو ''تمیم داری کی روایت'' کے نام سے مشہور ہے، اس واقعے سے بھی اس گمان کو تقویت ملتی ہے کہ دجال زندہ ہے۔ حدیث کا ترجمہ یہ ہے:

''حضرت فاطمہ بنت قیسؓ بیان فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک منادی کو یہ اعلان کرتے ہوئے سنا کہ ''الصلوٰۃ جامعۃ'' (نماز جمع کرنے والی ہے۔ یعنی نماز تیار ہے۔ رسول اللہ کے زمانے میں نماز کا اعلان انہی الفاظ سے کیا جاتا تھا) چنانچہ میں مسجد میں گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی اس حال میں کہ میں عورتوں کی اس صف میں تھی جو مردوں کی پشت کے قریب تھی۔ جب رسول اللہ نے اپنی نماز پوری کر لی تو مسکراتے ہوئے منبر پر تشریف لائے اور فرمایا۔ ہر شخص اپنی نماز کی جگہ پر ہی بیٹھا رہے۔

پھر فرمایا: کیا تم جانتے ہو میں نے تمہیں کیوں جمع کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ اللہ کی قسم! میں نے تمہیں کسی بات کی ترغیب یا کسی بات سے ڈرانے کے لیے جمع نہیں کیا۔ میں نے تمہیں صرف اس لیے جمع کیا ہے کہ (تمہیں یہ واقعہ سناؤں) کہ تمیم داری نصرانی آدمی تھے۔ پس وہ آئے اور اسلام پر بیعت کی اور مسلمان ہوگئے اور مجھے ایک بات بتائی جو اس خبر کے مطابق ہے جو میں تمہیں دجال کے بارے میں پہلے ہی بتا چکا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے مجھے خبر دی کہ وہ بنو لخم اور بنو جذام کے 30 آدمیوں کے ساتھ ایک بحری جہاز میں سوار ہوئے۔ پس انہیں ایک مہینے تک سمندر کی موجیں دھکیلتی رہیں۔ (یعنی سمندر کی طغیانی میں گھرے رہے) پھر وہ سمندر میں ایک جزیرہ تک پہنچے۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا تو وہ چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں بیٹھ کر جزیرہ کے اندر داخل ہوئے۔ تو انہیں وہاں ایک جانور ملا جو موٹے اور گھنے بالوں والا تھا۔ بالوں کی کثرت کی وجہ سے اس

کے اگلے اور پچھلے حصے کو وہ پہچان نہ سکے تو انہوں نے کہا۔ تیرے لیے ہلاکت ہو تو کون ہے (یہاں مونث کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی اے مادہ یا عورت تو کون ہے؟) اس نے کہا کہ میں جساسہ ہوں۔ ہم نے کہا، جساسہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ تم لوگ گرجے میں اس شخص کے پاس چلو جو تمہاری خبر کے بارے میں بہت مشتاق ہے۔ (یعنی تم سے دنیا کی خبریں لینا چاہتا ہے)۔ (صحیح مسلم 7386)

''جب اس نے ہمارا نام لیا تو ہم گھبرا گئے کہ کہیں یہ شخص شیطان (جن) نہ ہو۔ ہم جلدی جلدی چلے یہاں تک کہ گرجے میں داخل ہو گئے۔ وہاں ایک بہت بڑا انسان دیکھا۔ ایسا خوفناک آدمی ہماری نظروں سے نہ گزرا تھا۔ وہ بہت مضبوط بندھا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ گردن تک اور گھٹنے ٹخنوں تک لوہے کی زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے۔ ہم نے اس سے پوچھا! تیری خرابی ہو۔ تو کون ہے؟ اس نے کہا جب تم نے مجھے پالیا ہے اور تمہیں معلوم ہی ہو گیا ہے تو مجھے بتاؤ کہ تم کون لوگ ہو؟ ہم نے کہا کہ ہم عرب کے لوگ ہیں۔'' (اس کے بعد تمیم داری اور ان کے ساتھیوں نے اپنے بحری سفر، طوفان، جزیرہ میں داخل ہونے اور جساسہ ملنے کی تفصیل دہرائی) اس نے پوچھا کہ کیا بیسان کے کھجوروں کے درخت پھل لاتے ہیں؟ (بیسان ایک مقام ہے جو شام میں یا اردن میں اور بعض روایات کے مطابق یمامہ یا حجاز میں ہے) ہم نے کہا۔ ہاں، پھل لاتے ہیں۔ اس کہا کہ وہ زمانہ قریب ہے جب یہ درخت پھل نہیں لائیں گے۔ پھر اس نے پوچھا کہ بحیرہ طبریہ میں پانی ہے یا نہیں؟ ہم نے کہا اس میں بہت پانی ہے۔ اس نے کہا عنقریب اس کا پانی خشک ہو جائے گا۔ پھر اس نے پوچھا زغرد کے

چشمے کا حال بتاؤ، کیا اس چشمے میں پانی ہے اور کیا اس کے قریب کے لوگ اس پانی سے کاشتکاری کرتے ہیں؟ ہم نے کہا ہاں! پھر اس نے پوچھا امیوں کے نبی (یعنی ناخواندہ لوگوں کے نبی) کے بارے میں بتاؤ کہ اس نے کیا کیا؟ ہم نے کہا وہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے۔ اس نے پوچھا۔ کیا عربوں نے ان سے جنگ کی ہے؟ ہم نے کہا۔ ہاں! اس نے پوچھا انہوں نے عربوں سے کیا معاملہ کیا؟ ہم نے اس کو تمام واقعات بتائے اور بتایا کہ جو لوگ عربوں میں آپ کے قریبی عزیز تھے۔ ان پر آپ نے غلبہ حاصل کر لیا۔ (یعنی قریش پر) اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اطاعت قبول کر لی ہے۔ اس نے کہا کہ ان کے حق میں اطاعت کرنا ہی بہتر ہے۔ اب میں تمہیں اپنا حال بتاتا ہوں۔ میں مسیح ہوں اور میں دجال ہوں۔ عنقریب مجھ کو نکلنے کا حکم دیا جائے گا۔ میں باہر نکلوں گا اور زمین پر سفر کروں گا۔ یہاں تک کہ کوئی آبادی ایسی نہ چھوڑوں گا جس مین، میں داخل نہ ہوں۔ چالیس راتیں برابر گشت میں رہوں گا۔ لیکن مکہ اور مدینہ میں نہ جاؤں گا کہ وہاں جانے کی مجھ کو ممانعت کی گئی ہے۔ جب میں ان میں سے کسی شہر میں داخل ہونے کی کوشش کروں گا ایک فرشتہ جس کے ہاتھ میں تلوار ہوگی مجھے داخل ہونے سے روکے گا۔ ان شہروں کے ہر راستے پر فرشتے مقرر رہوں گے۔ جو راستے کی حفاظت کریں گے۔"

"اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عصا کو منبر پر مار کر فرمایا۔ یہ ہے طیبہ، یہ ہے طیبہ، یعنی المدینہ، پھر آپ نے فرمایا۔ آگاہ رہو۔ کیا میں تم کو یہی نہ بتایا کرتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آگاہ رہو کہ دجال دریائے شام میں ہے یا دریائے یمن میں۔ نہیں! بلکہ وہ مشرق کی طرف ہے۔

وہ مشرق کی طرف ہے۔ وہ مشرق کی طرف ہے۔'' (بعض روایات میں ہے کہ وہ اصفہان سے نکلے گا۔ یہ روایتیں آگے آئیں گی)۔ (صحیح مسلم حدیث 7386 اور مشکوۃ حدیث نمبر 5246)

اس حدیث کے بعض مقامات کی وضاحت قارئین کی دلچسپی کا باعث ہوگی۔

حدیث کی ابتدا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمیم داری کا قافلہ بنو لخم اور بنو جذام کے افراد پر مشتمل تھا۔ قارئین کی دلچسپی کے لیے یہاں یہ عرض کردوں کہ احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد کے حالات بتاتے ہوئے فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں آکر شادی بھی کریں گے اور ان کے یہاں اولاد بھی ہوگی۔ آپ نے فرمایا کہ وہ قبیلہ جذام کی کسی عورت سے شادی کریں گے۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ بنو جذام، حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا ایک قبیلہ ہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کے داماد تھے۔ اس طرح حضرت شعیب کی قوم کو دو جلیل القدر انبیاء کی سسرال ہونے کا شرف حاصل ہوگا۔

دجال نے تمیم داری اور اس کے ساتھیوں سے کئی سوال کیے۔ ان میں سے ایک سوال یہ تھا کہ کیا بحیرہ طبریہ کا پانی خشک ہوگیا ہے؟ یہ بحیرہ طبریہ اردن کا ایک مشہور دریا ہے۔ جو بیت المقدس سے تقریباً 50 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ (علامات قیامت صفحہ 52 حاشیہ)

حدیث میں اس کے بارے میں یہ صراحت آئی ہے کہ یاجوج ماجوج کی قوم جب رہا ہوگی تو اس قوم کے کچھ لوگ اس دریا پر سے گزریں گے اور اس کا پورا پانی پی جائیں گے۔ پیچھے آنے والی یاجوج اور ماجوج کی جماعت جب یہاں سے گزرے گی تو اس کو دیکھ کر کہے گی کہ یہاں پہلے پانی تھا۔ (جو پی لیا گیا)۔

تمیم داری کی اس روایت میں صاف الفاظ میں دجال نے کہا ہے کہ میں مسیح ہوں۔ میں دجال ہوں۔ اس سے دجال کے زندہ ہونے کے امکان کو مزید تقویت ملتی ہے۔ اس کے علاوہ عیسائیوں کا ایک بڑا طبقہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ''دجال (Antichrist) آنے والا ہے'' اور وہ آکر پوری دنیا پر اپنی حکومت قائم کرے گا۔ عہد نامہ جدید کی کتاب ''الہامات'' Revelations کے تیرہویں باب میں کہا گیا ہے کہ عنقریب دنیا میں شیطان کی عبادت کی جائے گی۔ (Rev.13:4)

بہت سے لوگوں کو معلوم ہے کہ اس وقت امریکا میں شیطان کے کئی چرچ قائم ہیں۔ وہاں شیطان کی تصاویر لگائی گئی ہیں اور باقاعدہ شیطان کی عبادت ہوتی ہے۔

عیسائیوں کا کہنا ہے کہ دجال ایک دم سے ظاہر نہیں ہوگا۔ بلکہ وہ پس منظر میں رہ کر کئی سال تک اپنی قوتوں کو جمع کرنے میں مصروف رہے گا۔ وہ اپنی موجودگی کے اظہار سے پہلے بہت احتیاط سے منصوبہ بندی کرے گا اور اس وقت تک کوئی اقدام نہ کرے گا جب تک دنیا کے حالات اس کے خروج کے حق میں نہیں ہوں گے۔ اس کا سب سے پہلا ہدف مشرقِ وسطیٰ پر کنٹرول کرنا ہوگا اور پھر ایشیائی ممالک کو اپنے زیر نگین لائے گا۔

دجال کے بارے میں اسلامی اور عیسائی روایات کے مطالعے سے یہ بات بہت قرین قیاس لگتی ہے کہ دجال ایک بہت بڑا سائنس دان ہوگا اور جو کارنامے وہ دکھائے گا۔ ان کے پیچھے سائنسی طاقت اور شیطانی قوتوں کا ہاتھ ہوگا۔ مجھے ابھی تک ایسی کوئی دلیل نہیں ملی ہے۔ جس سے اس کے زندہ ہونے کی نفی ہوتی ہو۔ اگرچہ قرآن کریم میں صرف ابلیس کو موت سے اس دنیا میں مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ اگر دجال بھی زندہ ہے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ اللہ تعالیٰ نے صرف دو کافروں کے ساتھ یہ معاملہ کیا ہے۔ ایک کو تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی دنیا میں قتل کردیں گے اور دوسرا ابلیس جو قیامت کے

بعد موت سے ہمکنار ہو گا حضرت خضر علیہ السلام کی حیات کے بارے میں جو بات عوام میں مشہور ہے اس کی بنیاد کسی مضبوط علمی دلیل پر نہیں ہے۔ (واللہ اعلم)

اسی سلسلے کی ایک اور روایت اس وقت میرے سامنے ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث سنن ابوداؤد میں دجال سے تمیم داری کی ملاقات کا تقریباً وہی واقعہ بیان کیا گیا ہے جو پہلے نقل کیا گیا ہے۔ اس حدیث کا آخری حصہ بھی دجال کے زندہ ہونے پر زیادہ وضاحت کے ساتھ دلالت کرتا ہے۔ حدیث کا ترجمہ یہ ہے:

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز منبر پر فرمایا کہ چند افراد تھے جو سمندر میں سفر کر رہے تھے۔ ان کا کھانا ختم ہو گیا تو انہیں ایک جزیرہ اٹھا ہوا نظر آیا۔ تو وہ اس میں روٹی کی تلاش میں نکل گئے تو وہاں انہیں جساسہ (جاسوسی کرنے والی) ملی۔ (ولید رحمتہ اللہ علیہ) کہتے ہیں کہ میں نے ابوسلمہ رضی اللہ عنہما سے پوچھا جساسہ کون ہے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ ایک عورت تھی۔ جو اپنے سر اور اپنی کھال کے بال کھینچ رہی تھی۔ (اس کے بعد دجال سے ملاقات اور اس کے سوالوں کا ذکر کیا جو پچھلی حدیث میں گزر چکے ہیں۔ اس کے بعد حدیث کے الفاظ یہ ہیں)'' (حضرت) جابر رضی اللہ عنہ نے گواہی دی تھی کہ وہ ابن صائد (صیاد) ہے۔ میں نے (حضرت ولید رحمتہ اللہ علیہ نے) کہا کہ وہ تو مر چکا ہے۔ کہنے لگے اگرچہ مر چکا ہو۔ میں نے کہا وہ تو اسلام لا چکا تھا۔ کہنے لگے کہ خواہ اسلام بھی لا چکا ہوں۔ میں نے کہا وہ تو مدینہ میں بھی داخل ہو گیا تھا۔ کہنے لگے خواہ مدینہ میں بھی داخل ہو گیا ہو۔'' (سنن ابوداؤد جلد سوم حدیث نمبر 923)

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہ حدیث اس اعتبار سے قابل غور ہے کہ ابن صیاد کے دجال نہ ہونے کے بارے میں علما کا یہ موقف پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ابن صیاد، دجال نہیں ہے۔ اس موقف کی بنیاد ان احادیث پر ہے جو پہلے گزر چکی ہیں کہ وہ مسلمان بھی تھا۔ حج بھی کیا تھا۔ حرمین میں داخل ہوا تھا وغیرہ۔ اس بنا پر علما کا یہ موقف دلائل ہی کی بنا پر تھا کہ ابن صیاد دجال نہیں ہے۔

لیکن حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے آخر میں جو مکالمہ حدیث کے ایک راوی حضرت ولید بن عبداللہؒ اور حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہما کے درمیان ہوا۔ وہ علما کے اس موقف کی تائید نہیں کرتا کہ ابن صیاد دجال نہیں ہے اور اس میں اس موقف کے تمام دلائل کا ذکر ہے۔ ان دلائل کو سن کر بھی حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہما کا موقف یہی رہا کہ ابن صیاد ہی دجال ہے۔ اس طرح بظاہر علما کے موقف اور اس حدیث میں کھلا تعارض نظر آتا ہے۔ لیکن حقیقت میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

یہاں قارئین کے ذہنوں میں یہ الجھن پیدا ہوگی کہ یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ پھر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہما اور حضرت ولید بن عبداللہ کے نام کہاں سے آگئے؟ اصل میں یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہما نے سنی اور ان سے حضرت ولید بن عبداللہ جو تابعی ہیں۔ انہوں نے سنی۔ یہ مکالمہ حضرت ولید اور حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہما کے درمیان ہے۔ حضرت ولیدؒ نے علما کے موقف کے مطابق یہ سوالات کیے لیکن حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ اپنے اس موقف پر مضبوطی سے قائم رہے کہ ابن صیاد ہی دجال ہے۔

ان قرائین کو سامنے رکھنے سے یہ اشکال باقی نہیں رہنا چاہیے؛ وجہ یہ ہے:

1- جس طرح کسی مجدد اور کسی اللہ کے ولی کے لیے اپنے مجدد اور ولی ہونے کا یقینی علم ہونا ضروری نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے جب تجدید دین کی خدمت لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ مجدد تھے۔ یہی حال اولیا اللہ کا ہے کہ انہیں اپنی ولایت کا علم ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس لیے اگر قیامت سے پہلے ابن صیاد کا دجال ہونا مقدر ہے تو کیا ضروری ہے کہ اسے یہ بتایا بھی گیا ہو کہ تو ہی دجال ہوگا۔ ابن صیاد کو اپنے دجال ہونے کا علم نہیں تھا۔

2- جس طرح انبیا علیہم السلام کو منصب نبوت پر فائز ہونے سے پہلے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ اللہ کے نبی ہیں۔ اسی طرح ابن صیاد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ معلوم نہیں ہوگا کہ وہ دجال ہے اور چونکہ اس وقت اس کی حیثیت مسیح دجال کی نہیں تھی۔ اس لیے وہ مدینہ منورہ میں اور مکہ مکرمہ میں داخل ہوا اور یہ بات ان احادیث کے خلاف نہیں ہوگی۔ جن میں یہ صراحت ہے کہ ''دجال'' حرمین میں داخل نہیں ہو سکے گا۔

3- مندرجہ بالا دونوں وجوہات کی بنا پر اس کا مسلمان ہو جانا بھی عقلاً اور روایتاً دونوں طرح درست ہوگا۔

4- رہی یہ بات کہ دجال تو ایسا کھلا کافر ہوگا کہ اس کی پیشانی پر صاف کافر لکھا ہوا ہوگا۔ تو پھر اس صورت میں جب وہ مسلمان ہو گیا تو دجال کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد اس کا مرتد ہو جانا کیا مشکل ہے۔ بلکہ اس نے تو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ مکرمہ کے سفر کے دوران ایک صحابی کے اس سوال پر کہ ''کیا تجھے یہ پسند ہے کہ تو ہی دجال ہو'' اس کے جواب میں اس نے جو بات کہی وہ تقریباً مرتد ہونے ہی کی بات ہے۔ اس نے جواب دیا تھا کہ ''اگر مجھ کو وہ صفات دی جائیں جو دجال میں ہیں تو میں برا نہیں سمجھوں گا۔ (صحیح مسلم)

اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے اور دجال عام موت نہیں مرے گا بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہوگا۔

5- حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہما کا حضرت ولید کو یہ جواب دینا کہ ابن صیاد ہی دجال ہے اگرچہ وہ مر چکا ہو۔ اس کا منشا بظاہر بحث سے بچنے کے لیے بات کو مختصر کرنا اور اپنے یقین کا اظہار معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ جتنی روایات اب تک ابن صیاد کے بارے میں مطالعے میں آئی ہیں ان میں سے کسی ایک روایت میں بھی ابن صیاد کی موت کا کہیں کوئی اشارہ تک موجود نہیں۔ اس لیے احتمال ہے کہ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ ابن صیاد کے زندہ رہنے کے قائل ہوں۔

ابوداؤد کی ایک روایت سے تو صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ حرہ کے دن غائب ہوگیا تھا۔ حرہ اس واقعے کو کہتے ہیں جب یزید نے مدینہ منورہ پر چڑھائی کی تھی۔ اسی لیے اس کے موت کا معاملہ بھی ایک معمہ بنا رہا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے کہ

''ہم نے حرہ کے دن ابن صیاد کو غائب پایا'' (ابوداؤد حدیث 5266)

اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ابن صیاد کے مرنے کا کوئی علم نہیں۔ لیکن کیا یہ اس کے زندہ ہونے کی دلیل ہے؟ ظاہر ہے کہ کسی کی موت کا علم نہ ہونے کے مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ مرا نہیں، زندہ ہے۔ اس لیے عام قانون عادت کے مطابق اس کو بھی مردہ تصور کیا جائے گا۔ لیکن تمیم داری کی روایت اس قانون کے خلاف ایک مضبوط شہادت پیش کرتی ہے۔

5A- تمیم داری کی روایت میں اس عظیم الجثہ شخص نے جو گرجے میں قید تھا۔ واضح الفاظ میں یہ بتایا کہ ''بیشک میں مسیح ہوں اور میں دجال ہوں۔ عنقریب مجھے

نکلنے کا حکم دیا جائے گا۔'' (مشکوۃ بحوالہ مسلم، حدیث 5246)

یہ روایت بھی کم از کم دجال کے زندہ ہونے کی خبر دے رہی ہے۔ اس روایت کے ساتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی ان روایات کو اگر ملایا جائے جن میں انہوں نے ابن صیاد ہی کو یقینی طور پر دجال قرار دیا ہے تو ابن صیاد کے زندہ ہونے اور اس کے دجال ہونے کی بات اگر یقینی نہیں تو قریب الیقین ضرور ہے۔

6- رہا یہ اشکال کہ کسی انسان کا اتنی مدت تک زندہ رہنا خلاف عادت ہے۔ جبکہ یہ مدت ہزاروں سال پر محیط ہو۔ تو بلاشبہ یہ بات خلاف عادت بھی ہے اور انسانی تجربے کے خلاف بھی۔ لیکن حق تعالیٰ شانہ کی قدرت سے یہ کیا بعید ہے کہ جس طرح انہوں نے ایک جن (ابلیس) کو حشر کے دن تک زندگی کی مہلت دے دی وہ کسی انسان کو چند ہزار سال کی زندگی عطا کردے۔ پھر دجال کے تو سارے حالات شروع سے آخر تک ایسے ہی ہوں گے جو خلاف عادت اور انسانی تجربے کے خلاف ہوں گے۔ اگر اس قیاس کو درست مانا جائے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ اللہ تعالیٰ نے دو کافروں کو طویل زندگی عطا کی جن میں سے ایک جن اور ایک انسان ہے۔

ایک اشکال پھر بھی باقی رہتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ دجال لاولد ہوگا جبکہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ابن صیاد صاحب اولاد تھا۔ اس اشکال کا بھی یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ جب وہ بحیثیت مسیح دجال ظاہر ہوگا تو اس کے کوئی اولاد نہیں ہوگی کیونکہ زندگی کی مہلت ابن صیاد کے حق میں ہوگی نہ کی اس کی اولاد کے حق میں۔

اس کے برخلاف عیسائیوں کے ایک فرقے New Ager کا عقیدہ بھی انجیل یوحنا کی ایک روایت کی بنا پر یہ ہے کہ دجال زندہ ہے اور وہ اپنے ظاہر ہونے

کے لیے مناسب وقت اور مناسب حالات کا انتظار کر رہا ہے اور اس کے ظاہر ہونے کی بیشتر علامات پوری ہو چکی ہیں۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو بیان روایت کیا گیا ہے۔ اس کی رو سے ابن صیاد کے زندہ ہونے کے گمان کی قطعی طور پر نفی ہوتی ہے۔ حدیث کا ترجمہ یہ ہے:

"حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات سے ایک مہینہ پہلے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم مجھ سے قیامت قائم ہونے کا وقت پوچھا کرتے ہو۔ اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے اور میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس وقت جو نفس بھی زمین پر موجود ہے اور پیدا کیا گیا ہے۔ اس پر سو برس نہیں گزریں گے (یعنی سو برس کے اندر اندر سب مرجائیں گے) (مشکوۃ، بحوالہ مسلم حدیث نمبر 5274)

ابن صیاد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود تھا۔ اس حدیث کی رو سے وہ بھی سو سال کے اندر اندر مر گیا ہوگا۔ اس لیے اس کے زندہ ہونے کا خیال غلط ہوگا۔ اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ ابن صیاد زندہ نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر دجال اس وقت زندہ ہے تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے 100 سال بعد پیدا ہوا ہوگا۔

کیونکہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود ہوتا تو وہ بھی 100 سال کے اندر اندر مر جاتا۔ اس حدیث کی بنا پر علما کا یہ موقف کہ ابن صیاد دجال نہیں ہے بالکل درست ہوگا۔ علما کے اس موقف کے اور بھی کچھ دلائل ضرور ہوں گے جو مجھ جیسے ادنیٰ طالب علم کے علم میں نہیں۔

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ بعض حضرات نے اس حدیث کا مفہوم یہ

لیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت قائم ہونے کی پیشگوئی فرمائی ہے کہ 100 سال بعد قائم ہو جائے گی اور یہ خیال اس لیے پیدا ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد سے قبل صحابہ کرام سے فرمایا کہ تم لوگ مجھ سے قیامت کے بارے میں پوچھا کرتے ہو۔ اس کا علم تو اللہ کو ہے لیکن جو نفس بھی اس وقت روئے زمین پر موجود ہے وہ 100 سال بعد زندہ نہیں ہوگا۔ اس سے بعض حضرات نے یہ سمجھا کہ 100 سال بعد قیامت قائم ہو جائے گی۔ کیونکہ نفس (ذی روح) زندہ نہیں رہے گا جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو یہ تعلیم دینا چاہتے تھے کہ قیامت کا وقت معلوم کرنے کا سوال اگر اس لیے ہے کہ آدمی اپنی نجات کا سامان کرے اور اعمال صالحہ میں مشغول ہو کر آخرت کو سنوارے تو اس کے لیے یہ جان لینا کافی ہے کہ اس کی قیامت قائم ہونے میں 100 سال سے کم مدت ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق جس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تھا۔ اگر اس دن کوئی بچہ پیدا ہو چکا تھا تو وہ بھی 100 سال کے اندر اندر مر جائے گا۔ قیامت قائم ہونے میں خواہ ہزاروں سال ہوں۔ مرنے والے کو ان ہزاروں سالوں کا کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔

چنانچہ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''جو مر گیا اس کی قیامت قائم ہو گئی'' (صحیح بخاری)

اسی حدیث سے امت کو یہ تعلیم بھی ملی کہ آدمی کو ایسے سوالات میں نہیں الجھنا چاہیے جن کا تعلق اس کی عملی زندگی سے نہ ہو۔ یعنی جن کا جواب حاصل کرنے میں نہ دنیا کا کوئی جائز فائدہ ہو اور نہ آخرت کا۔

ان احادیث میں کس حدیث کے راوی زیادہ قوی ہیں اور کس کے نسبتاً کمزور، اس کا فیصلہ علما ہی کر سکتے ہیں۔

اس طویل گفتگو کے بعد بھی یہ سوال اپنی جگہ باقی رہا کہ حقیقت کیا ہے؟ دجال زندہ ہے یا نہیں؟ اس کا مومنانہ جواب یہی ہے کہ اس کے معلوم ہونے پر ہمارا نہ دنیا کا کوئی فائدہ موقوف ہے اور نہ آخرت کا۔ اس لیے کام میں لگنا چاہیے۔ یعنی آخرت کی فکر میں کیونکہ ہمیں کچھ معلوم نہیں کہ ہماری قیامت کب قائم ہو جائے گی۔

دجال کن حالات میں ظاہر ہو گا

حضرت ابوالطفیل اللیثیؒ فرماتے ہیں کہ جب میں کوفہ میں تھا تو یہ افواہ اڑ گئی کہ دجال نکل آیا ہے۔ ہم حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور میں نے کہا ''یہ دجال تو نکل آیا ہے'' آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، بیٹھ جاؤ! میں بیٹھ گیا۔ اتنے میں اعلان ہوا کہ یہ ایک کذاب کا جھوٹ ہے۔ (پھر) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر دجال تمہارے زمانے میں نکلتا تو بچے اسے کنکریاں مارتے۔ وہ تو ایسے زمانے میں نکلے گا جب اچھے لوگ کم رہ جائیں گے۔ دین میں کمزوری آجائے گی۔ آپس کی عداوتیں پھیلی ہوئی ہوں گی۔ پس وہ ہر گھاٹ پر اترے گا اور مسافتیں اتنی تیز رفتاری سے طے کرے گا کہ (گویا) اس کے لیے زمین لپیٹ دی جائے گی۔ جیسے کہ مینڈھے کی کھال لپیٹ دی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ مدینہ (کے آس پاس) آئے گا۔ بیرون مدینہ پر اس کا غلبہ ہو جائے گا اور اندرون مدینہ سے اسے روک دیا جائے گا۔ (دوسری احادیث میں وضاحت ہے کہ مدینہ منورہ کے سات راستے ہوں گے اور ہر راستے پر فرشتوں کا پہرہ ہو گا جو اسے مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے روک دیں گے۔)

پھر وہ ایلیا (بیت المقدس) کے پہاڑ تک آئے گا اور مسلمانوں کی

ایک جماعت کا محاصرہ کرلے گا۔ مسلمانوں کا امیر (امام مہدی) ان سے کہے گا کہ اس سرکش سے جنگ کرنے میں تم کس کا انتظار کر رہے ہو۔ (اس کا مقابلہ کرو) یہاں تک کہ تم اللہ سے جاملو۔ یا فتح یاب ہو جاؤ۔ پس مسلمان طے کرلیں گے کہ صبح ہوتے ہی اس سے جنگ کریں گے۔ اب مسلمان اس حال میں صبح کریں گے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام ان کے ساتھ ہوں گے۔ پس عیسیٰ علیہ السلام دجال کو قتل کریں گے اور اس کے ساتھیوں کو شکست دیں گے۔ (علامات قیامت صفحہ 71 بحوالہ مستدرک، حاکم الدرالمنثور)

اس حدیث میں حضرت حذیفہ ابن اسید رضی اللہ عنہ نے بہت سی حدیثوں کے مضامین کا ایک خلاصہ بیان کیا ہے۔

لیکن جو بات یہاں قابل غور ہے کہ وہ یہ ہے کہ دجال کے ظاہر ہونے کے وقت کی جو علامتیں اس حدیث میں بیان کی گئی ہیں۔ وہ سب علامتین مکمل (یا ادھوری) پوری ہو چکی ہیں۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ دجال کے ظاہر ہونے کے وقت اچھے لوگ کم ہو جائیں گے۔ یہ علامت ہمارے اس دور میں واضح طور پر سامنے ہے۔ متقی پرہیزگار اور دیانتدار لوگ کم ہیں اور روز بروز کم ہو رہے ہیں۔ اچھے لوگوں میں کتنی کمی آنے پر دجال ظاہر ہوگا یہ اس میں وضاحت نہیں ہے۔ دوسری علامت یہ بیان فرمائی، دین میں کمزوری آجائے گی۔ اس علامت پر بھی کسی تبصرے کی ضرورت نہیں ہے۔ دین کی کمزوری کا یہ حال ہے کہ جو لوگ ایمان اور اسلام کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے اپنی وضع قطع، اپنی زندگی کی ترجیحات اور اپنے ایمان کی حفاظت کے لیے اسلامی اقدار سے چمٹے ہوئے ہیں۔ انہیں انتہا پسند، کنوئیں کے مینڈک اور لکیر کے فقیر جیسے خطاب دے کر معاشرے نے ایک نظر انداز طبقے میں تبدیل کر دیا ہے۔ تیسری علامت یہ بتائی گئی کہ آپس کی عداوتیں پھیلی ہوئی ہوں گی۔

ان عداوتوں کی وجہ سے آج قتل وغارت گری کا جو بازار گرم ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ دجال کے خروج کے وقت اگرچہ اور بھی علامتوں کا ذکر ہے مگر اس حدیث کے مطابق دجال کے ظاہر ہونے کی یہ تین علامتیں تو یقیناً پوری ہو چکی ہیں۔

دجال کہاں ظاہر ہوگا

حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ سے ترمذی میں یہ حدیث روایت کی گئی ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بیان فرمایا کہ دجال مشرق کی ایک زمین سے نکلے گا، جس کا نام خراسان ہوگا۔ بہت سی قومیں جن کے چہرے ڈھال کی مانند تہہ بہ تہہ پھولے ہوئے ہوں گے اس کی اطاعت اختیار کرلیں گے''۔ (مشکوۃ حدیث نمبر 5251)

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دجال کی اطاعت کرنے والے یہ لوگ ترکمانستان کے علاقوں کے منگول قبائل ہوں گے۔ جن کے بارے میں احادیث میں ''ترکوں'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور ان سے مسلمانوں کی ایک بڑی جنگ کے بارے میں بھی احادیث گزر چکی ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبکہ آپ مشرق کی طرف رخ کیے ہوئے تھے۔ تین مرتبہ فرمایا کہ فتنہ یہاں سے طلوع ہوگا۔ دجال کے ظاہر ہونے کے بارے میں ایک اور حدیث مسند احمد میں ملتی ہے جو پہلے بھی نقل کی گئی ہے۔

اس کا ترجمہ یہ ہے:

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے۔ میں اس وقت رو رہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رونے کا سبب پوچھا، میں نے کہا یا رسول اللہ مجھے دجال یاد آگیا تھا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ میری زندگی

میں نکلا تو میں تمہارے لیے کافی ہوں اور اگر دجال میرے بعد نکلا تو (تمہیں پھر بھی خوف زدہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اس کے خدائی کے دعوے کو جھٹلانے کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ وہ کانا ہوگا) تمہارا رب کانا نہیں ہے... وہ اصفہان کے ایک مقام یہودیہ میں نکلے گا" (علامات قیامت حدیث نمبر 33)

اس حدیث میں پہلی بات تو یہ قابل ذکر ہے کہ صحابہ کرام میں فتنہ دجال کے بارے میں اس قدر خوف اور تشویش تھی کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، دجال کے صرف خیال آجانے سے رونے لگیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طرف تو یہ فرمایا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے قیامت تک آنے والے فتنوں میں سب سے زیادہ خوفناک اور عظیم فتنہ، دجال کا فتنہ ہوگا اور دوسری طرف صحابہ کرام سے یہ بھی فرمادیا تھا کہ دجال کے فتنے سے دور رہنا کیونکہ اس فتنے کے آگے بڑے بڑے ایمان والے بھی اس کے دھوکے میں آکر اس پر ایمان لے آئیں گے۔ چنانچہ ابوداؤد میں ایک روایت کے الفاظ کا یہ ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

"حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دجال کے آنے کی خبر سنے۔ اس کو چاہیے کہ وہ اس سے دور رہے۔ اللہ کی قسم! آدمی دجال کے پاس آئے گا اور وہ اپنے آپ کو مومن سمجھتا ہوگا۔ لیکن پھر بھی اس کی اطاعت قبول کرلے گا۔ اس لیے کہ اس کو جو چیزیں دی گئی ہیں وہ ان سے شبہات میں پڑ جائے گا۔"

(مشکوۃ حدیث نمبر 5252 بحوالہ ابوداؤد)

ذرا سوچیے کہ صحابہ کرام کی وہ جماعت جو ایمان و یقین کے پیکر تھے وہ بھی دجال کے اس فتنے سے خوف زدہ تھے کہ کہیں وہ اس کے فریب میں مبتلا نہ ہوجائیں

تو ہمارے زمانے کے لوگوں کے ایمان کا جو حال ہے وہ تو ظاہر ہے۔ اوپر کی دو حدیثوں میں دجال کے ظاہر ہونے کے مقامات کا ذکر ہے۔ پہلی حدیث میں خراسان کا ذکر کیا گیا ہے جبکہ دوسری حدیث میں اصفہان میں یہودیہ کا ذکر ہے۔ دراصل ایران، شام، عراق اور مصر کی جغرافیائی تقسیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں وہ نہیں تھی جو آج کل ہے۔ ان ملکوں کے آس پاس کے وہ علاقے جواب الگ الگ ملک کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ ان ممالک میں شامل تھے۔ اس لیے کسی روایت میں اس علاقے کا معروف نام ذکر کر دیا جاتا ہے جس سے وہ خاص شہر یا آبادی مقصود نہیں ہوتی جبکہ بعض حدیثوں میں مقام کا تعین کر دیا جاتا ہے۔ پہلی حدیث جس میں دجال کے ظاہر ہونے کی جگہ اصفہان کو بتایا گیا ہے۔ اس حدیث کے ذیل میں مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب نے حاشیے میں مندرجہ ذیل نوٹ اس کی وضاحت کے لیے بڑھایا ہے۔ ''اصفہان، ایران کے ایک مشہور علاقے کا نام ہے۔ علامہ یاقوت حموی نے معجم البلدان میں ذکر کیا ہے کہ بخت نصر کے زمانے میں جب یہودیوں کو بیت المقدس سے نکالا گیا تو اس کی ایک جماعت اصفہان کے علاقے میں ایک مقام پر جا کر آباد ہو گئی۔ یہاں انہوں نے مکانات وغیرہ تعمیر کیے اور یہیں ان کی نسل پھیلتی رہی اور اس مقام کا نام یہودیہ پڑ گیا'' (علامات قیامت حاشیہ صفحہ 79)

یہ بات اس لیے بھی قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ احادیث میں واضح الفاظ میں یہ روایات آئی ہیں کہ (سب سے پہلے) دجال کی اطاعت کرنے والے یہودی ہوں گے اور 70 ہزار یہودی ہر وقت اس کے ساتھ رہیں گے۔

مدینہ منورہ کا مردِ مومن

دجال کے ایک بڑے فتنے کا ذکر کرتے ہوئے ایک صالح شخص کا ذکر کیا گیا تھا جسے دجال شہید کر کے اس کے دو ٹکڑے کرے گا اور پھر اس کو زندہ کر دے گا۔ اگرچہ پہلے یہ واقعہ بیان ہو چکا ہے مگر بعض تفصیلات صحیح بخاری و مسلم میں کچھ زیادہ ہیں، اس لئے نقل کی جاتی ہیں۔ اس مردِ صالح کا واقعہ صحیح بخاری میں بھی ہے اور صحیح مسلم میں بھی۔ صحیح مسلم کی حدیث میں اس واقعے کی تفصیل ذیل کے مطابق ہے۔

"حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دجال مدینہ کی طرف آئے گا لیکن وہ اللہ کے حکم سے مدینہ کے راستوں میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ آخر وہ مدینہ کے قریب کی شور زمین میں ٹھہر جائے گا۔ اس کے پاس ایک شخص آئے گا جو اس زمانے کے بہترین لوگوں میں سے ہوگا اور اس سے (دجال سے) کہے گا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ تو ہی وہ دجال ہے جس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو دی ہے۔ دجال اپنے لوگوں سے کہے گا کہ "اگر میں اس شخص کو قتل کر کے دوبارہ زندہ کر دوں تو کیا پھر بھی میرے بارے میں شک کرو گے۔ (یعنی میرے خدا ہونے کے بارے میں) لوگ کہیں گے کہ نہیں (پھر ہمیں کوئی شک نہیں رہے گا) دجال اس شخص کو قتل کر دے گا اور پھر اس کو زندہ کر دے گا۔ وہ شخص زندہ ہو جانے کے بعد دجال سے کہے گا۔ اللہ کی قسم اس وقت سے پہلے مجھے (تیرے دجال ہونے کا) اتنا یقین نہیں تھا جتنا اب ہے۔ پھر دجال اس کو (دوبارہ) قتل کرنے کی کوشش کرے گا۔ لیکن اس پر قابو نہ پا سکے گا۔" (مشکوٰۃ۔ حدیث 5243)

ایک دوسری حدیث میں جو حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ اس شخص کے بارے میں رسول اللہ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے۔ ''پھر وہ ایک شباب سے پُر نوجوان کو بلائے گا اور اسے تلوار مار کر دو ٹکڑے کر دے گا اور دونوں ٹکڑوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہو جائے گا جتنا تیر مارنے والے اور اس کے نشانے کے درمیان ہوتا ہے۔ پھر وہ اس نوجوان کو آواز دے گا۔ پس نوجوان (زندہ ہوکر) ہنستا ہوا پر رونق چہرے کے ساتھ اس کی طرف بڑھے گا۔'' (علامات قیامت صفحہ 50)

صحیح مسلم میں اس واقعے کی کچھ مزید تفصیل ملتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ یہ مرد مومن جب دجال کے پڑاؤ میں پہنچے گا تو دجال کے محافظ اس کا راستہ روک کر کہیں گے کہ کہاں جا رہے ہو؟ وہ شخص کہے گا کہ میں اس کی طرف جا رہا ہوں جس نے خروج کیا ہے۔ اس پر اس کے محافظ کہیں گے تو ہمارے رب (یعنی دجال) پر ایمان کیوں نہیں لے آتا؟ وہ کہے گا کہ ہمارے پروردگار کی صفات کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں، (یعنی جو صفات دجال میں ہیں وہ ہمارے رب میں نہیں ہوسکتیں) دجال کے محافظ آپس میں کہیں گے کہ اس کو مار ڈالو۔ لیکن بعض لوگ کہیں گے کہ دجال کا حکم یہ ہے کہ اس کے حکم کے بغیر کسی کو قتل نہ کریں۔ غرض وہ لوگ اس مرد مومن کو دجال کے پاس لے جائیں گے۔ دجال اس شخص کو چت لٹانے کا حکم دے گا اور لوگوں کو حکم دے گا کہ اس کو پکڑو اور مارو۔ چنانچہ اس کو بہت مارا جائے گا یہاں تک کہ اس کی پشت اور پیٹ کو چپٹا کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد دجال اس شخص سے پوچھے گا کیا تو مجھ پر ایمان نہیں لائے گا؟ وہ مرد مومن جواب دے گا کہ تو جھوٹا مسیح ہے۔ پھر دجال کے حکم سے اس کو آرے سے چیرا

جائے گا اور دو ٹکڑے الگ الگ رکھ دیے جائیں گے۔ پھر دجال ان دونوں ٹکڑوں کے درمیان چلے گا اور کہے گا ''قم'' (کھڑا ہو جا، وہ مرد مومن سیدھا کھڑا ہو جائے گا۔ دجال پھر اس سے کہے گا کی اب تو مجھ پر ایمان لاتا ہے؟ وہ مسلمان کہے گا کہ اب تو میرا یقین اور بصیرت (تیرے دجال ہونے کے حق میں) اور بڑھ گئی ہے اور پھر وہ مرد مومن مسلمانوں سے خطاب کرے گا اور کہے گا لوگو! یہ دجال جو کچھ میرے ساتھ کر چکا ہے۔ اب کسی دوسرے آدمی کے ساتھ نہیں کرسکتا۔ (یعنی کسی کو مار کر دوبارہ زندہ نہیں کرسکتا) پھر دجال اس کو قتل کرنے کی کوشش کرے گا مگر اس پر قابو نہیں پاسکے گا۔'' (مشکوۃ بحوالہ مسلم حدیث 5240)

مدینہ منورہ کے محاصرے کے دوران جس میں مذکورہ بالا مرد مومن کا واقعہ پیش آئے گا۔ اس کے بعد اسی روایت میں یہ بیان ملتا ہے۔

''(اس کے بعد) مدینہ میں تین زلزلے آئیں گے۔ جن کی وجہ سے ہر منافق مرد و عورت مدینہ (طیبہ) سے نکل کر دجال سے جا ملے گا اور (ان زلزلوں کے ذریعے) مدینہ طیبہ گندگی (منافقوں) کو اپنے سے اس طرح دور کر دے گا جس طرح لوہار کی دھونکنی (جس سے بھٹی کی آگ کو ہوا دی جاتی ہے) لوہے کا زنگ دور کر دیتی ہے۔ (اسی لیے) اس دن کو ''یوم نجات'' کہا جائے گا۔'' (علامات قیامت بحوالہ ابوداؤد، ابن ماجہ وغیرہ)

(ابتدائے اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کو جہاد کے ذریعے منافقین سے پاک فرما دیا تھا اور آخری دور میں اللہ تعالیٰ زلزلوں کے ذریعے اپنے رسول کے اس شہر کو منافقین سے پاک فرمائیں گے)

اسی حدیث میں آگے بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ

حالات سن کر حضرت ام شریک (ایک جلیل القدر صحابیہ) رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ "یارسول اللہ عرب اس زمانے میں کہاں ہوں گے" آپ نے فرمایا کہ "عرب اس زمانے میں کم ہوں گے اور ان میں سے اکثر بیت المقدس میں ہوں گے۔ ان کا امام ایک مرد صالح ہوگا (یعنی امام مہدی)"

حضرت ام شریک رضی اللہ عنہ کے اس سوال کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ عرب تو اپنی شجاعت، بہادری اور اسلامی غیرت وحمیت کرنے والے ہوتے ہیں۔ ان کے ہوتے ہوئے دجال کو اتنے بڑے پیانے پر فساد پھیلانے کا موقع کیسے مل جائے گا۔ اس کے علاوہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ دجال کے دور میں مسلمانوں کی تعداد اتنی ہوگی کہ ان کا اجتماع مدینہ منورہ اور شام تک محدود ہوگا (واللہ اعلم)

سبز شالوں والے مسلمان دجال کی اطاعت کریں گے

مشکوۃ میں شرح السنہ کے حوالے سے ایک حدیث نقل کی گئی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

"حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت میں سے 70 ہزار آدمی جن کے سروں پر سبز شالیں پڑی ہوں گی۔ دجال کی اطاعت قبول کرلیں گے۔"

(مشکوۃ جلد سوم حدیث 5253)

دجال کی اطاعت کرنے والے یہودی

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اوپر بیان کی گئی حدیث میں بھی 70 ہزار یہودیوں کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے کہ ان کے سروں پر چادریں پڑی ہوں گی اور اس حدیث میں مسلمانوں کی جماعت جو دجال کی اطاعت کریں گے ان کے

بارے میں بھی یہ ارشاد ہے کہ ان کے سروں پر سبز شالیں ہوں گی۔ فرق صرف یہ ہے کہ پہلی حدیث میں چادروں کے لیے جو عربی کا لفظ اختیار کیا گیا ہے وہ "طیالسہ" ہے جبکہ اس حدیث میں عربی کا لفظ سیجان ہے۔ طیالسہ چادروں کو کہتے ہیں جبکہ سیجان کا لفظ شال، رومال اور چادر کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ پہلی حدیث صحیح مسلم کے حوالے سے ہے۔

ظہور کے بعد دجال کی عمر

پچھلے مضمون میں جس طویل حدیث سے دجال کے بڑے فتنوں کا ذکر کیا گیا تھا۔ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے ظاہر ہونے کے بعد اس کی مدت کا ذکر بھی جزوی تفصیلات کے ساتھ کیا ہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے فساد پھیلانے کا ذکر فرمایا تو صحابہ اکرام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ "یا رسول اللہ، وہ کب تک زمین پر رہے گا" تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "چالیس دن، اس کا ایک دن تو ایک سال کے برابر ہوگا اور ایک دن ایک مہینے کے برابر اور ایک دن ایک ہفتے کے برابر اور باقی دن ہمارے دنوں کے برابر ہوں گے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس کا جو دن ایک سال کے برابر ہوگا۔ کیا اس دن ہماری ایک دن کی نماز کافی ہوگی، فرمایا نہیں، بلکہ اس روز ایک دن کا اندازہ کر کے نماز پڑھنی ہوگی۔" (مشکوٰۃ حدیث نمبر 5239)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دجال کے ان حالات کا ذکر فرمار ہے تھے تو تمام صحابہ رضی اللہ عنہ پر ایک خوف کی کیفیت طاری تھی اور بعض صحابہ کا بیان ہے کہ ہمیں یہ محسوس ہو رہا تھا کہ وہ کہیں قریبی نخلستان میں موجود ہے۔ اس حالت میں صحابہ

کوسب سے پہلی فکر یہ ہوئی کہ جب ایک دن ایک سال کے برابر طویل ہوگا تو ان کی نمازوں کا کیا ہوگا؟ یہ بات ان لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے جو عبادات اور خصوصاً نماز وغیرہ میں یہ سمجھ کر کوتاہی کرتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا حق ہے۔ اللہ معاف فرمادے گا۔ نماز کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیجیے کہ صحابہ رضی اللہ عنہ کو سب سے پہلے نماز کی فکر لاحق ہوئی۔ یہ سوال نہیں ہوا کہ ایک دن، ایک سال کے برابر کیسے ہوگا۔ اور لوگوں پر کیا گزرے گی؟

دجال کی سواری

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دجال ایک سفید گدھے پر سوار ہو کر نکلے گا۔ جس کے دونو ں کانوں کے درمیان کا حصہ 70 باع چوڑا ہوگا۔ (ایک باع دونوں ہاتھوں کے برابر ہوتا ہے)۔ (مشکوۃ بحوالہ بیہقی حدیث نمبر 5257)

دجال کی سواری کا ذکر صحاح ستہ کی کسی کتاب میں موجود نہیں ہے۔ یہ حدیث بیہقی کے حوالے سے مشکوۃ میں ملتی ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور حدیث جو حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس کو علامات قیامت میں الحاوی سے مستدرک حاکم کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے۔ اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے

"دجال کے گدھے کے دونوں کانوں کے درمیان 40 ہاتھ کا فاصلہ ہوگا"

دجال کے گدھے والی یہ روایت عوام میں بہت مشہور ہے اور راقم الحروف نے بعض بہت ثقہ بزرگوں سے بھی یہ روایت سنی ہے۔ میں نے جب تقریباً 35 سال پہلے یہ روایت پڑھی تھی اس وقت بھی ذہن میں ایک سوال پیدا ہوا تھا اور آج بھی

اس روایت کو نقل کر رہا ہوں تو ایک نئے سوال کا اضافہ ہو گیا ہے۔ اس وقت تو یہ سوال تھا کہ ایسا کوئی گدھا جس کے دو کانوں کے درمیان 40 یا 70 ہاتھ کا فاصلہ ہو تو وہ گدھا خود کتنا بڑا ہوگا؟ اور کسی ایسے گدھے کا وجود عادتاً ناممکن نظر آتا ہے۔

نیا سوال یہ ہے کہ دجال کی مدت اس کے خروج کے بعد صرف 427 دن ہوگی یعنی صرف 14 ماہ اور 14 دن۔ اس مختصر مدت میں روایات کے مطابق وہ پوری دنیا میں گھوم جائے گا اور ہر بستی سے گزرے گا۔ جنگیں لڑے گا۔ مدینہ منورہ کے مضافات میں پڑاؤ ڈالے گا۔ پھر بیت المقدس کا محاصرہ کرے گا۔ کسی بھی چوپائے کے لیے یہ عادتاً ممکن نہیں ہے کہ وہ اس عرصے میں پوری دنیا کی ہر بستی پر سے گزر جائے۔ بلکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حرمین اور بیت المقدس کے علاوہ پوری روئے زمین پر اپنی حکومت قائم کرلے گا۔ اس عالمی حکومت کے قیام کے لیے وہ سیاسی اور جنگی قوتوں کا استعمال کرے گا۔ یہ بات اگر ناممکن نہیں تو محال یقیناً ہے۔ ناممکن تو اس لیے نہیں کہ دجال کی پوری شخصیت، اس کی صفات اور تمام معرکے سب ایسے ہی ہوں گے جو عادتاً ممکن نہیں ہیں۔ مردے کو زندہ کرنا، بادلوں کا اس کے حکم سے بارش برسانا، مادرزاد اندھوں اور برص کے مریضوں کو شفا دے دینا وغیرہ۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کچھ بھی بعید نہیں ہے کہ وہ اس کے لیے ایک برق رفتار گدھا ان تمام صفات کے ساتھ پیدا کردے۔

لیکن اکیسویں صدی کے اس دور میں جبکہ سائنس اور ٹیکنالوجی ہر آنے والے دن میں حق تعالیٰ شانہ کی قدرت کے چھپے ہوئے رازوں کو بے نقاب کر رہی ہے۔ دجال کی ان تمام قوتوں کی سائنسی توجیہہ ممکن ہوگئی ہے۔

میں 1998ء میں سعودی عرب سے عمرہ کر کے واپس آ رہا تھا۔ جہاز کے کپتان نے غالباً مجھے پہچان لیا تھا اور کاک پٹ میں بلوالیا۔ (کاک پٹ کا اردو

ترجمہ کروں گا تو پی آئی اے ناراض ہو جائے گی۔) کپتان صاحب نے سلام کے بعد مجھے اپنے قریب بٹھایا اور چند سوال ہوائی سفر کے دوران نمازوں کے بارے میں کیے۔ میں نے بھی اس موقع کو غنیمت سمجھا، میرے ذہن میں دجال کے گدھے والی روایت کی ایک تاویل یہ تھی کہ شاید گدھے سے مراد گدھا نہیں بلکہ کوئی جدید ہوائی جہاز ہوگا اور اس کی پیشانی پر لکھے ہوئے ک، ف، ر کے حروف کسی کمپنی کے ابتدائی حروف ہوں گے جو روشن ہوں گے۔ جیسے پاکستان انٹرنیشنل ایئر لائنز کے ابتدائی حروف پی آئی اے (P.I.A) ہیں۔ چنانچہ میں نے ان سے سوال کیا کہ اس 707 طیارے کے پروں کی لمبائی کی پیائش کیا ہوتی ہے۔ انہوں نے ایک تخمینی اندازہ میٹروں میں بتایا تھا۔ وہ پیائش تقریباً 70 باع کے قریب قریب تھی۔

کیا دجال کوئی فرد ہے؟

اس سوال کا جواب پہلے مختصر طور پر دے چکا ہوں۔

تمام احادیث میں دجال کا ذکر ایک فرد کی حیثیت سے اس کے ناک نقشے کی تفصیلات کے ساتھ آیا ہے۔ اس لیے اس کو ایک فرد ہی ماننا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ البتہ احادیث میں اس کا ذاتی نام کہیں نہیں آیا بلکہ ''دجال'' کا لفظ اختیار کیا گیا ہے۔ جو نام نہیں بلکہ ایک صفت ہے۔ اس کے علاوہ قارئین نے یہ خبر بھی ضرور پڑھی ہوگی کہ امریکی صدر بش نے حال ہی میں جو اسرائیل کا دورہ کیا تھا اس کے مذاکرات کی تفصیل ماسکو ٹائمز نے ایک رپورٹ میں بتائی ہے۔ جس میں فلسطینی وزیر اعظم محمود عباس اور حماس کے لیڈر شامل تھے۔ اس مجلس میں بش نے کئی دعوے کیے تھے۔ محمود عباس کے مطابق بش نے دعویٰ کیا کہ:

1- ''اس نے (حالیہ حکمت عملی اور اپنے اقدامات کے لیے) روحانی قوت

براہ راست اللہ تعالیٰ سے حاصل کی ہے۔''

2- اللہ نے مجھے حکم دیا کہ القاعدہ پر ضرب لگاؤ۔ اس لیے میں نے اس پر ضرب لگائی اور پھر مجھے ہدایت کی کہ میں صدام پر ضرب لگاؤں جو میں نے لگائی اور اب میرا پختہ ارادہ ہے کہ میں مشرق وسطیٰ کے مسئلے کو حل کروں۔ اگر تم لوگ میری مدد کرو گے تو میں اقدام کروں گا اور اگر نہیں تو پھر میں آنے والے الیکشن پر اپنی توجہ مرکوز کروں گا۔''

اگر یہ رپورٹ صحیح ہے تو مذکورہ بالا دعووں سے ایک طرف بش کے نبوت کے دعوے کی تصدیق ہوتی ہے تو دوسری طرف امریکا کی قیادت کا یہ ذہن کھل کر سامنے آتا ہے کہ وہ پوری دنیا کو بلاشرکت غیرے اپنی غلامی کی زنجیروں میں جکڑنے کے لیے جو اقدامات کر رہی ہے اس کے پیچھے صرف سیاسی اور جنگی مقاصد نہیں ہیں بلکہ مذہبی جنون بھی ہے۔ جو ہر جھوٹے نبی کی خصوصیت ہوتی ہے۔ اگر تھوڑی دیر کے لیے یہ فرض کر لیا جائے کہ دجال کوئی متعین فرد نہیں ہے تو اس وقت کے حالات میں دجال کی صفات کا ظہور جس طرح آہستہ آہستہ امریکا کی قیادت میں نمودار ہو رہا ہے اس کی مثال ہمیں تاریخ میں نہیں ملتی۔ آنے والے حالات کیا ثابت کرتے ہیں اس کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

سائنسی توجیہات

جہاں تک دجال کی تیز رفتاری اور اسکے دوسرے مافوق العادت کارناموں کی سائنسی توجیہہ کا تعلق ہے۔ اب سائنسی معلومات کی روشنی میں یہ ممکن ہوگیا ہے کہ دجال کے پر فریب کارناموں کے اسباب پر گفتگو کی جاسکے۔ اس حدیث میں جو حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے دجال کے بڑے بڑے فتنوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور جس کے کچھ حصے ''دجال کے بڑے فتنے'' کے عنوان میں آگئے ہیں اس میں صحابہ نے دجال کے خروج کے بعد اس کی عمر کی مدت کے بارے میں سوال کیا تھا۔اس کے فوراً بعد صحابہ اکرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دجال کی تیز رفتاری کے بارے میں بھی مندرجہ ذیل سوال کیا۔

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ نے پوچھا۔''یا رسول اللہ زمین پر اس کی رفتار کیا ہوگی؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ اس ابر کے مانند تیز رفتار ہوگا جس کے پیچھے ہوا ہو

یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی رفتار کو ایک محسوس مثال سے سمجھایا ہے۔یعنی جس طرح تیز رفتار آندھی بادلوں کو ہانک کر لے جاتی ہے۔دجال بھی اس تیز رفتاری سے سفر کرے گا۔اس مثال میں ایک اشارہ ہوائی سفر کا پایا جاتا ہے۔ اس لیے یہ بات بعید از قیاس نہیں ہے کہ دجال پوری دنیا میں اپنے سفر کے لیے کوئی انتہائی جدید طیارہ استعمال کرے اور اس کا نام گدھے کے ہم معنی ہو مثلاً انگریزی کا ASS۔

مغرب کے لوگ اپنے اور اپنی پسندیدہ چیزوں کے نام رکھنے کے معاملے میں بالکل منفرد اور منفی رویہ رکھتے ہیں۔مثلاً یورپ میں تیار ہونے والی خوشبوؤں ہی کے نام لے لیجیے۔Poison (زہر)، Havoc (تباہی)، Opium (افیون)، Danger (خطرہ)، Madness (پاگل پن)۔اسی طرح امریکا کی ایک آبدوز کا نام Tortoise (کچھوا) ہے۔ان کے کپڑوں کے اکثر نام آپ کو منفی ملیں گے۔مثلاً Shocky (دھچکا لگانے والا) ایک لباس کا نام ہے۔Crime

(جرم) اسی طرح ایک کمپنی جو غالبًا کاسمیٹک تیار کرتی ہے اس کا نام ہے White Worm (سفید کیڑا) اگر لندن کا ایئر پورٹ ہیتھرو، بھی Heath سے نکلا ہے تو اس کے معنی شور اور بنجر زمین کے ہیں۔

اب معیشت اعداد میں سمٹ رہی ہے۔ آپ جو چیک کاٹ کر اپنا گھر فرنیچر وغیرہ خریدتے ہیں وہ ایک بینک کے ایک رجسٹر سے دوسرے رجسٹر میں اعداد کی کمی بیشی کا نام ہے۔ دولت منتقل نہیں ہوتی صرف کاغذ کا ایک ٹکڑا جسے چیک کہتے ہیں وہ ایک رجسٹر سے بیلنس کم کر کے دوسرے رجسٹر کے بیلنس میں اتنا ہی اضافہ کر دیتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا "پھر وہ ایک ویرانے یا خرابے پر سے گزرے گا اور اس کو حکم دے گا کہ وہ اپنے خزانوں کو نکال دے (وہ ویرانہ اپنے خزانے نکال دے گا) اور وہ خزانے اس طرح اس کے پیچھے ہولیں گے جس طرح شہد کی مکھیوں کے پیچھے مکھیاں ہولیتی ہیں۔"

یہ بات تو صراحتًا معلوم ہوتی ہے کہ دجال اپنے وقت کے مادی وسائل کا مرکز ومحور ہوگا اور دنیا کی بیشتر دولت پر اس کا قبضہ ہوگا۔ آخر میں یہ وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ میری اس گفتگو کا مقصد یہ ثابت کرنا نہیں ہے کہ دجال، اس کی سواری، تیز رفتاری اور اس کے دوسرے سب کارنامے جو احادیث میں بیان ہوئے ہیں کسی طاقت کے لیے استعارات اور مثالیں ہیں؛ بلکہ یہ ثابت کرنا ہے کہ حدیث کے بارے میں جو بعض مشہور مستشرقین یہ کہتے ہیں کہ حدیث اس لیے قابل یقین نہیں ہے کہ اس میں ایسی باتیں بیان کی گئی ہیں جو غیر سائنسی اور غیر عقلی ہیں۔ جبکہ قرآن کی زبان، تاریخ اور مضامین پر کوئی سائنسی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ اب حدیث پر یہ اعتراض غیر سائنسی اور غیر عقلی ہوگا۔ جب سے کلوننگ میں کامیابی ہوئی ہے اور خصوصًا انسانی کلوننگ کا دعوی سامنے آیا ہے۔ مغرب کے سنجیدہ طبقے اور خود سائنس

دان یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ سائنسی ترقی کے اس گھوڑے کو اگر لگام نہ دی گئی تو انسانی رشتے اور انسانی اقدار بے معنی ہو جائیں گی اور انسانیت کو شدید خطرہ لاحق ہو جائے گا۔ اسی سائنسی ترقی کے نتیجے میں آج کا انسان جس تیزی سے ایک مادی مشین میں تبدیل ہو رہا ہے وہ آج سب کے سامنے ہے۔ ان حالات میں صرف ایمان کی ڈھال ہی آنے والے فتنوں سے مسلمانوں کی حفاظت کر سکتی ہے۔

اب آئی پیڈ اور جدید سیل فون اس تیز رفتار سائنسی ترقی کا مظہر ہے۔ یہ ترقی کا سفر آگے کیا گُل کھلاتا ہے، یہ وقت ہی بتائے گا۔

دجال کے آخری حالات

دجال اور قحط سالی

''حضرت اسماء بنت یزید کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر کیا اور فرمایا کہ دجال کے آنے سے پہلے تین سال ایسے آئیں گے جن میں سے ایک سال میں آسمان تہائی بارش کو اور زمین تہائی پیداوار کو روک لے گی اور دوسرے سال آسمان دو تہائی بارش کو اور زمین دو تہائی پیداوار روک لے گی اور تیسرے سال نہ بارش ہوگی اور نہ پیداوار۔ پھر نہ کوئی کھر والا جانور باقی بچے گا اور نہ دانت والا۔

اور دجال کے فتنوں میں سے ایک فتنہ یہ ہوگا کہ وہ ایک اعرابی (سادہ لوح دیہاتی) کے پاس آئے گا اور اس سے کہے گا کہ اگر میں تیرے اس اونٹ کو زندہ کردوں جو مر چکا ہے تو کیا تو یہ مان لے گا کہ میں تیرا رب ہوں؟ وہ کہے گا۔ ہاں۔ تو شیطان اس کے اونٹوں کی شکل میں (اس کے سامنے آئے گا) اور یہ اونٹ تھنوں کی درازی اور کوہان کی بلندی کے اعتبار سے اس کے اونٹ سے بہتر ہوں گے۔ پھر دجال ایک اور شخص کے پاس آئے گا۔ جس کا بھائی اور باپ مر گئے ہوں گے اور اس سے کہے گا۔ اگر میں تیرے بھائی اور تیرے باپ کو زندہ کردوں تو، تو مجھ کو اپنا پروردگار مان لے گا۔ وہ کہے گا۔ ہاں۔ دجال شیاطین (جنات) کو اس کے بھائی اور

باپ کی شکل میں پیش کر دے گا۔ (حضرت) اسماء بنت یزید کہتی ہیں کہ لوگ دجال کا ذکر سن کر جو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بتایا تھا۔ پریشانی اور تردد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی ضرورت سے باہر آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دروازے کے دونوں کواڑوں کو پکڑ لیا اور فرمایا اسماء! کیا حال ہے؟ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ آپ نے دجال کا ذکر فرما کر ہمارے دلوں کو نکال کر پھینک دیا ہے (یعنی اس ذکر سے ہمارے دل مرعوب اور خوفزدہ ہیں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر وہ میری زندگی میں نکلا تو میں اپنے دلائل سے اس کو دفع کر دوں گا اور اگر میری زندگی میں نہ نکلا تو میرا پروردگار ہر مومن کے لیے میرا وکیل اور خلیفہ ہے (یعنی اللہ تعالیٰ اس کی نگہبانی اور حفاظت فرمائیں گے) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم اپنا آٹا گوندھتے اور روٹی پکا کر فارغ نہیں ہونے پاتے کہ بھوک سے ہم بے چین ہو جاتے ہیں۔ اس قحط سالی میں مومنوں کا کیا حال ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کی بھوک کو دفع کرنے کے لیے وہی چیز کافی ہوگی جو آسمان والوں کے لیے کافی ہوتی ہے یعنی تسبیح وتقدیس۔" (مشکوۃ حدیث نمبر 5255 بحوالہ مسند احمد و سنن ابوداؤد)

یہاں قارئین نوٹ فرمائیں کہ مشکوۃ میں یہ پورا واقعہ مسند احمد اور ابوداؤد کی الگ الگ روایتوں کو یکجا کر کے اس کے مولف علامہ ولی الدین محمد بن عبد اللہ العمری نے نقل فرمایا ہے۔ یہ حدیث بھی حضرت اسماء بنت یزید سے روایت ہے۔ لیکن اس میں دجال کی عمر کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ چالیس سال کی مدت والی حدیث حضرت اسماء بنت یزید نے یا تو کسی اور صحابی سے سنی یا ممکن ہے کہ انہی صحابی سے سنی ہو جنہوں نے صرف "چالیس" کا لفظ سنا تھا اور

اس کو چالیس سال سمجھ کر بیان کر دیا گیا ہو۔ پھر محدثین فن حدیث کی چھلنیوں میں چھان کر اس کا درجہ بھی متعین کرتے ہیں اور اس درجے کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ اس لیے اس حدیث کو صحاح میں شامل نہ کیا ہو۔ (واللہ اعلم) ترمذی کی حدیث جو چالیس دن کی ہے اس کی تائید میں دوسری روایات بھی موجود ہیں۔

اس حدیث میں دو باتیں اور قابل ذکر ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر دجال میری زندگی میں نہ آیا تو اللہ تعالیٰ ہر مومن کے لیے میرا وکیل اور خلیفہ ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس عظیم فتنے سے حفاظت کا ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی ہوگی اور اللہ تعالیٰ ان مومنوں کو اس عظیم فتنے سے محفوظ رکھیں گے جو رسول اللہ کی لائی ہوئی شریعت اور سنت پر مضبوطی سے عمل پیرا ہوں گے۔ دوسری بات قحط سالی کے دوران مومنوں کی غذا کے بارے میں یہ فرمائی کہ ان دنوں میں مومنوں کی طاقت اور بقا کے لیے ذکر اللہ کافی ہوگا۔ جس طرح فرشتوں کی غذا اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس ہے۔

تین شہروں پر دجال کا حملہ

”حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مسلمانوں کے تین شہر ایسے ہوں گے کہ ان میں سے ایک شہر دو سمندروں کے ملنے کی جگہ پر واقع ہوگا۔ (بظاہر یہ دو سمندر بحر روم اور بحر فارس معلوم ہوتے ہیں) اور ایک شہر حیرہ کے مقام پر ہوگا۔ (حیرہ عراق کا وہ علاقہ ہے جس کے قریب ہی صحابہ کے دور میں شہر کوفہ آباد ہوا۔ (علامات قیامت بحوالہ معجم البلدان) اور ایک شہر شام میں ہوگا۔ تین بار لوگ گھبرا اٹھیں گے (دجال کے آنے کے خوف سے) پھر دجال جلد ہی لوگوں کے برابر میں نکل آئے

گا۔ پس وہ مشرق کی طرف کے لوگوں کو شکست دے گا۔

سب سے پہلے اس شہر میں وارد ہو گا جو دو سمندروں کے ملنے کی جگہ پر واقع ہو گا۔ اہل شہر کے تین گروہ ہو جائیں گے۔ ایک گروہ یہ کہہ کر وہیں رہ جائے گا کہ دیکھیں دجال کون ہے اور کیا کرتا ہے اور ایک گروہ دیہات میں منتقل ہو جائے گا اور ایک گروہ برابر والے شہر میں منتقل ہو جائے گا۔ اس وقت دجال کے ساتھ 70 ہزار آدمی ہوں گے جن کے اوپر طیلسان ہو گی (ایک خاص قسم کی دبیز چادر ہے)۔ اس کے اکثر پیرو عورتیں اور یہودی ہوں گے۔ پھر دجال اس شہر کے قریب والے شہر میں آئے گا۔ اس شہر کے باشندے بھی تین گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ ایک گروہ شہر میں رہ جائے گا کہ دیکھیں دجال کون ہے اور کیا کرتا ہے۔ دوسرا گروہ دیہات میں چلا جائے گا اور ایک گروہ قریب والے اس شہر میں چلا جائے گا جو شام کی مغربی جانب ہو گا۔ بالآخر مسلمان افیق نامی گھاٹی کی طرف سمٹ جائیں گے اور اپنے مویشی (چرنے کے لیے) بھیجیں گے۔ جو سب کے سب ہلاک ہو جائیں گے۔ ان کو یہ نقصان بہت شاق گزرے گا اور شدید بھوک اور سخت مشقت میں مبتلا ہو جائیں گے۔ حتیٰ کہ بعض لوگ اپنی کمان کا چلہ جلا کر کھائیں گے۔

یہ اسی حال میں ہوں گے کہ سحر کے وقت کوئی پکارنے والا تین بار یہ آواز لگائے گا کہ اے لوگو! تمہارے پاس فریاد رس آ پہنچا۔ یہ سن کر لوگ آپس میں کہیں گے کہ یہ تو کسی پیٹ بھرے آدمی کی آواز ہے اور فجر کی نماز کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے۔ مسلمانوں کا امیر (امام مہدی) ان سے کہے گا کہ ''یا روح اللہ! آگے آ کر نماز پڑھایئے۔'' وہ فرمائیں گے کہ اس امت کے بعض لوگ بعض کے امیر ہیں۔ (اسے لیے تم ہی نماز پڑھاؤ) پس مسلمانوں کا امیر آگے بڑھ کر نماز پڑھائے گا۔ (امام مہدی اس نماز کی امامت کریں گے)۔

یہاں یہ بات قابل وضاحت ہے کہ احادیث میں جہاں کہیں بھی شام کا ذکر آیا ہے وہ ہمارے زمانے کا شام جس کو عربی میں سوریہ اور انگریزی Syria کہتے ہیں۔ وہ مراد نہیں ہوتا بلکہ وہ ملک شام مراد ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھا۔ جو دریائے فرات عراق سے مصر کی سرحد تک لمبائی میں اور چوڑائی میں جزیرہ نمائے عرب سے بحر روم تک پھیلا ہوا تھا۔ آج کل کے ممالک اردن، فلسطین، لبنان، موجودہ شام، دمشق، بیت المقدس طرابلس اور انطاکیہ سب شام کے حصے تھے۔ اس حدیث میں مسلمانوں کا افیق نامی گھاٹی کا بھی ذکر ہے کہ آخر مسلمان اس گھاٹی میں سمٹ جائیں گے۔ یہ گھاٹی اردن میں واقع ہے اور معجم البلدان کے مطابق 2 میل لمبی ہے۔ (علامات قیامت)

دجال کے بارے میں جتنی اہم علامات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں ان کا تقریباً تمام قابل ذکر حصہ اس باب میں آچکا ہے۔ قارئین کو اس سے اندازہ ہو گیا ہو گا کہ محسن انسانیت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عظیم فتنے کی کتنی تفصیلات کس اہمیت کے ساتھ بیان فرمائی ہیں۔ ظاہر ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علامات قیامت کو بیان کرنے کا اس قدر اہتمام اس لیے کیا ہے کہ ان کی امت ان علامات کو ظاہر ہوتا ہوا دیکھے تو اپنے اور اپنے متعلقین کے ایمان کی حفاظت کا اہتمام کرلے۔

چھٹا باب

قیامت کی آخری علامات

☆ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امتیازی خصوصیات

☆ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر اٹھایا جانا

☆ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقامِ نزول

☆ نزولِ مسیح اور دجال سے جنگ

☆ دجال اور دجالیت

☆ دجال کا قتل

☆ اسلام کی عالمی حکومت

☆ حضرت عیسیٰ کی وفات و تدفین

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امتیازی خصوصیات

تمام انبیائے کرام میں بعض مافوق العادت حالات کی بنا پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو خصوصیات اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں وہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نشانیاں ہیں اور دوسری طرف بعض امتوں کے لیے کڑی آزمائشیں۔ قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات کو بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ان کا ذکر آگے آئے گا۔ یہ عقیدہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت سے پہلے آسمان سے نازل ہوں گے یہودیوں میں بھی ہے اور عیسائیوں میں بھی اور مسلمانوں کا یہ عقیدہ تو قرآن کریم کی آیات اور احادیث متواترہ پر مبنی ہے۔اس لیے اس عقیدے کی صحت پر گفتگو کرنا غیر ضروری تھا لیکن پچھلی صدی کے شروع میں برصغیر میں ایک عظیم فتنہ پیدا ہوا اور مسلمانوں کے اس عقیدے کو زیر بحث لاکر اس میں شکوک وشبہات پیدا کر دیے گئے۔

فتنہ قادیانیت

یہ فتنہ پنجاب کے ایک شہر قادیان سے ظاہر ہوا اور اس فتنے کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی نبوت کے جھوٹے دعوے کیے اور خود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر بلکہ ان پر اپنی فضیلت کا دعویٰ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کل تین ہزار بتائے۔ اور اپنے معجزات دس لاکھ بتائے۔ انبیا علیہم السلام کی توہین کی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مغلظات (گالیاں) دیں اور خود مسیح ہونے کا دعویٰ کیا۔ قرآن وحدیث کی نصوص میں تحریف کی اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کو غلط ثابت کرنے میں ایڑی

چوٹی کا زور لگایا اور لوگوں کے ذہنوں میں یہ شبہات پیدا کرنے کی کوشش کی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے اور اب وہ خود ان کی مشعل راہ بن کر دنیا میں آئے ہیں۔

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے مرزا غلام احمد کے پینتالیس دعوؤں پر مشتمل ایک کتابچہ لکھا جس میں انہی کی تحریروں سے ان کی نبوت، مسیحیت اور دوسرے انبیا پر ان کی فضیلت پر مشتمل مستقل ایک کتابچہ ”دعاوی مرزا“ کے نام سے شائع فرمایا۔

آخر میں مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی پوری قوت اس بات پر صرف کی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کو ثابت کر کے اپنی مسیحیت کی بنیاد رکھی جائے۔ والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ ”کسی شخص کا مسیح موعود یا نبی یا ولی بننا کسی دوسرے کے موت وحیات سے کوئی تعلق نہیں رکھتا بلکہ ان سب باتوں کا معیار صرف یہ ہے کہ ان کے ذاتی اخلاق وصفات اور عقائد واعمال معاشرت ومعاملات ایسے ہوں کہ شرعی قوانین اس۔کے دعوے کو تسلیم کرنے سے مانع نہ ہوں“۔(علامات قیامت صفحہ 12)

شروع میں علمائے کرام کا موقف یہ تھا کہ نزول مسیح علیہ السلام کا عقیدہ چونکہ قرآن وسنت سے ثابت اور اجماعی مسئلہ ہے اس لیے لوگ خود ہی اس دعوے کو رد کر دیں گے لیکن ہر فتنہ کمزور ایمان والے لوگوں کو اپنے جال میں پھنسا لیتا ہے چنانچہ مرزا غلام احمد کے ساتھ بھی ایسے ہی کچھ لوگ لگ گئے اور انہوں نے اس مسلمہ عقیدے کے اندر شکوک وشبہات پیدا کر دیے۔ خصوصاً مصر وعراق میں جہاں اسلام کی گرفت پہلے سے ڈھیلی تھی وہاں اس فتنے نے اپنے جال میں کافی لوگوں کو پھنسا لیا۔ اس وقت علمائے کرام نے اس فتنے کی طرف توجہ کی اور علمائے دیوبند مثلاً مولانا

ادریس کاندھلوی، مولانا بدر عالم میرٹھی ثم مدنی، مولانا سید مرتضٰی حسنؒ صاحب اور علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہم نے عربی میں نزول مسیح کے دلائل پر مستند مواد جمع فرمایا۔

قارئین کے علم میں ہوگا کہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ دیوبند کے ان محققین اور علما میں سے تھے جن کے مداحوں بلکہ عقیدت مندوں میں علامہ اقبالؒ بھی تھے۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے اس رسالے کا نام عقیدۃ الاسلام فی حیات الاسلام تھا۔ اس رسالے نے اس فتنے کی کمر توڑ دی اور اس بحث کا بالکل خاتمہ کر دیا۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر سخت محنت کر کے احادیث کا ایسا مجموعہ تیار کر دیا جو اس سے پہلے موجود نہیں تھا۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب **ماتواتر فی نزول المسیح علیہ السلام** کے نام سے عربی میں تالیف فرمائی۔ اس کتاب نے اس فتنے کی رہی سہی قوت بھی ختم کر دی۔ برادر عزیز مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب نے اسی کتاب کا ترجمہ کر کے اور ایک باب کا اضافہ کر کے ''علامات قیامت'' کے نام سے شائع کیا۔

بھٹو کے دور میں جب قادیانیت کا مقدمہ قومی اسمبلی میں پیش ہوا تو اسلام آباد میں دن رات محنت کر کے مرزا غلام احمد اور ان کے خلفا کی تحریروں کی بنیاد پر ایک دستاویز میرے چھوٹے بھائی مفتی محمد تقی عثمانی زاد اللہ عمرہ وفیوضہ نے، حضرت مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی نگرانی میں مرتب فرمائی جو کافی ضخیم تھی اور اسی دستاویز کی بنیاد پر قادیانیوں کو اقلیت قرار دیا گیا تھا۔ راقم الحروف نے اس دستاویز کا انگریزی ترجمہ کیا۔ اس کا نام ہے Quadianism on Trial (قادیانیت عدالت میں) یہ کتاب قادیانیت کی تحریک اور اس کے مقاصد کی اصل تصویر پیش کرتی ہے۔

یہ پس منظر میں نے اس لیے بیان کرنا ضروری سمجھا کہ نزول مسیح علیہ السلام کے مسلمہ اور اجماعی عقیدے پر شبہ کرنے والے یا اس سے انکار کرنے والے آج بھی ہمارے درمیان مختلف صورتوں سے اس فتنے کو جگانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ بعض افراد، جن میں خواتین بھی شامل ہیں، قرآن کریم کے درس کی صورت میں اور کیسٹوں پر تقاریر کی صورت میں قرآن کریم کی نئی تعبیریں پیش کرکے بہت سے لوگوں کی گمراہی کا سبب بن رہے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ننھیال

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خاندان کا ذکر بھی کافی تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے اپنی قدرت سے پیدا فرمایا تھا۔ اس لیے ان کی ددھیال نہیں تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نانا کا نام عمران تھا۔ قرآن کریم نے ان کا نام کئی جگہ ذکر فرمایا ہے۔ سورہ آل عمران بھی اکثر علما کے نزدیک انہی کے نام سے منسوب ہے۔ حضرت عمران کی بیوی کا نام قرآن میں نہیں لیا گیا۔ بلکہ امراۃ عمران (عمران کی بیوی) کہہ کر ذکر فرمایا ہے۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نانی تھیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ جب یہ حاملہ ہوئیں تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے نذر کی کہ وہ اپنے مولود بچے کو بیت المقدس کے لیے وقف کر دیں گی۔

سورہ آل عمران کی یہ آیت ملاحظہ فرمایئے اس میں اللہ تعالیٰ نے ان کا بیان نقل فرمایا ہے:

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (۳۵)

ترجمہ یہ ہے: ''جبکہ عمران کی بیوی نے (حالت حمل میں) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میں نے نذر مانی ہے آپ کے لیے اس بچے کی جو میرے شکم میں ہے کہ وہ آزاد رکھا جائے گا (یعنی اللہ کے لیے وقف ہوگا) سو آپ میری طرف سے اس کو قبول کر لیجیے۔ (آل عمران 35)

اس آیت سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نانی دینی اعتبار سے اس درجے کی عورت تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس نذر کا ذکر اپنے کلام میں فرمایا وہیں یہ آیت ان کی اللہ تعالیٰ سے محبت واخلاص کی بھی دلیل ہے کہ اپنے پیدا ہونے والے بچے کو وہ اللہ کے راستے میں وقف کرنے کے لیے بے چین ہیں اور اس کے لیے دعائیں کر رہی ہیں۔ان کا گمان تھا کہ ان کا یہ بچہ لڑکا ہوگا مگر جب ولادت ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ لڑکی ہے۔ یہ دیکھ کر وہ سخت پریشان ہوئیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا میں کہا:

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَ لَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ وَ اِنِّيْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَ اِنِّيْ اُعِيْذُهَا بِكَ وَ ذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ (۳۶)

''کہنے لگیں کہ اے میرے پروردگار میں نے تو لڑکی جنی ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ زیادہ جانتے ہیں جو انہوں نے جنا''۔ پھر کہنے لگیں کہ لڑکا تو لڑکی کے برابر نہیں ہوتا (یعنی لڑکی تو اتنا کام نہیں کر سکتی) اور میں نے اس لڑکی کا نام مریم رکھا ہے۔اور میں اس کو اور اس کی ذریت کو آپ کی پناہ میں دیتی ہوں شیطان مردود سے۔'' (آل عمران۔آیات 35-36)

ان آیات سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نانی کے روحانی مقام کا اندازہ کیا جاسکتا ہے اور آیت کے آخر میں یہ فرمایا کہ ''عمدہ طریقے سے ان کی نشو ونما کی'' اس

کی تفسیر میں بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس کی دو صورتیں ہوئی ہیں یعنی اول تو شروع ہی سے ان کو طاعات وعبادات کا شوق عطا فرمایا اور دوسرے یہ کہ دوسرے بچوں کی بہ نسبت حضرت مریم علیہم السلام کی جسمانی نشو ونما اللہ کی قدرت سے بہت زیادہ تھی۔ بعض روایات میں ہے کہ ان کی نشو ونما ایک دن میں ایک سال کے برابر ہوتی تھی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ

یہ تو معلوم ہو چکا کہ حضرت مریم علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے نذر میں قبول فرما کر اپنی پناہ میں لے لیا تھا۔ بیت المقدس کے مجاورین نے اصرار کیا کہ وہ اس کی کفالت کریں گے بلکہ اس پر جھگڑتے رہے۔ اس جھگڑے کا ذکر بھی قرآن کریم میں آیا ہے آخر حضرت زکریا علیہ السلام کو ان کی کفالت کا اعزاز حاصل ہوا۔ حضرت زکریا علیہ السلام جب بھی ان کے پاس محراب میں آتے تھے تو ان کے پاس غیبی رزق پھل اور غذا موجود ہوتی۔ حضرت زکریا ان سے پوچھتے کہ یہ رزق کہاں سے آیا ہے تو وہ جواب میں کہتیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ بیشک اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے (آل عمران 37)۔

اس کے بعد سورہ آل عمران کی آیات میں حضرت مریم علیہم السلام کے ایسے فضائل بیان کیے گئے ہیں جو تاریخ میں کسی عورت کے حصے میں نہیں آئے۔ مثلاً فرشتوں کا ان کے پاس آنا اور یہ خبر دینا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمام عورتوں میں منتخب فرمایا ہے پھر آگے چل کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے بارے میں قرآن میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ملاحظہ کیجیے:

إِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ (۴۵)

''(اس وقت کو یاد کرو) جب فرشتوں نے کہا۔ اے مریم! اللہ تعالیٰ تمہیں خوش خبری سناتے ہیں ایک کلمے کی جو منجانب اللہ ہوگا اس کا نام (ولقب) مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا وہ ایک وجیہہ خوب صرت یا با آبرو شخص ہوں گے۔ دنیا میں اور آخرت میں مقربین میں سے ہوں گے۔'' (آل عمران 45)

حضرت مریم فرشتوں کی یہ بات سن کر حیران ہوئیں اور فرمایا۔

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّ لَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (۴۷)

''اے میرے پروردگار میرے یہاں بچہ کس طرح ہوگا جبکہ مجھ کو کسی بشر نے ہاتھ نہیں لگایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ویسے ہی ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جو چاہیں پیدا کر دیتے ہیں۔ جب وہ کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ ہو جا۔ پس وہ چیز (پیدا) ہو جاتی ہے'' (آل عمران 47)

چنانچہ علما نے فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کلمہ کن کی پیدائش ہیں اور حضرت عیسیٰ کے درمیان طبعی اسباب کا واسطہ نہیں ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا حضرت مریم علیہ السلام کے پاس فرشتے کو بھیج کر بچے کی پیدائش کی خبر دینا۔ حضرت مریم کا اس پر تعجب کرنا اور پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ان کا حاملہ ہونا اور پھر بچے کی ولادت کا ہو جانا اور حضرت مریم علیہم السلام کا حیا کی وجہ سے پریشان ہونا، لوگوں کا ان پر تہمت لگانا۔ اللہ کی طرف سے یہ حکم دینا کہ وہ خاموش رہیں اور بچے کی طرف اشارہ کر دیں۔ پھر حضرت مریم کا بچے کو گود میں لانا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گود ہی میں کلام کرنا اور لوگوں کو یہ بتانا کہ میں اللہ کا نبی ہوں اور حضرت مریم علیہ السلام کو اس تہمت سے بری کرنا یہ ساری تفصیلات وہ ہیں جو قرآن کریم میں بیان فرمائی گئی ہیں۔ اور کسی بھی مسیحیت کے مدعی کے لیے ان میں سے کسی ایک جزو کا

انکار کرنا یا اپنے لیے ثابت کرنا ممکن نہیں ہے۔

یہ تمام مافوق العادت اور ماورائے اسباب واقع ہونے والے واقعات ہی تھے جن کی وجہ سے عیسائیوں نے انہیں، تین خداؤں میں سے ایک خدا۔ اور خدا کا بیٹا سمجھ لیا اور مشرک ہو گئے۔ یہاں یہ بات بھی واضح ہو جانی چاہیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک یہودی خاندان کے فرد تھے۔ ان کے بھیجے جانے کا مقصد یہ تھا کہ وہ یہودیوں کی اصلاح کر کے انہیں اصلی دین کی طرف لوٹائیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ پس منظر اس لیے بیان کرنا ضرور سمجھا ہے کہ لوگوں میں حقیقت کے خلاف بہت سی باتیں پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ مختصر سا پس منظر معلوم ہو تو کوئی مسلمان محض لاعلمی کی وجہ سے گمراہی میں مبتلا نہیں ہوگا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر اٹھایا جانا

سورہ نساء میں قرآن کریم کی آیات 157 اور 158 کا یہ ترجمہ ملاحظہ فرمایئے۔ اس میں یہودیوں کو جو سزا دی گئی اس کی وجوہات بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

وَّ قَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَ مَا قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ وَ لٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَ مَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًاۢ (۱۵۷) بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا (۱۵۸)

(ان کے کفر کی وجہ سے اور (حضرت) مریم (علیہم السلام) پر ان کے بڑے بھاری بہتان دھرنے کی وجہ سے) اور ان کے اس کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح ابن مریم کو جو اللہ کے رسول ہیں، قتل کر دیا۔ حالانکہ انہوں نے

نہ ان کو قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا۔ لیکن ان کو اشتباہ ہو گیا اور جو لوگ ان کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں (یعنی عیسائی وغیرہ) وہ شک میں مبتلا ہیں۔ ان کے پاس اس بات پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ سوائے وہم وگمان کا اتباع کرنے کے اور یہ بات یقینی ہے کہ انہوں نے ان کو (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو قتل نہیں کیا۔ بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والے ہیں۔ (قرآن کریم سورہ نساء آیت 157-158)

یہودیوں کو اس بات پر بڑا فخر تھا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دے دی اور قتل کر دیا۔ اس کے بارے میں اس کی واضح الفاظ میں نفی کر کے آخر میں دوبارہ اس کو ان الفاظ میں دہرایا کہ ''اور یہ بات یقینی ہے کہ انہوں نے ان کو قتل نہیں کیا'' فرمایا '' بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھالیا۔''

ایک دوسری روایت حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جو مذکورہ بالا قرآن کریم کی آیت کی تفسیر میں ان کا ارشاد ہے۔

'' اللہ کے دشمن یہودیوں کو قتلِ عیسیٰ علیہ السلام پر ناز تھا اور وہ کہتے تھے کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا اور سولی پر چڑھا دیا۔ حالانکہ ہمیں بتایا گیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے یہ بات کہی تھی کہ تم میں سے کون اس کے لیے تیار ہے کہ اسے میرے مشابہ بنا دیا جائے۔ پھر وہی قتل ہو۔ ان میں سے ایک صاحب نے کہا۔ یا نبی اللہ! میں اس کے لیے تیار ہوں۔ پس اسی شخص کو (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شبہے میں) قتل کر دیا گیا اور اللہ نے اپنے نبی کو بچالیا اور اوپر (آسمان پر) اٹھالیا۔ (علامات قیامت صفحہ 105 بحوالہ ابن جریر)

ایک اور روایت میں مشہور تابعی حضرت مجاہدؒ قرآن کریم کی اس آیت کے اس جملے ولکن شبہ لھم (بلکہ ان کو اشتباہ ہو گیا) کی تفسیر میں فرماتے ہیں، کہ

یہودیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے بجائے ایک اور شخص کو سولی پر چڑھادیا۔ جسے وہ عیسیٰ علیہ السلام سمجھے اور عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے اپنی طرف زندہ اٹھالیا'' (علامات قیامت صفحہ 100 بحوالہ در منشور از ابن جریرؒ)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آسمان پر اٹھائے جانے سے پہلے جو چیزیں اپنے پیچھے چھوڑیں ان کی تفصیل ذیل کی روایت میں ملتی ہے۔ مشہور تابعی حضرت ابو رافعؒ فرماتے ہیں کہ'' جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا گیا تو انہوں نے اپنے پیچھے یہ چیزیں چھوڑیں: ایک اونی کپڑا، دو چرمی موزے جو چرواہے پہنتے ہیں اور ایک حذافہ جس سے وہ پرندوں کا شکار کیا کرتے تھے۔ (علامات قیامت صفحہ 105 بحوالہ در منشور از مسند احمد)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حلیہ

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اور ان کے یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی نبی نہیں اور وہ نازل ہوں گے۔ جب تم ان کو دیکھو تو پہچان لینا۔ ان کا قد و قامت میانہ اور رنگ سرخ وسفید ہوگا۔ ہلکے زرد رنگ کے دو کپڑوں میں ہوں گے۔ سر کے بال اگرچہ بھیگے نہ ہوں تب بھی ایسے ہوں گے کہ گویا ان سے پانی ٹپک رہا ہے۔ (یعنی چمک دار اور صاف ہوں گے) پس وہ صلیب کو توڑ ڈالیں گے۔ خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ لینا بند کردیں گے اور اللہ ان کے زمانے میں اسلام کے سوا تمام ادیان و مذاہب کو ختم کردے گا اور (ان کے ہاتھوں) مسیح دجال کو ہلاک کرے گا۔ پس عیسیٰ زمین پر چالیس سال رہ کر وفات پائیں گے اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔

(علامات قیامت بحوالہ ابو داؤد، ابن شیبہ، مسند احمد صحیح ابن حبان اور ابن جریر)

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ان کے حلیے کے سلسلے میں مزید علامات یہ بیان فرمائی گئی ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نہایت حسین گندمی رنگ کے ہوں گے۔ بال گھنگریالے نہیں ہوں گے۔ بالوں کی لمبائی شانوں تک ہوگی، سر سے پانی ٹپکتا ہوگا، معتدل جسم وقامت کے ہوں گے۔ سرخی مائل رنگ ہوگا۔ جیسے ابھی حمام سے آئے ہوں''۔ (علامات قیامت حاشیہ صفحہ 59)

چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں پوری دنیا کے مذاہب ختم ہوکر اسلام ہی ایک مذہب ہوگا اس لیے اس حدیث میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب کو توڑ دیں گے۔ خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ لینا بند کردیں گے۔ ان تینوں چیزوں کا تعلق غیر مسلموں سے ہے اور غیر مسلم رہیں گے نہیں تو یہ چیزیں خود بخود ختم ہوجائیں گی۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مشہور صحابی حضرت عروہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مشابہ ہوں گے

حضرت عیسیٰ علیہ وسلم کا مقام نزول

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''حضرت عیسیٰ علیہ وسلم دمشق کے مشرقی جانب سفید منارے کے پاس نزول فرمائیں گے۔ اس وقت وہ ہلکے زرد رنگ کے دو کپڑوں میں (ملبوس) ہوں گے اور اپنے دونوں ہاتھ دو فرشتوں کے بازوؤں پر رکھے ہوئے ہوں گے جب سر جھائیں گے تو اس سے (پانی کے) قطرات ٹپکیں گے اور جب سر اٹھائیں گے تو اس سے ایسے قطرے گریں گے جو چاندی کے دانوں کی طرح (چمکدار) اور موتیوں

کی طرح (سفید) ہوں گے۔ آپ کے سانس کی ہوا جس کافر کو لگے گی اسی وقت مرجائے گا اور جہاں تک آپ کی نظر جائے گی۔ وہیں تک آپ کا سانس پہنچے گا۔ پس عیسیٰ علیہ السلام دجال کو تلاش کریں گے۔ حتیٰ کہ اسے لُد کے دروازے پر جالیں گے اور قتل کرڈالیں گے۔ (علامات قیامت صفحہ 51 بحوالہ مسلم، ابوداؤد، ترمذی ابن ماجہ)

لُد دمشق کے قریب ایک مقام ہے اور ابھی تک اس مقام کا نام لدہی ہے یہاں ایک ایئرپورٹ بھی ہے اور معلوم ہوا ہے یہاں ایک بڑا دینی مدرسہ بھی قائم ہے۔ مختلف روایات میں دجال کے قتل کے لیے اسی مقام کا نام آیا ہے۔

فجر کا وقت ہوگا اور امام مہدی فجر کی نماز کی امامت کے لیے کھڑے ہوچکے ہوں گے یہاں تک کہ اقامت بھی کہی جاچکی ہوگی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا اور امام مہدی ان سے امامت کی درخواست کریں گے لیکن چونکہ اقامت ہوچکی ہوگی تو اس وقت کی نماز کی امامت کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام امام مہدی کی پشت پر ہاتھ رکھ کر فرمائیں گے کہ نہیں آپ ہی امامت فرمائیں۔

چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دجال اور قرب قیامت کے واقعات کا تفصیلی ذکر فرمارہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صحابیہ ام شریک بنت ابی العسکر کی روایت میں ہے کہ ان کا امام (امام مہدی) نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھا ہی ہوگا کہ ان میں عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم نازل ہوجائیں گے۔ چنانچہ امام پیچھے ہٹے گا کہ تاکہ نماز پڑھانے کے لیے عیسیٰ (علیہ السلام) کو آگے کریں۔ مگر عیسیٰ علیہ السلام اس کے کاندھوں پر اپنا ہاتھ رکھ کر فرمائیں گے۔ آگے بڑھو اور نماز پڑھاؤ کیونکہ نماز کی اقامت تمہارے ہی لیے ہوئی ہے۔ لہٰذا (اس وقت) مسلمانوں کو ان کا امام ہی نماز پڑھائے گا۔ جب امام نماز پڑھا کر فارغ ہوگا تو عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے۔ ''دروازہ کھولو'' دروازہ کھول دیا جائے گا۔ اس کے پیچھے

دجال ہوگا اور اس کے ساتھ 70 ہزار یہودی ہوں گے۔ جن میں سے ہر ایک کے پاس زیور سے آراستہ تلوار اور ساج (ایک قیمتی دبیز کپڑا) کا لباس ہوگا۔ جب دجال عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھے گا تو اس طرح گھلنے لگے گا جیسے پانی میں نمک گھلتا ہے اور بھاگ کھڑا ہوگا۔ (عیسیٰ علیہ السلام) اس سے فرمائیں گے کہ میری ایک ایسی ضرب تیرے لیے مقدر ہو چکی ہے جس سے تو نکل نہیں سکتا۔ چنانچہ وہ اسے لد کے مشرقی دروازے پر جالیں گے اور قتل کر ڈالیں گے۔ پس اللہ یہودیوں کو شکست دے گا اور اللہ کی مخلوق میں جس چیز کے پیچھے بھی کوئی یہودی چھپنا چاہے گا خواہ پتھر ہو یا درخت، دیوار ہو یا جانور، اللہ اسے گویائی عطا فرمائے گا اور وہ پکارے گا کہ "اے مسلمان بندہ خدا، یہ یہودی ہے۔ آکر اسے قتل کر ڈال" (علامات قیامت بحوالہ ابوداؤد، ابن ماجہ وغیرہ)

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک نبی کی موجودگی میں غیر نبی کیسے امامت کرے گا؟ مذکورہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی نماز کی اقامت ہو چکی ہوگی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ "کیونکہ نماز کی اقامت تمہارے ہی لیے ہوئی ہے" اس سے یہ ادب بھی معلوم ہوا کہ جس امام کے لیے اقامت کہی گئی ہو اسی کو امامت کرنی چاہیے۔ پھر چونکہ یہ امامت بھی خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کے حکم سے ہوگی تو عملاً امام مہدی ان کی اتباع ہی میں یہ امامت فرمائیں گے۔ واللہ اعلم

نزول مسیح علیہ السلام اور دجال سے جنگ

ایک صاحب نے ایک طویل برقی خط کے ذریعے کئی سوال پوچھے ہیں ان میں سے ایک سوال یہ بھی ہے کہ قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کا تو ذکر ہے مگر نزول کا کہیں ذکر نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اصولی طور پر تو یہ فکر ہی غلط ہے کہ جس چیز کا ذکر قرآن میں ہو اس پر تو اطمینان ہو اور اگر قرآن میں اس کا کوئی ذکر نہ ہو تو اس پر اطمینان نہ ہو۔ اسلام کی بنیاد قرآن اور سنت دونوں پر ہے۔ قرآن کریم میں تو نہ دجال کا ذکر ہے نہ امام مہدی کا اور نہ ان فتنوں کا جو پچھلی احادیث میں بیان کیے گئے، یہ ایک الگ علمی بحث ہے کہ قرآن اور سنت سے حاصل ہونے والے علم میں تکنیکی فرق کیا ہے جو اس مضمون کا موضوع نہیں ہے۔

قرآن میں نزول مسیح علیہ السلام کی دلیل

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بارے میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی یہ روایت ملاحظہ کیجیے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ''قسم ہے اس ذات کی جسکے قبضے میں میری جان ہے۔ عنقریب تمہارے درمیان عیسیٰ ابن مریم نازل ہوں گے۔ جو ایک عادل حاکم ہوں گے۔ صلیب کو توڑ دیں گے۔ خنزیر کو قتل کر دیں گے۔ جزیہ کو اٹھا دیں گے اور مال کو بڑھائیں گے (مال و دولت کی بڑی کثرت ہوگی)۔ یہاں تک کہ کوئی اس کا خواہش مند نہ رہے گا۔ یہاں تک کہ صرف ایک سجدہ کرنا اس وقت دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہوگا۔'' اس کے بعد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اگر تم چاہو تو اس آیت کو پڑھو۔ (یعنی اگر تمہیں اس میں کوئی شک ہو تو تم قرآن کریم کی یہ آیت پڑھو جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی دلیل موجود ہے) پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سورۃ النساء کی آیت 159 تلاوت فرمائی

وَ اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ

عَلَيْهِمْ شَهِيدًا(۱۵۹)

اس کا ترجمہ یہ ہے: ''اور کوئی شخص اہل کتاب میں سے ایسا نہیں رہے گا جو ان کے مرنے سے پہلے اس پر (حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر) ایمان نہیں لائے گا'' (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے ان پر ایمان لے آئیں گے)۔(سورۃ النساء آیت 159)

اس آیت میں یہ خبر دی گئی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے تمام اہل کتاب (یہودی اور عیسائی) حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں گے۔

اور قرآن کریم سے ثابت ہے کہ ان کو یہودیوں نے نہ قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا یعنی ان کو موت نہیں آئی تو اب ان کی وفات ظاہر ہے کہ آسمان سے نازل ہونے کے بعد ہی ہوگی اور احادیث میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جو بھی اہل کتاب یا دوسرے مذاہب کے لوگ موجود ہوں گے وہ اسلام قبول کرلیں گے ان میں یہودی اور عیسائی بھی شامل ہیں۔اس طرح یہ آیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی دلیل ہے۔

اس کے علاوہ پچھلے مضمون میں قرآن کریم کی یہ آیت بیان کی جاچکی ہے کہ وہ یعنی (حضرت عیسیٰ) لوگوں سے گہوارے میں کلام کریں گے اور پھر جب وہ کہولت کی عمر میں ہوں گے تو اس وقت بھی کلام کریں گے۔علامات قیامت میں اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن زید کے حوالے سے یہ بیان منقول ہے۔''عیسیٰ علیہ السلام لوگوں سے گہوارے میں یعنی بالکل بچپن میں تو (بطور معجزہ) کلام کرچکے ہیں۔اور جب (نازل ہوکر) دجال کو قتل کریں گے۔اس وقت بھی لوگوں سے باتیں کریں گے۔اس وقت وہ کہولت کی عمر میں ہوں گے'' (یعنی بڑی عمر کے ہوں گے)

(علامات قیامت صفحہ 107)

اسرائیلی روایات کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں 31 یا 33 سال رہے اور پھر انہیں آسمان پر اٹھا لیا گیا 31 یا 33 سال کی عمر کو عرف عام میں کھولت نہیں کہا جاتا۔ اور نہ ہی اس عمر کو "بڑی عمر" قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس لیے اس آیت سے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول پر مضبوط استدلال ہوتا ہے۔

شب معراج میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شب معراج میں آسمانوں کی سیر کرنا قرآن وسنت سے ثابت ہے۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کا ذکر متعدد احادیث میں آیا ہے۔ اس دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات میں قیامت کے بارے میں گفتگو کا ذکر ہے۔ پوری حدیث کا ترجمہ یہ ہے۔

"حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے شب معراج میں ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) سے ملاقات کی تو وہ قیامت کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔ پس انہوں نے اس معاملے میں ابرہیم (علیہ السلام) سے رجوع کیا کہ وہ وقت قیامت کے بارے میں کچھ بتائیں) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ "مجھے اس کا کوئی علم نہیں" پھر (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کی طرف رجوع کیا تو انہوں نے بھی فرمایا کہ "مجھے اس کا کوئی علم نہیں۔ پھر (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف رجوع کیا تو انہوں نے فرمایا جہاں تک وقت قیامت کا معاملہ ہے تو اس کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں۔ یہ بات تو اتنی ہی ہے۔ البتہ جو عہد پروردگار عزوجل نے مجھ سے کیا ہے۔ اس

میں یہ ہے کہ دجال نکلے گا اور میرے پاس دو باریک سی نرم تلواریں ہوں گی۔ پس وہ مجھے دیکھتے ہی رانگ (یا سیسہ) کی طرح پگھلنے لگے گا۔ پس اللہ اس کو ہلاک کرے گا یہاں تک کہ پتھر اور درخت بھی کہیں گے کہ اے مرد مسلم میرے نیچے ایک کافر ہے۔ آکر اسے قتل کردے۔ چنانچہ اللہ ان سب (کافروں) کو ہلاک کردے گا"۔ (علامات قیامت بحوالہ مسند احمد، حاکم ابن ماجہ وغیرہ)

دجال کا محاصرہ اور نزول مسیح علیہ السلام

پہلے معلوم ہو چکا ہے نزول مسیح علیہ السلام کے وقت مسلمان، دجال کے محاصرے میں ہوں گے۔

جب محاصرہ طول کھینچے گا تو ایک مسلمان (اپنے ساتھیوں سے) کہے گا۔" اے مسلمانو! تم اس طرح کب تک رہو گے کہ تمہارا دشمن تمہارے اس پہاڑ پر پڑاؤ ڈالے رہے (تم اس پر ٹوٹ پڑو کیونکہ) تمہیں دو فائدوں میں سے ایک ضرور مل کر رہے گا یا تو اللہ تم کو شہادت عطا کرے گا یا فتح نصیب فرمائے گا۔ یہ سن کر مسلمان جہاد کی بیعت کریں گے۔ اللہ جانتا ہے کہ ان کی طرف سے وہ بیعت سچی ہوگی۔ پھر ان پر ایسی تاریکی چھائے گی کہ کسی کو اپنا ہاتھ بجھائی نہ دے گا۔ اب عیسیٰ ابن مریم نازل ہوں گے۔ پس لوگوں کی آنکھوں اور ٹانگوں کے درمیان سے تاریکی ہٹ جائے گی۔ (یعنی اتنی روشنی ہو جائے گی کہ لوگ ٹانگوں تک دیکھ سکیں) اس وقت عیسیٰ علیہ السلام کے جسم پر ایک زرہ ہوگی۔ پس لوگ ان سے پوچھیں گے۔ آپ کون ہیں؟ وہ فرمائیں گے" میں عیسیٰ ابن مریم، اللہ کا بندہ اور رسول ہوں اور اس کی (پیدا کردہ) روح اور اس کا کلمہ ہوں۔ (یعنی باپ کے بغیر اس کے کلمہ کن سے پیدا ہوا

ہوں) تم تین صورتوں میں سے ایک کو اختیار کرلو کہ یا تو اللہ، دجال اور اُس کی فوجوں پر عذاب آسمان سے نازل کردے یا ان کو زمین میں دھنسا دے یا ان کے اوپر تمہارے ہتھیار مسلط کردے اور انکے ہتھیاروں کو تم سے روک دے۔

مسلمان کہیں گے ''یارسول اللہ یہ (آخری) صورت ہمارے لیے اور ہمارے قلوب کے لیے زیادہ طمانیت کا باعث ہے (یعنی ہم ان کو اپنے ہتھیاروں سے قتل کریں) چنانچہ اس روز تم بہت کھانے پینے والے (اور) ڈیل ڈول والے یہودی کو (بھی) دیکھو گے کہ ہیبت کی وجہ سے اس کا ہاتھ تلوار نہ اٹھا سکے گا۔ پس مسلمان (پہاڑ سے) اتر کر ان پر مسلط ہو جائیں گے اور دجال جب (عیسیٰ) ابن مریم کو دیکھے گا تو سیسہ (یا رانگ) کی طرح پگھلنے لگے گا حتیٰ کہ عیسیٰ علیہ السلام اسے جا لیں گے اور قتل کردیں گے''۔ (علامات قیامت بحوالہ الدر المنثور صفحہ 96)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عیسیٰ ابن مریم ایسے آٹھ سو مرد اور چار سو عورتوں میں نازل ہوں گے جو اس وقت کے اہل زمین میں سب سے بہتر اور پچھلے (یعنی پچھلی امتوں کے) صلحاء سے بھی بہتر ہوں گے۔'' (علامات قیامت۔ بحوالہ کنز العمال از ابن عساکر)

اللہ بہتر جانتا ہے کہ اس وقت پہاڑ کی چوٹی پر محصور مسلمانوں کی کل تعداد آٹھ سو مرد اور چار سو عورتوں پر یعنی کل بارہ سو افراد پر مشتمل ہوگی یا یہ کہ ان مسلمانوں کے درمیان موجود بارہ سو افراد ایسے ہوں گے جن کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے۔ یہ بات بھی کسی روایت سے معلوم نہیں ہوتی کہ اس وقت شام کے علاوہ دوسرے علاقوں میں مسلمان موجود ہوں گے یا نہیں۔

دجّال اور دجّالیت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے فتنے کو انسانی تاریخ کا عظیم ترین فتنہ قرار دیا ہے۔ یہ فتنہ مسلمانوں کی تاریخ کا سب سے آخری مگر بہت ہی صبر آزما ہوگا اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فتنے کے شر سے صرف وہی مسلمان محفوظ رہیں گے۔ جو مضبوط اور غیر متزلزل ایمان کے مالک ہوں گے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ایسی مافوق العادت قوتیں دے کر مسلمانوں کو آزمائے گا جس سے کمزور ایمان والے، یا وہ لوگ جن کے دلوں میں ایمان کی جڑیں مضبوط نہ ہوں گی وہ اس کے فتنے کا شکار ہو جائیں گے۔ پھر قیامت سے پہلے جن 30 کذابوں کے ظاہر ہونے کی خبر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ان میں دجال صرف نبوت کا دعویٰ ہی نہیں کرے گا بلکہ خدائی کا بھی دعویٰ کرے گا اور اس دعوے کی دلیل کے لیے شیطانی قوتیں اس کے ساتھ ہوں گی۔ مثلاً ایک مرتبہ ایک مومن کو شہید کر کے دوبارہ زندہ کرنا، بارش برسانا، وغیرہ۔

ایسا لگتا ہے کہ دجال کا ذکر اگرچہ ایک فرد کی حیثیت سے احادیث میں آیا ہے لیکن وہ ایک فکر اور نظریاتی فتنہ ہے جس کو ''دجالیت'' کہنا زیادہ درست ہوگا۔ ہمارا زمانہ اس وقت بھی اس دجالی فکر کی لپیٹ میں ہے۔اس کائنات کے سب سے بڑے سچ یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی ربوبیت پر یقین رکھنے والے آج بھی دجالی قوتوں کے آگے بے بس نظر آ رہے ہیں۔آج بھی باطل قوتیں حق پر بظاہر غالب نظر آ رہی ہیں اور دنیا میں ہر جگہ مسلمانون پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں۔آج بھی باطل قوتوں کا ساتھ دینے والے دجالیت کی اس جنت کی طرف دوڑ رہے ہیں جو حقیقت میں آگ ہے۔آج بھی اللہ کے دشمنوں کی تہذیب وتمدن اور ان کے طور

طریق اپنانے کو سرمایہ افتخار سمجھا جا رہا ہے۔ آج بھی مغرب زدہ ذہن اپنی خوشحالی اور امن وسلامتی کو مغربی طرز زندگی کو اختیار کرنے میں منحصر سمجھ رہا ہے۔

حقیقت میں یہ دجالی جنت ہے جس کا انجام ابدی ہلاکت ہے اور ایسا لگتا ہے کہ یہ فکر جب اپنے کمال کو پہنچے گی تو دجال کی شخصیت اس فکر کا مظہر بن کر دنیا میں آئے گی اور مسلمانوں کی یہ ظاہری اور (انشاء اللہ عارضی) ابتر حالت اللہ کی طرف سے ایک آزمائش ہے جو مسلمانوں کو جھنجھوڑنے کے لیے ہے کہ مسیح دجال کے آنے سے پہلے اس دجالیت کے پرفریب جال سے نکلے بغیر مسلمان اپنی کھوئی ہوئی شوکت و عظمت حاصل نہیں کر سکتے۔ پھر مسلمانوں کی یہ تحقیر اور تذلیل کی آزمائش بھی ان کی اپنی پیدا کردہ ہے۔ اپنی کامیابی، عزت اور شوکت کو حاصل کرنے کے لیے وہ جب تک اغیار کی دہلیز کو چھوڑ کر اللہ رب العزت کی طرف نہیں لوٹیں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں دجالوں کے سپرد کرتا رہے گا۔

دجال کا قتل

ہر فتنہ، ہر آزمائش اور ہر مصیبت کی فطرت یہ ہے کہ وہ عارضی اور وقتی ہوتے ہیں، وہ بہت سے لوگوں کو اپنے جال میں پھنسا کر ہلاک کر دیتے ہیں اور ثابت قدم رہنے والوں کو پہلے سے زیادہ مضبوط کر جاتے ہیں۔ پھر جس امت کے بارے میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ:

''ایسی امت ہرگز ہلاک نہیں ہوگی جس کے اول میں، میں ہوں اور آخر میں عیسیٰ علیہ السلام اور درمیان میں مہدی'' (سنن نسائی) ایسی امت کے لیے مایوسی اور ناامیدی کی گنجائش نہیں رہتی۔ دجال کے قتل کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس نبی کو منتخب فرمایا جو اس امت کے آخر میں ہوگا۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ ممکن ہے اس کی

وجہ یہ ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جن معجزات سے نوازا تھا۔ مثلاً مردے کو اللہ کے حکم سے زندہ کرنا، برص اور مادر اندھے کو شفا دینا وغیرہ۔ دجال بھی ان معجزات کی نقل کر کے لوگوں کو فریب دے گا۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لقب بھی مسیح ہے اور دجال بھی اپنے آپ کو مسیح کہلائے گا۔ اسی لیے شاید اصلی مسیح کے ہاتھوں نقلی مسیح کی موت مقدر فرمائی ہو۔ (واللہ اعلم)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عیسیٰ ابن مریم نازل ہوں گے۔ پس سب سے پہلی نماز فجر کے علاوہ باقی (نمازوں میں) مسلمانوں کی امامت فرمائیں گے اور رکوع سے اٹھ کر سمع اللہ لمن حمدہ کے بعد (بطور دعا فرمائیں گے، قتل اللہ الدجال واظہر المومنین'' (اللہ دجال کو قتل کرے اور مومنین کو غالب کرے) (علامات قیامت صفحہ 72)

چنانچہ جب آپ حضرت امام مہدی کی امامت میں نماز فجر سے فارغ ہوں گے تو وہ دجال کے قتل کے لیے اپنا حربہ سنبھالیں گے:

پس عیسیٰ علیہ السلام اپنا حربہ اس کے سینے کے بیچوں بیچ مار کر اسے قتل کر ڈالیں گے اور اس کے ساتھی شکست کھا جائیں گے۔ اس دن ان میں سے کسی کو بھی کوئی چیز اپنے پیچھے نہیں چھپائے گی (یعنی پناہ نہیں دے گی) (ماخوذ حوالہ بالا)

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کے خون سے بھرا ہوا اپنا حربہ (خنجر) مسلمانوں کو دکھائیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نماز کے بعد یہ ارشاد منقول ہے کہ ''دروازہ کھولو'' اس سے کون سا دروازہ مراد ہے اس کی کوئی وضاحت کسی روایت سے نہیں ہوتی

ہے۔ البتہ شیخ ابو الفتاح ابوغدہ جنہوں نے میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عربی تالیف التصریح بما تواتر فی نزول المسیح کی احادیث کی تخریج کرکے ان احادیث کی اسناد پر تحقیق کی ہے۔ انہوں نے مسجد کا دروازہ مراد لیا ہے اور غالباً مسجد سے مراد اقصیٰ ہے۔

اسلام کی عالمی حکومت

اس طرح دنیا کا عظیم ترین فتنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں اپنے عبرتناک انجام کو پہنچے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پوری دنیا میں ایک عالمی اسلامی حکومت قائم فرمائیں گے۔ جس کی بنیاد خالص اسلامی عدل و مساوات پر ہوگی اور پھر ان برکات کا ظہور ہوگا جن کی خبر صحیح احادیث میں آئی ہے اور جن کا ذکر انشاء اللہ آگے آئے گا۔ دجال کے قتل سے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام فارغ ہوں گے تو لوگ مختلف مقامات سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں آئیں گے۔ جن کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام جنت کی خوشخبری دیں گے۔ چنانچہ حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے مروی طویل روایت میں یہ بیان منقول ہے۔

"پھر عیسیٰ علیہ السلام کے پاس وہ لوگ آئیں گے جن کو اللہ نے دجال (کے دھوکے اور فریب) سے محفوظ رکھا ہوگا۔ تو آپ ان کے چہروں سے (غبار سفر یا آثار رنج و مصیبت کو) پونچھ دیں گے اور جنت میں ان کے درجات (عالیہ) کی خوشخبری سنائیں گے۔" (علامات قیامت صفحہ 51)

اس حدیث میں اس سوال کے جواب کی طرف کچھ اشارہ ملتا ہے جو پہلے احقر نے ذکر کیا تھا کہ معلوم نہیں مسلمان اس وقت صرف فلسطین کی حد تک محدود ہوں گے یا دنیا میں دوسری جگہوں پر بھی مسلمان موجود ہوں گے، اس روایت سے معلوم ہوتا

ہے کہ اس وقت مسلمانوں کی موجودگی دوسرے مقامات پر بھی ہوگی (واللہ اعلم)

عیسائیت کا خاتمہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ وہ ''صلیب کو توڑ دیں گے'' دراصل نصرانیت کے خاتمے کی خبر ہے۔ صلیب پرستی عیسائیوں کا شعار ہے اور اس وقت دنیا میں جتنے بھی عیسائی ہوں گے یا تو مسلمان ہو جائیں گے یا پھر قتل ہو جائیں گے۔

خنزیر کو عیسائیوں اور یہودیوں نے حلال سمجھا ہوا ہے۔ اس کے قتل سے بھی یہودیت اور نصرانیت کے خاتمے کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ اس حدیث کے آخر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد موجود ہے کہ انہوں نے کہا کہ (اگر تم کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی ان صفات کے بارے میں کوئی شبہ ہو تو قرآن کریم کی یہ آیت پڑھو۔ پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے سورہ نساء کی آیت 159 تلاوت فرمائی جس کا ترجمہ یہ ہے:

''تمام اہل کتاب (حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کی موت سے پہلے (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے) ان پر ایمان لے آئیں گے''

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ''اہل کتاب (یعنی یہود و نصاریٰ) کے بہت سے لوگ نزول عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ پائیں گے اور ان پر ایمان لے آئیں گے'' (اور چونکہ اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی شریعت محمدیہ کے تابع ہوں گے لہٰذا ان پر ایمان لانے کا حاصل یہ ہوگا کہ اس وقت تمام عیسائی اور وہ یہود جو قتل سے بچ رہیں گے، مسلمان ہو جائیں گے) یہ تفسیر علامات قیامت میں درمنشور کے حوالے سے صفحہ 100 پر نقل کی گئی ہے۔

حضرت عروۃ بن ردیم رحمتہ اللہ علیہ جو تابعین میں سے ہیں ان کا بیان ہے کہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس امت (محمدیہ) کا بہترین دور دور اول اور دور آخر ہے۔ دور اول میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور دور آخر میں عیسیٰ ابن مریم۔ اور ان دونوں کے مابین (بیشتر لوگ دینی اعتبار سے) بے ڈھنگے، اور کج رو ہونگے وہ تیرے طریقہ پر نہیں اور تو ان کے طریقہ پر نہیں (حوالہ بالا از کنزالعمال صفحہ 94)

یہ حدیث مرسل ہے۔ مرسل اس حدیث کو کہتے ہیں جو ایک تابعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرے اور اس صحابی کا ذکر نہ کرے جس سے یہ حدیث اس کو پہنچی ہے۔ چنانچہ اس میں حضرت عروۃ رحمتہ اللہ علیہ نے کسی صحابی کے حوالے کے بغیر یہ ارشاد فرمایا ہے۔ اس حدیث میں جن بے ڈھنگے اور کج رو لوگوں کا ذکر ہے۔ ان میں صحابہ اور تابعین کا دور شامل نہیں ہے کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دور۔ پھر اس کے بعد والے دور اور پھر اس کے بعد والے زمانے کو سب سے اچھے دور قرار دیا ہے۔

یہ بات بجائے خود انسانی تاریخ کا ایک انوکھا واقعہ ہوگا کہ ایک رسول (عیسیٰ علیہ السلام) اپنی پیدائش سے تقریباً چھ سو سال بعد آنے والے دوسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا ایک فرد بن کر اس امت کی رہنمائی کا فریضہ بھی انجام دے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "عیسیٰ ابن مریم کے اور میرے درمیان نہ کوئی نبی ہے نہ کوئی رسول۔ یاد رکھو! کہ وہ میرے بعد میرے امت میں میرے خلیفہ ہونگے" (علامات قیامت بحوالہ الدر المنثور)

مجھے یاد آرہا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ نے (غالباً اپنے کشف کے ذریعے) فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب دنیا میں اسلامی حکومت قائم کریں گے تو وہ اس حکومت میں فقہ حنفی کے مطابق فیصلے فرمائیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حج وعمرہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ ابن مریم فج الروحا (کے مقام) پر حج کا یا عمرہ کا یا دونوں کا تلبیہ ضرور پڑھیں گے۔'' اور مسند احمد کی روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ

''روحا کے مقام پر قیام کریں گے اور یہیں سے حج یا عمرے یا دونوں کام کریں گے۔''

علامات قیامت میں اس حدیث کے حاشیے میں لکھا ہے کہ مدینہ طیبہ اور بدر کے درمیان ایک مقام ہے جو مدینہ طیبہ سے چھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اسے صرف فج بھی کہتے ہیں اور صرف الروحا بھی کہتے ہیں۔

مذکورہ بالا حدیث میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فج الروحا کے مقام پر آنے اور قیام کرنے کا ذکر ہے جو شہر رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف چھ میل کے فاصلے پر واقع ہے اور وہاں حج یا عمرے یا دونوں کا احرام باندھ کر تلبیہ پڑھیں گے۔ اس لیے ظاہر ہے کہ وہ روضہ اقدس پر بھی ضرور تشریف لے جائیں گے۔ اسی حدیث کو حاکم نے بھی روایت کیا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ پھر اس میں مزید تفصیل یہ روایت کی گئی ہے کہ:

''ابن مریم، حاکم عادل اور امام منصف کی حیثیت سے نازل ہوں گے اور میری (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی قبر پر ضرور آئیں گے۔ حتیٰ کہ مجھے سلام کریں گے اور میں ان کو جواب دوں گا۔ (یہ حدیث سنا کر) اس کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اے میرے بھتیجو! اگر تم ان کو دیکھو تو ان سے کہنا کہ ابوہریرہ

رضی اللہ عنہ نے سلام کہا ہے'' (علامات قیامت صفحہ 47)

مذکورہ بالا روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس کی زیارت بھی فرمائیں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کریں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سلام کا جواب بھی دیں گے۔

مستند احادیث سے یہ بات ثابت شدہ ہے کہ نزول مسیح علیہ السلام کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو چکی ہوگی۔ صحیح مسلم میں یہ روایت موجود ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فج الروحا کے مقام پر حج یا عمرے یا دونوں کا تلبیہ کہنے سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام باوجود خود رسول ہونے کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین اسلام ہی پر عمل فرمائیں گے۔ اس طرح نبی اور رسول ہونے کے باوجود خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری خلیفہ کی حیثیت سے امت مسلمہ کی رہنمائی فرمائیں گے اور یہ امت محمدیہ کے دوسرے اعزازات کے ساتھ بہت ہی بڑا اعزاز ہے۔ واللہ اعلم

ایک روایت میں ہے: ''حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام ضرور نازل ہوں گے (پھر حدیث کے آخر میں فرمایا) پھر اگر میری قبر کے پاس کھڑے ہو کر وہ ''یا محمد'' کہیں گے تو میں ضرور جواب دوں گا۔ (علامات قیامت، بحوالہ مجمع الزوائد تفسیر روح المعانی سورہ احزاب)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نکاح

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں (نازل ہونے کے اکیس سال بعد) نکاح کریں گے اور

(نکاح کے بعد) دنیا میں انیس سال قیام کریں گے۔ (اس طرح دنیا میں قیام کی مدت چالیس سال ہو جائے گی)۔ پہلے مستند روایات کے حوالے سے یہ بات گزر چکی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد اس دنیا میں چالیس سال زندہ رہیں گے اور پھر ان کی وفات ہوگی۔

آسمان پر اٹھائے جانے تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کوئی نکاح نہیں کیا تھا۔ اس لیے ظاہر ہے کہ یہ نکاح آپ کا آسمان سے نازل ہونے کے بعد ہی ہوگا اور اس نکاح سے آپ کی اولاد بھی ہوگی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عیسیٰ ابن مریم زمین پر نازل ہونے کے بعد نکاح کریں گے اور ان کی اولاد بھی ہوگی۔''

پہلے روایات نقل کی گئی ہیں کہ آپ کا نکاح قبیلہ جذام میں ہوگا... اس روایت کے یہ الفاظ تازہ کرلیں۔ یہ روایت علامات قیامت میں علامہ مقریزی کی مشہور تالیف الخطط کے حوالے سے بیان کی گئی ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ جذام کے وفد سے فرمایا کہ ''شعیب علیہ السلام کی قوم اور موسیٰ علیہ السلام کی سسرال کا (یعنی تمہارا) آنا مبارک ہو اور قیامت اس وقت تک نہ آئے گی جب تک مسیح علیہ السلام تمہاری قوم میں نکاح نہ کریں اور ان کے اولاد پیدا نہ ہو۔''

اس روایت کی بنا پر قبیلہ جذام کو تین نبیوں کی نسبت حاصل ہو جائے گی۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم ہونا، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سسرال ہونا۔ لیکن اس روایت کے بارے میں مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب نے حاشیے میں اس حدیث پر مندرجہ ذیل تبصرہ کیا ہے۔

''علامہ مقریزی کی کتاب الخطط میں یہ حدیث اسی طرح ہے مگر افسوس کہ

انہوں نے اس کی سند ذکر نہیں کی۔ احقر نے کتب حدیث میں اس کو تلاش کیا۔ اصل حدیث تو کئی کتابوں میں سند کے ساتھ مل گئی مگر حدیث کا آخری جملہ ''اور قیامت تک الخ اب تک کسی کتاب میں نہیں ملا۔ اصل حدیث حضرت سلیمہ بن سعدؓ سے مرفوعا، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے طور پر روایت ہے۔''

اس تبصرے کا حاصل یہ ہوگا کہ قبیلہ جذام کے وفد کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری تو مختلف کتب میں موجود ہے۔ مگر یہ بیان کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس قبیلے میں شادی کریں گے اس حدیث میں موجود نہیں ہے لیکن آپ کا شادی کرنا اور اولاد ہونا دوسری احادیث سے ثابت ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ عدل وانصاف، ایمان ویقین، امن وسکون، خوشحالی اور برکتوں کا زمانہ ہوگا۔

حضرت عیسیٰ کی وفات اور تدفین

مسند احمد کی روایت سے علامات قیامت میں یہ بیان حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت سے نقل کیا گیا ہے۔ کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا)

پس عیسیٰ علیہ السلام جب تک اللہ چاہے گا دنیا میں رہیں گے۔ پھر ان کی وفات ہوگی اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھ کر اس کو دفن کریں گے۔

(''علامات قیامت'' صفحہ 65)

حضرت عبداللہ بن سلامؓ کا ارشاد ہے کہ توراۃ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات لکھی ہوئی ہیں اور (یہ کہ) عیسیٰ ابن مریم ان کے پاس (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے) دفن کیے جائیں گے۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس میں حضرت ابوبکر اور حضرت

عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے ساتھ ان کے لیے جگہ خالی رکھی گئی ہے۔

مشکوۃ میں کتاب الوفا کے حوالے سے ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

''حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عیسیٰ ابن مریم زمین پر نازل ہوں گے۔ نکاح کریں گے اور ان کی اولاد ہوگی۔ وہ 45 برس تک دنیا میں رہیں گے۔ پھر وہ وفات پائیں گے اور میری قبر میں دفن کیے جائیں گے۔ (قیامت کے دن) میں اور عیسیٰ ابن مریم ایک قبر سے ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) کے درمیان اٹھیں گے۔ اس روایت میں پینتالیس برس کا عدد ہے۔ مگر دوسری احادیث سے چالیس ہی کا عدد ثابت ہوتا ہے۔

ساتواں باب

حضرت ذوالقرنین

اور

یاجوج ماجوج

☆ حضرت ذوالقرنین اور یاجوج ماجوج

☆ یاجوج ماجوج کون ہیں اور کہاں ہیں؟

☆ سدّ ذوالقرنین

☆ یاجوج ماجوج کی دیوار میں سوراخ

☆ یاجوج ماجوج کا خروج

☆ کیا یاجوج ماجوج کی دیوار گرچکی ہے؟

حضرت ذو القرنین

میں نے زیر نظر کتاب کے بالکل شروع میں عرض کیا تھا کہ علامات قیامت جو قرآن وسنت میں بیان کی گئی ہیں، ان کو تین قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے:

1۔علامات بعیدہ

2۔علامات متوسط

3۔علامات قریبہ

پہلی قسم یعنی علامات بعیدہ وہ علامتیں ہیں جو کافی پہلے ظاہر ہو چکی ہیں۔ان کو بعیدہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کے اور قیامت کے درمیان دوسری علامتوں کے مقابلے میں زیادہ فاصلہ ہے۔ان علامتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ محمدؐ میں فرمایا **فقد جاء اشر اُطھا** ''اس کی علامات ظاہر ہو چکی ہیں (یعنی قیامت کی)''۔

دوسری قسم میں وہ علامات ہیں جو درمیانی زمانے میں پیش آئیں گی۔وہ ظاہر تو ہو چکی ہیں مگر اپنی انتہا کو نہیں پہنچیں۔ان علامات کی فہرست بہت طویل ہے اور ان میں سے اکثر کو پورا ہوتا ہوا آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ان علامات کا تعلق زیادہ تر اس امت میں پھیلنے والی برائیوں سے ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آنے والے زمانوں کو جس میں خاص طور پر ہمارا یہ زمانہ بھی شامل ہے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو آنکھوں سے دکھا دیا ہو۔یوں تو ان علامات کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن اس زمانے سے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تفصیل پیش کی ہے، ان کا مشاہدہ ہم اپنی زندگی میں کر رہے ہیں۔

جب یہ ساری علامتیں انتہا کو پہنچیں گی تو قیامت کی بڑی بڑی علامتیں اور قریبی علامتوں کے ظاہر ہونے کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ان تمام

فتنوں سے محفوظ رکھے اور ایمان و یقین کی دولت
کے ساتھ قبر تک پہنچائے۔ آمین

تیسری قسم ان علامات کی ہے جو قیامت سے بالکل قریبی زمانے میں یکے بعد دیگر ظاہر ہوں گی۔ یہ عالم گیر واقعات ہوں گے۔ اسی لیے ان علامات کو علمانے علامات کبریٰ یعنی بڑی علامتیں بھی کہا ہے۔ ان علامتوں میں امام مہدی کا ظہور، دجال کا خروج، نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام، یاجوج ماجوج کا فتنہ۔ آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا۔ دابتہ الارض اور یمن سے نکلنے والی ایک آگ وغیرہ کے واقعات شامل ہیں۔ ان علامتوں میں سے امام مہدی کے ظہور، دجال کے خروج اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول پر تفصیل بیان ہو چکی ہے۔

حضرت ذوالقرنین اور یاجوج ماجوج

قرآن کریم میں اللہ جل شانہ نے یاجوج ماجوج کا ذکر دو مقامات پر فرمایا ہے۔ ایک سورہ کہف میں اور دوسرا سورہ انبیاء میں۔ سورہ کہف میں یہ ذکر حضرت ذوالقرنین کے تفصیلی ذکر میں آیا ہے اور اس بیان کا تعلق یاجوج ماجوج کے ابتدائی دور سے ہے۔ جبکہ سورہ انبیاء میں یاجوج ماجوج کی قوم کا ذکر قیامت کی علامت کے طور پر کیا گیا ہے۔ چونکہ یاجوج ماجوج کا تعلق حضرت ذوالقرنین سے براہ راست ہے کیونکہ انہوں نے ہی اس وحشی قوم کو دو پہاڑوں کے درمیان ایک آہنی دیوار قائم کر کے دنیا والوں کو ان کی تباہ کاریوں سے نجات دلائی تھی۔ اس لیے قارئین کی دلچسپی اور معلومات کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ذوالقرنین کی شخصیت، ان کی تاریخ، ان کی دینی حیثیت اور ان کی دنیا پر حکومت کے بارے میں کچھ تفصیل عرض کر دی جائے۔ یہ تفصیل یہاں اس لیے بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ ان کے

بارے میں بعض شبہات اور اعتراضات کی وضاحت
بھی ہو جائے گی۔

سورہ کہف کا گیارہواں رکوع ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے:

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنْ ذِى الْقَرْنَيْنِ قُلْ سَاَتْلُو عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا (۸۳)

جن کا ترجمہ یہ ہے:

''اور (اے رسول) یہ لوگ آپ سے ذوالقرنین کا حال پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجیے کہ میں ابھی اس کا ذکر تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں۔'' (18:83)

اس کے بعد قرآن کریم میں حضرت ذوالقرنین کے بیان کا خلاصہ یہ ہے:

''وہ ایک صالح عادل بادشاہ تھے۔ جو مشرق و مغرب میں پہنچے اور ان کے ممالک کو فتح کیا اور ان ممالک میں عدل و انصاف کی حکمرانی کی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ہر طرح کے سامان (اسباب) اپنے مقاصد پورا کرنے کے لیے عطا کر دیے گئے تھے۔ انہوں نے فتوحات کرتے ہوئے تین اطراف میں سفر کیے مغرب اقصیٰ تک اور مشرق اقصیٰ تک اور پھر شمال کوہستانی سلسلے تک، اسی جگہ انہوں نے دو پہاڑوں کے درمیانی درے کو ایک عظیم الشان آہنی دیوار کے ذریعے بند کر دیا۔ جس کی وجہ سے یاجوج ماجوج کی تاخت و تاراج سے اس علاقے کے لوگ محفوظ ہو گئے۔'' (معارف القرآن جلد (5) 18:88)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کرنے والے کون لوگ تھے؟ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قریش مکہ تھے۔ جن کو یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور سچائی کا امتحان لینے کے لیے تین سوال بتلائے تھے۔ روح کیا ہے؟ اصحاب کہف کون ہیں؟ اور ذوالقرنین کون ہیں؟ سورہ کہف میں ان تینوں سوالوں کا جواب دیا گیا ہے۔ مندرجہ بالا آیات حضرت ذوالقرنین کے بارے میں ہیں۔

حضرت ذوالقرنین کے بارے میں مفسرین نے جو تفصیلات لکھی ہیں ان کی بنیاد قدیم تاریخی روایات پر ہے۔اسی لیے اس میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے اپنی تحقیقی کتاب قصص القرآن میں اس واقعے کی تفصیل بیان کی ہے۔تاریخ کا ذوق رکھنے والوں کے لیے اس کتاب کا مطالعہ مفید ہوگا۔

"بعض روایات میں ہے کہ پوری دنیا پر سلطنت وحکومت کرنے والے چار بادشاہ ہوئے ہیں۔ ان میں سے دو مومن ہیں اور دو کافر۔مومن بادشاہ حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت ذوالقرنین ہیں اور کافر بادشاہ میں نمرود اور بُخت نصر ہیں۔" (معارف القرآن جلد پنجم صفحہ 618)

حضرت ذوالقرنین کے بارے میں بعض روایات کی بنا پر یہ غلط مشہور ہوگیا کہ وہ وہی سکندر تھا جو یونانی مقدومی تھا اور جس کا وزیر ارسطو فلسفی تھا اور جس کی دارا سے جنگ ہوئی تھی۔اس کو سکندر اعظم بھی کہتے ہیں۔معارف القرآن میں لکھا ہے کہ یہ عجیب اتفاق ہے کہ ذوالقرنین کے نام سے دنیا میں متعدد آدمی مشہور ہوئے اور یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ ہر زمانے کے ذوالقرنین کے ساتھ لقب سکندر بھی شامل ہے۔ وہ سکندر جس کی دارا سے جنگ ہوئی تھی اور جس نے دنیا کو فتح کیا تھا، ان تاریخی سکندروں میں سب سے آخری سکندر تھا۔اسی کے قصے دنیا میں زیادہ مشہور ہوئے ہیں یہ شخص آتش پرست اور مشرک تھا۔اس سے حضرت ذوالقرنین کا کوئی تعلق نہیں ہے۔بعض لوگوں نے قرآن میں جس کا ذکر آیا ہے ان کو وہی ذوالقرنین کہہ دیا ہے یہ سراسر غلط ہے۔

قرآن میں جس ذوالقرنین کا ذکر آیا ہے ان کے نبی ہونے میں تو علما کا اختلاف ہے۔مگر مومن صالح ہونے پر سب کا اتفاق ہے اور خود قرآن کریم کی

آیات اس پر شاہد ہیں۔ میرے پاس اس وقت
قرآن کریم کا وہ نسخہ ہے جس میں میرے والد حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ یہ قرآن خود انہوں نے اس عاجز کو دیا تھا اور میں اسی قرآن سے تلاوت کرتا ہوں۔ اب تقریباً 30 سال بعد یہ بوسیدہ ہوگیا ہے اور ابتدائی لوح جس پر مترجم اور حاشیہ کے مولف کا نام ہوتا ہے وہ ضائع ہوگیا ہے۔ ترجمہ تو شاہ عبدالقادرؒ کا ہے لیکن اب مجھے یاد نہیں کہ حاشیہ شاہ رفیع الدین کا ہے یا کسی اور کا۔ غالب گمان یہ ہے کہ شاہ رفیع الدین کا حاشیہ ہے۔ ان آیات کے حاشیے میں لکھا ہے:

''ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین کوئی مقبول بزرگ بادشاہ ہیں۔ خواہ نبی ہوں یا ولی ہوں یا کسی دوسرے نبی کے متبع۔ پھر ولایت کی صورت میں یہ مکالمت (یعنی اللہ تعالیٰ سے مکالمہ جس کا ذکر اگلی آیات میں ہے) بطور الہام ہوئی ہو یا کسی نبی کے ذریعے سے اور شاید ذوالقرنین ان کا لقب اس لیے ہوا ہو کہ قرن جانب کو کہتے ہیں اور قرنین تثنیہ کا صیغہ ہے۔ چونکہ انہوں نے جوانب ارض پر تسلط حاصل کرلیا تھا۔ اس لیے ذوالقرنین لقب ہوگیا ہو۔''

اب یہ سوال رہا کہ جس ذوالقرنین کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے۔ وہ کون ہیں اور کس زمانے میں ہوئے ہیں؟ اس کے متعلق بھی علما کے اقوال مختلف ہیں۔ معارف القرآن میں لکھا ہے کہ، ''ابن کثیر کے نزدیک ان کا زمانہ، اسکندر یونانی جس کو سکندر اعظم کہتے ہیں۔ اس سے دو ہزار سال پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ ہے اور ان کے وزیر حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں سلف صالحین سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ ذوالقرنین پا پیادہ حج کے لیے پہنچے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے آنے کا علم ہوا تو مکہ سے باہر نکل کر استقبال

کیا اور حضرت خلیل علیہ السلام نے ان کے لیے دعا بھی کی اور کچھ وصیتیں اور نصیحتیں بھی ان کو فرمائیں۔ (البدایہ صفحہ 108 ج 2)

اور ابوریحان البیرونی نے اپنی کتاب الآثار الباقیہ عن القرون الخالیہ میں لکھا ہے کہ یہ ذوالقرنین جن کا ذکر قرآن میں ہے۔ ابوبکر بن سمی بن عمر بن افرلقیس حمیری ہے۔ جس نے زمین کے مشارق و مغارب کو فتح کیا اور تبّع حمیری یمنی نے اس پر فخر کیا ہے کہ میرے دادا ذوالقرنین مسلمان تھے۔ (معارف القرآن جلد پنجم صفحہ 63)

حضرت ذوالقرنین کے حوالے سے یاجوج ماجوج کا ذکر چل رہا تھا۔ حضرت ذوالقرنین کے بارے میں جو مختلف اقوال آئے ہیں وہ پہلے آ چکے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ذوالقرنین ایک عظیم بادشاہ تھے اور قرآن کریم کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انہیں ہر طرح کے اسباب اور وسائل سے نوازا تھا۔ انہوں نے مشرق و مغرب کے ممالک پر عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کی اور ان کے بارے میں یہ غلط مشہور ہے کہ وہ سکندر اعظم ہیں۔ ان کا زمانہ اس سکندر اعظم سے دو ہزار سال پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ ہے۔ سورہ کہف میں ان کا ذکر کافی تفصیل کے ساتھ آیا ہے۔

قرآن کریم اور یاجوج ماجوج

سورۃ کہف میں قرآنِ کریم کے ارشاد کا ترجمہ یہ ہے:

”جب وہ (ذوالقرنین) سورج کے طلوع ہونے کے مقام پر پہنچے (یعنی انتہائی مشرق میں) تو آفتاب کو ایک ایسی قوم پر طلوع ہوتے ہوئے دیکھا جن کے لیے ہم نے آفتاب کے اوپر کوئی آڑ نہیں رکھی۔ (یہ قصہ) اسی طرح ہے اور اس کے (ذوالقرنین کے) پاس جو کچھ تھا۔ ہم کو اس کی پوری خبر ہے۔ (وہ آگے روانہ ہوئے) یہاں تک کہ جب دو پہاڑوں کے درمیان پہنچے تو (پہاڑوں سے) اُس

طرف ایک قوم کو دیکھا۔ جو کوئی بات سمجھنے کے قریب
بھی نہیں پہنچے۔ انہوں نے (ذوالقرنین سے) عرض کیا۔ اے ذوالقرنین! یاجوج ماجوج (جو اس گھاٹی کے اس طرف رہتے ہیں) ہماری زمین پر بڑا فساد مچاتے ہیں۔ سو ہم آپ کے لیے کچھ چندہ جمع کر دیں۔ اس شرط پر کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک روک بنا دیں۔ (تاکہ وہ آنے نہ پائیں) انہوں نے جواب دیا کہ میرے رب نے جس (مال) میں مجھے اختیار دیا ہے وہ بہت کچھ ہے۔ (اس لیے مال کی تو مجھے ضرورت نہیں البتہ) اپنی قوت (یعنی محنت سے) میری مدد کرو۔ تو میں تمہارے اور ان کے درمیان مضبوط دیوار بنا دوں۔ تم لوگ میرے پاس لوہے کی چادریں لاؤ۔ یہاں تک کہ جب دونوں پھاٹوں (یعنی دونوں پہاڑوں کے درمیانی خلا کو پہاڑوں کے) برابر کر دیا۔ تو کہا دھونکو یہاں تک کہ جب اس کو آگ بنا دیا (یعنی انگارے کی طرح سرخ کر دیا) تو حکم دیا کہ اب میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ کہ اس پر ڈال دوں۔ (یہ پہلے سے تیار کرالیا ہوگا) سو نہ تو وہ لوگ (یاجوج ماجوج) اس پر چڑھ سکتے تھے اور نہ (انتہائی مضبوطی کے سبب) اس میں نقب دے سکتے تھے۔ (اس درے کی تعمیر کے بعد حضرت ذوالقرنین نے کہا) یہ میرے رب کی ایک رحمت ہے۔ پھر جس وقت میرے رب کا وعدہ آئے گا (یعنی اس کے فنا ہونے کا وقت) تو اس کو ڈھا کر زمین کے برابر کر دے گا اور میرے رب کا وعدہ برحق ہے اور اس روز ہم ان کی یہ حالت کریں گے کہ وہ ایک میں ایک گڈمڈ ہو جائیں گے اور صور پھونکا جائے گا اور پھر سب کو جمع کرلیں گے۔ (القرآن، سورہ کہف آیات 90 تا 99)

مذکورہ بالا آیات میں حضرت ذوالقرنین اور یاجوج ماجوج کے بارے میں مندرجہ ذیل پہلوؤں کی تفصیل ملتی ہے۔

1۔ حضرت ذوالقرنین پوری دنیا پر ایک عظیم سلطنت کے بادشاہ تھے۔ ''ہم نے ان کو روئے زمین پر حکومت دی تھی۔''

2۔ ان کی حکومت انتہائے مشرق سے انتہائے مغرب تک وسیع تھی۔ ''طلوع شمس کے موقع پر اور غروب آفتاب کے موقع'' کے الفاظ میں اس کی وضاحت ہے۔ اگرچہ ان کا سفر شمال میں بھی ہوا اور شمالی علاقوں پر بھی ان کی حکومت تھی۔

3۔ وہ ایک ایسی قوم پر پہنچے جن کے اوپر سورج کے درمیان کوئی آڑ نہیں تھی۔ چنانچہ مفسرین اور مورخین کے علاوہ ہمارے اس دور کے بعض عیسائی محققین نے لکھا ہے کہ یاجوج ماجوج مکانات اور عمارتیں بنائے بغیر رہتے ہیں۔

4۔ حضرت ذوالقرنین معاشی طور پر نہایت مستحکم حکومت کے مالک تھے۔ ''اور ہم نے ان کو ہر قسم کا سامان دیا تھا'' (سورہ کہف آیت 84)۔ ''ان کے پاس جو کچھ (سامان) تھا ہمیں اس کی پوری خبر ہے۔'' (آیت 91)

5۔ ان اسباب میں مال و دولت کے علاوہ اعلیٰ درجے کی سائنسی ٹیکنالوجی بھی شامل تھی۔ جس کے ذریعے وہ لوہے کی چادریں بنانے اور مختلف دھاتوں کے بھرت (Alloys) تیار کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے اور بھاری سامان کی نقل وحرکت کے ذرائع بھی موجود تھے۔

6۔ انہوں نے اللہ کی عطا کردہ ٹیکنالوجی اور لوگوں کی مدد سے دو پہاڑوں کے درمیان لوہے اور تانبے کے مرکب سے ایسی ایک دیوار تیار کی جس کی مضبوطی کا یہ عالم ہے کہ وہ تقریباً پانچ ہزار سال سے زائد ایک نہایت طاقتور قوم، جس کی تعداد احادیث کے مطابق دنیا کی پوری آبادی سے دس گنا ہے اور حد درجے کے وحشی ہیں۔ ان کی تمام کوششوں کے باوجود آج تک اس دیوار کو گرانے میں کامیاب نہیں ہوئے اور اس وقت تک نہیں ہوں گے جب تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہونے کے بعد

دجال کو قتل کر کے دنیا میں ایک عالمی اسلامی حکومت نہ قائم فرمادیں اور جن کی کثرت کا یہ عالم ہے کہ ''جب وہ نکلیں گے تو ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو جائیں گے۔''

یہاں قرآن میں یموج کا لفظ اختیار کیا گیا ہے یعنی وہ موجیں ماریں گے اور سورہ انبیاء کے مطابق ہر بلندی سے اگتے ہوئے، یا پھسلتے ہوئے معلوم ہوں گے۔

7۔ یاجوج ماجوج ایک ایسی وحشی قوم ہے جو زبان و لغت اور اپنی وحشیانہ زندگی کے سبب ''کوئی بات سمجھنے کے قریب بھی نہیں پہنچے تھے'' (آیت 93)

8۔ یاجوج ماجوج نے روئے زمین پر فساد پھیلا رکھا تھا اور ان کی لوٹ مار اور غارت گری کی وجہ سے مشرق کے لوگ سخت آفت میں مبتلا تھے۔ ''ہماری زمین پر بڑا فساد مچاتے ہیں'' (آیت 94)

9۔ حضرت ذوالقرنین پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت تھی۔ ''انہوں نے کہا یہ میرے رب کی ایک رحمت ہے۔'' (آیت 98)

اس لیے بعض مورخین کا یہ قول کہ وہی سکندر اعظم ہیں، غلط ثابت ہوتا ہے کیونکہ سکندر اعظم آتش پرست اور کافر تھا اور یہ نہ صرف مسلمان تھے بلکہ اللہ کے مقبول بندے تھے۔ ان کی مقبولیت کی اس سے بڑی اور کیا دلیل ہوگی کہ ان کا نام لے کر رب العلمین نے پورے ایک رکوع میں ان کے کارناموں کا ذکر قرآن میں کیا ہے۔ بلکہ علماء ان کے بارے میں نبی ہونے کے امکان کو بھی رد نہیں کرتے۔

10۔ انہوں نے جو دیوار بنائی وہ ظاہر ہے کہ کوئی چھوٹی موٹی دیوار نہیں تھی۔ دو پہاڑوں کے درمیان ایک طویل فاصلے پر محیط تھی، جس نے اس قوم کو باقی دنیا سے کاٹ دیا۔ اس کے بارے میں قرآن کریم نے جو الفاظ استعمال کیے ہیں وہ یہ ہیں: ''نہ تو وہ لوگ اس پر چڑھ سکتے تھے اور نہ ان میں نقب دے سکتے تھے۔''

11۔ حضرت ذوالقرنین کو الہام یا وحی کے
ذریعے یہ معلوم ہوگیا تھا کہ یہ دیوار قیامت سے ذرا پہلے تک قائم رہے گی اور پھر اللہ کے حکم سے یہ گر جائے گی۔ ''جب میرے رب کا وعدہ آئے گا تو اس کو ڈھا کر زمین کے برابر کردے گا۔''

یاجوج ماجوج کون ہیں اور کہاں ہیں؟

یأجوج ماجوج کے بارے میں بہت سی بے سروپا اور عجیب وغریب باتیں مشہور ہیں۔ ان کا ذریعہ زیادہ تر اسرائیلی روایات ہیں۔ ان روایات کو بعض مفسرین نے بھی تاریخی حیثیت سے نقل کردیا ہے۔ قرآن کریم نے ان کا مختصر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بقدر ضرورت ذکر تفصیل کے ساتھ بیان کردیا ہے۔ ایمان لانے اور اعتقاد رکھنے کے لیے صرف اتنی ہی تفصیل کافی ہے جتنی قرآن کریم اور صحیح احادیث میں آئی ہے۔ باقی تاریخی اور جغرافیائی تفصیلات جو مفسرین اور مورخین نے ذکر کی ہیں، وہ صحیح بھی ہوسکتی ہیں اور غلط بھی۔ لیکن ان کے صحیح یا غلط ہونے سے قرآن کریم کے ارشادات پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

قرآن وسنت سے اتنی بات بلاشبہ ثابت ہے کہ یاجوج ماجوج انسانوں ہی کی قومیں ہیں اور تمام انسانوں کی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ کیونکہ قرآن میں یہ صاف بیان کردیا گیا ہے کہ طوفان نوحؑ کے بعد جتنے انسان دنیا میں ہیں یا آئندہ ہوں گے وہ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں گے۔

''تاریخی روایات اس پر متفق ہیں کہ وہ یافث کی اولاد میں سے ہیں۔''

(معارف القرآن جلد پنجم)

''ان کے بارے میں علامہ جمال الدین قاسمیؒ نے بعض محققین کے حوالے

سے بیان کیا ہے کہ داغستان کے علاقے میں قوقاز
(معارف القرآن میں اس کو قفقاز کے نام سے ذکر کیا گیا ہے) یعنی کوہ قاف کے پہاڑوں میں سے کسی پہاڑ کے پیچھے دو قبیلے پائے جاتے تھے۔ ان میں سے ایک کا نام ''آقوق'' اور دوسرے کا نام ''ماقوق'' تھا۔ پھر عرب ان کو ''یاجوج ماجوج'' کہنے لگے۔ یہ دونوں قبیلے بہت سی امتوں میں معروف ہیں اور ان کا ذکر اہل کتاب کی کتابوں میں بھی آیا ہے۔ پھر ان دونوں قبیلوں کی نسل ہی سے روس اور ایشیا کی بہت سے قومیں پیدا ہوئیں...

...جغرافیہ کے مشہور مسلمان ماہر اور عالم شریف ادریسی (متوفیٰ 560ھ) نے جو دنیا کا نقشہ تیار کیا تھا، اس میں بھی یاجوج ماجوج کا محل وقوع مشرق اقصیٰ کے بالکل آخری کنارے پر شمال کی جانب دکھایا ہے۔ ان کے اور باقی دنیا کے درمیان طویل پہاڑی سلسلہ ہے۔ صرف ایک راستہ نقشہ میں دکھایا ہے جہاں پہاڑ نہیں ہیں''
(علامات قیامت صفحہ 52)

مجھے خیال آیا کہ یاجوج ماجوج کے بارے میں اہل کتاب کے موقف پر بھی ایک نظر ڈالی لینا مناسب ہوگا۔ ''بائبل گیٹ وے'' کی ویب سائٹ پر دیکھا کہ وہاں یاجوج ماجوج کے بارے میں اچھا خاصا مواد موجود ہے۔ بائبل کے ایک مفسر نے کتاب حزقیل کے 38 ویں باب کی بعض آیات کی تفسیر کرتے ہوئے بہت سی بے سروپا باتیں لکھی ہیں۔ انگریزی میں یاجوج ماجوج کو Gog Magog کے نام سے بائبل میں ذکر کیا گیا ہے۔

اس کے مصنف نے بھی بہت سے تاریخی حوالوں سے لکھا ہے کہ یاجوج ماجوج موجودہ روسی قوم کے آباؤ اجداد تھے۔ اس نے بعض تاریخی حوالوں سے لکھا ہے کہ آٹھویں صدی میں دیوار چین کو Sud Yagog et magog

کہا جاتا تھا۔ جس کے معنیٰ ہیں یاجوج ماجوج کی
دیوار۔ Sud کا لفظ عربی کا سد ہے۔ ''جس کے معنیٰ ایسی چیز کے ہیں جو کسی چیز کے لیے رکاوٹ بن جائے خواہ وہ دیوار ہو یا پہاڑ، قدرتی ہو یا مصنوعی، قرآن نے سورہ کہف میں سدین کا لفظ دو پہاڑوں کے لیے استعمال کیا ہے'' (معارف القرآن ج 5)

سدّ ذوالقرنین

دلچسپ بات یہ ہے کہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ جو میرے والد ماجدؒ کے استاد بھی تھے اور علوم حدیث پر اپنی گہری نظر اور دسترس کے لیے علما میں ان کا نام بہت معتبر تھا۔ انہوں نے اپنی تالیف ''عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام میں سد ذوالقرنین اور یاجوج ماجوج کا ذکر اگرچہ ضمنی طور پر بیان فرمایا ہے۔ مگر جو کچھ بیان کیا ہے وہ تحقیق وروایت کے اعلیٰ معیار پر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مفسد اور وحشی انسانوں کی تاخت وتاراج کی حفاظت کے لیے زمین پر ایک نہیں بہت سی جگہوں میں سدین (دیواریں) بنائی گئی ہیں جو مختلف بادشاہوں نے مختلف مقامات پر مختلف زمانوں میں بنائی ہیں۔ ان میں سے زیادہ بڑی اور مشہور دیوار چین ہے۔ جس کا طول، ابوحیان اندلسی نے (ایران کا ایک مشہور شاہی مورخ) بارہ سو میل بتایا ہے اور یہ کہ اس کا بانی فغفور بادشاہ چین ہے اور اس کی بناء (تعمیر) کا زمانہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمین پر تشریف لانے کے تین ہزار چار سو ساٹھ سال بعد بتایا ہے۔''
(معارف القرآن ج5)

بائبل کی مذکورہ بالا آیت کے مفسر نے لکھا ہے کہ دیوار چین کو آٹھویں صدی میں یاجوج ماجوج کی دیوار کہا جاتا تھا۔ جبکہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی مذکورہ بالا تحقیق کے

بارے میں مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے قصص

القرآن میں تاریخی وضاحت بڑی تفصیل اور تحقیق کے ساتھ کی ہے۔ انہوں نے تاریخی حوالوں سے ایسی چار دیواروں کا ذکر تفصیل سے کیا ہے جو مختلف زمانوں میں بنائی گئیں۔ مشہور مورخ ابن خلدون نے اپنے مشہور مقدمے میں سدّ ذوالقرنین اور یاجوج ماجوج کے محل ومقام کو متعین کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''ساتویں اقلیم کے نویں حصے کے وسط ہی میں وہ سدّ سکندری ہے جس کا ہم ابھی ذکر کر آئے ہیں اور جس کی اطلاع قرآن نے بھی دی ہے'' (معارف القرآن ج 5)

قصص القرآن میں ایسی چار دیواروں پر تاریخی تحقیق دی گئی ہے جو مختلف بادشاہوں نے وحشی قبائل کو روکنے کے لیے بنائی ہیں۔ معارف القرآن میں مفتی محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ان چار دیواروں کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

''چونکہ یہ سب دیواریں شمال ہی میں ہیں اور تقریباً ایک ہی ضرورت کے لیے بنائی گئی ہیں اس لیے ان میں سے سدّ ذوالقرنین کون سی ہے اس کے متعین کرنے میں اشکالات پیش آئے ہیں... مذکورہ الصدر چار سدّوں میں سے دیوار چین جو سب سے زیادہ بڑی اور سب سے زیادہ قدیم ہے اس کے متعلق تو سدّ ذوالقرنین ہونے کا کوئی قائل نہیں ہے اور وہ بجائے شمال کے مشرق اقصیٰ میں ہے اور قرآن کریم کے اشارہ سے اس کا شمال میں ہونا ظاہر ہے'' (جلد پنجم صفحہ 640)

آخر میں انہوں نے لکھا ہے ''حضرت الاستاذ مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ نے عقیدۃ الاسلام میں کوہ قاف، قفقاز کی سدّ کو ترجیح دی ہے۔ یہ سدّ ذوالقرنین کی بنائی ہوئی ہے۔''

مذکورہ بالا تمام حوالوں سے اتنی بات یقینی طور پر سامنے آتی ہے کہ یاجوج ماجوج انسان ہیں، وحشی ہیں اور تہذیب وتمدن سے کوسوں دور ہیں۔ بغیر مکانات

بنائے رہتے ہیں۔شمال میں واقع پہاڑوں کے پیچھے

آباد ہیں۔دیوار چین سد ذوالقرنین نہیں ہے۔حضرت ذوالقرنین نے ایک خصوصی دھات جو لوہے اور تانبے کا مرکب تھی۔اس سے ایک ایسی دیوار قائم کی جس نے یاجوج ماجوج کے فتنہ وفساد سے باقی دنیا کو محفوظ کر دیا اور یہ دیوار قرب قیامت میں گرے گی۔احادیث میں یاجوج ماجوج کی جو تفصیلات آئی ہیں،ان کا ذکر اِن شاء اللہ آگے آئے گا۔

یہ دیوار قیامت سے پہلے گر جائے گی

''اور ہم جن بستیوں کو (عذاب سے) فنا کر چکے ہیں ان کے (باشندوں) کے لیے یہ بات ناممکن ہے کہ وہ دنیا میں پھر لوٹ کر آئیں۔ یہاں تک کہ جب یاجوج ماجوج کھول دیے جائیں گے اور وہ (غایت کثرت کی وجہ سے) ہر بلندی سے (جیسے پہاڑ اور ٹیلے) سے نکلتے ہوئے معلوم ہوں گے اور سچا وعدہ نزدیک آ پہنچا ہوگا۔(یعنی قیامت اور روز حشر وغیرہ) تو بس ایک دم سے یہ (قصہ) ہوگا کہ منکر کی نگاہیں پھٹی پھٹی رہ جائیں گی۔(اور یوں کہتے نظر آئیں گے کہ) ہائے کمبختی ہماری! ہم اس (امر) سے غفلت میں تھے بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) ہم ہی ظالم تھے۔''

(سورۃ الانبیاء۔آیات 96 اور 97)

جب قیامت کا وقت قریب آجائے گا تو اس کی ایک نشانی یہ ہوگی کہ ''یاجوج ماجوج کو کھول دیا جائے گا۔'' اور وہ اپنی ناقابل شمار کثرت کی وجہ سے بلند مقام سے نکلتے ہوئے معلوم ہوں گے۔

یہاں قرآن کریم نے ینسلون کا لفظ اختیار کیا ہے۔اسی سے نسل کا لفظ نکلا ہے۔اس لفظ سے ان کی انتہائی کثرت کی طرف بھی اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر بلندی

سے ان کی نسلیں نکل رہی ہوں گی۔ یاجوج ماجوج
کے حوالے سے یہ طے ہو چکا ہے کہ وہ شمال کے پہاڑوں میں کہیں آباد ہیں جن کو سدّ
ذوالقرنین نے روکا ہوا ہے؛ اور جب وہ نکلیں گے تو ان بلندیوں سے نکلتے ہوئے
معلوم ہوں گے۔

سبحان اللہ! قربان جایئے قرآن کریم کی اس بلاغت کے کہ ایک ایسا لفظ رکھ
دیا جس نے نہ صرف یہ کہ ان کی انتہائی کثرت کی طرف اشارہ کر دیا بلکہ اس کی ایسی
منظر کشی کر دی جو بڑی عبارتوں کے ذریعے بھی ممکن نہ تھی۔ پہاڑی علاقوں میں رہنے
والے اس منظر کو خوب جانتے ہیں کہ جب کسی پہاڑ سے لوگ بڑی تعداد میں نیچے
آرہے ہوں تو چٹانوں اور پہاڑون کے پیچ وخم سے اچانک بڑی تعداد میں نمودار
ہونے والے لوگ پہاڑوں سے اگتے ہوئے محسوس ہوں گے۔ قرآن نے یاجوج
ماجوج کے لیے ''کھول دیے جائیں گے'' کے الفاظ اختیار کیے ہیں۔ جس سے معلوم
ہوتا ہے کہ وہ کسی رکاوٹ سے بند ہیں، یعنی دیوار سے۔

یاجوج ماجوج کی اس کثرت کی مزید وضاحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
اپنے ایک ارشاد میں بیان فرمائی ہے۔ یہ روایت صحیح بخاری میں بھی ہے اور صحیح مسلم
میں بھی۔

''حضرت ابوسعید خدریؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا کہ (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ آدمؑ سے فرمائے گا۔ اے آدم! آدمؑ
عرض کریں گے۔ میں خدمت میں حاضر ہوں، اور سب بھلائیاں تیرے ہی
ہاتھوں میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ دوزخ کے لشکر کو نکال۔ (یعنی اپنی
اولاد میں سے دوزخیوں کو نکال) حضرت آدمؑ پوچھیں گے۔ دوزخ کے لشکر
کی تعداد کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہزار میں سے نوسو ننانوے۔''

اس حدیث کے آخر میں صحابہ کرام نے
رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، ''یارسول اللہ! وہ ایک (جو ہزار میں سے جنت میں جائے گا) ہم میں سے کون ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خوش ہو جاؤ! کہ ایک شخص تم میں سے ہوگا اور ہزار یاجوج ماجوج میں سے۔ پھر فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ مجھ کو امید ہے کہ جنتیوں میں تمہاری چوتھائی تعداد ہوگی۔ یہ سن کر ہم نے اللہ اکبر کہا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے امید ہے کہ جنتیوں میں تمہاری تعداد تہائی ہوگی۔ یہ سن کر ہم نے اللہ اکبر کہا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ جنتیوں میں تمہاری تعداد آدھی ہوگی۔ ہم نے پھر اللہ اکبر کہا۔ پھر آپ نے فرمایا۔ لوگوں میں تمہاری تعداد اتنی ہے جتنا کہ سفید بیل کے جسم پر ایک کالا یا کالے بیل کے جسم پر ایک سفید بال۔ (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری ومسلم صفحہ 64 جلد سوم)

اس حدیث کے بعض حصوں پر منکرین حدیث نے اعتراضات اٹھائے ہیں ان کے تفصیلی جوابات شارحین حدیث نے اپنی کتابوں میں ناقابل تردید دلائل کے ساتھ بیان فرمادیے ہیں۔ یہ موقع اس تفصیل کا نہیں ہے۔ اس حدیث میں یاجوج ماجوج کی کثرت کا بیان مقصود ہے۔ لیکن اس حدیث میں الحمدللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لیے ایک عظیم خوش خبری ہے کہ جنت میں ان کی تعداد پچھلی تمام امتوں کی مجموعی تعداد سے زیادہ ہوگی۔ (اللہ تعالیٰ مجھے اور تمام مومنین اور مومنات اور قارئین کو اس تعداد میں شامل فرمالے) آمین۔

مستدرک حاکم کے حوالے سے معارف القرآن میں اس کی مزید وضاحت بیان کی گئی ہے۔

''حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے دس حصے کیے۔ ان میں سے نو حصے یاجوج ماجوج کے ہیں اور باقی ایک حصہ میں دنیا کے تمام انسان ہیں۔ (معارف القرآن پنجم، بحوالہ روح المعانی)

یاجوج ماجوج کی دیوار میں سوراخ

ایک حدیث جو بخاری اور مسلم دونوں نے روایت کی ہے پہلے غالباً نقل کر چکا ہوں جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یاجوج ماجوج کی دیوار میں سوراخ پیدا ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ حدیث ام المومنین حضرت زینب بنت جحش سے روایت ہے۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز نیند سے ایسی حالت میں بیدار ہوئے کہ آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو رہا تھا اور آپ کی زبان مبارک پر یہ جملے تھے۔ لا الٰہ الا اللہ۔ خرابی ہے عرب کی اس شر سے جو قریب آ چکا ہے۔ آج کے دن یاجوج ماجوج کی ردم (دیوار) میں اتنا سوراخ کھل گیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقد تسعین یعنی انگوٹھے اور انگشت شہادت کا حلقہ بنا کر دکھایا۔''

ام المومنین فرماتی ہیں کہ اس ارشاد پر ہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا ہم ایسے حال میں ہلاک ہو سکتے ہیں جبکہ ہمارے درمیان صالحین موجود ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں! ہلاک ہو سکتے ہیں جب کہ خبیث (یعنی شر) کی کثرت ہو جائے۔ (معارف القرآن جلد پنجم صفحہ 632)

اس حدیث سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یاجوج ماجوج کا خروج کس قدر خوفناک اور ہلاکت خیز ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یاجوج ماجوج کی

دیوار میں ایک چھوٹا سا سوراخ خواب میں دیکھا تو
بیدار ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ سرخ تھا اور آپ نے اس پر سخت الفاظ میں، اس شر کا بیان فرمایا۔ یہ بات ہر مسلمان جانتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے خواب سچے ہوتے ہیں۔ ان میں جھوٹ کا شائبہ نہیں ہوتا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب ہی میں اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح ہوتے ہوئے دیکھا تھا اور اسی خواب کی بنیاد پر اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کے لیے لے گئے تھے۔

مقدمہ ابن خلدون میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن خردازبہ نے اپنی جغرافیہ کی کتاب میں واثق باللہ خلیفہ عباسی کا وہ خواب نقل کیا ہے جس میں اس نے یہ دیکھا تھا کہ سد کھل گئی ہے۔ چنانچہ وہ گھبرا کر اٹھا اور دریافت حال کے لیے سلام ترجمان کو روانہ کیا۔ اس نے واپس آ کر اسی سد کے (یعنی ابن خلدون کے مطابق ساتویں اقلیم کے نویں حصے کے حالات بیان کیے) (معارف القرآن جلد پنجم صفحہ 638)

واثق باللہ کے اس خواب کا اور پھر اس کی تحقیق کے لیے ایک جماعت کو بھیجنے کا ذکر امام تفسیر ابن کثیرؒ نے بھی البدایہ والنہایہ میں بھی کیا ہے۔ جس میں جماعت نے واپس آ کر یہ معلومات دی ہیں کہ یہ دیوار لوہے کی ہے اور اس میں بڑے بڑے دروازے بھی ہیں۔ جن پر قفل پڑا ہوا ہے اور یہ شمال مشرق میں واقع ہے اور تفسیر کثیر، اور طبریؒ نے اس واقعے کو بیان کر کے یہ بھی لکھا ہے کہ جو آدمی اس دیوار کا معائنہ کر کے واپس آنا چاہتا ہے تو (واپسی میں) رہنما اس کو ایسے چٹیل میدانوں میں پہنچا دیتے ہیں جو سمرقند کے محاذات میں ہے۔ (معارف القرآن، ج5)

مسند احمدؒ، ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ کے حوالے سے معارف القرآن میں حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یاجوج ماجوج ہر روز سد ذوالقرنین کو کھودتے رہتے ہیں۔

یہاں تک کہ اس آہنی دیوار کے آخری حصے تک
اتنے قریب پہنچ جاتے ہیں کہ دوسری طرف کی روشنی نظر آنے لگے۔ مگر یہ کہہ کر لوٹ جاتے ہیں کہ باقی کو کل کھود کر پار کر دیں گے۔ مگر اللہ تعالیٰ اس کو پھر ویسا ہی مضبوط اور درست کر دیتے ہیں اور اگلے روز پھر نئ محنت اس کے کھودنے میں کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ کھودنے میں محنت کا اور پھر منجانب اللہ اس کی درستی کا اس وقت تک چلتا رہے گا، جس وقت تک یاجوج ماجوج کو بند رکھنے کا ارادہ ہے۔''

''اور جب اللہ تعالیٰ ان کو کھولنے کا ارادہ فرمائیں گے تو اس روز جب وہ محنت کر کے آخری حد میں پہنچا دیں گے۔ اس دن یوں کہیں گے کہ اِن شاء اللہ کل ہم اس کو پار کرلیں گے۔ تو (اللہ کے نام لینے اور اس کی مرضی پر چھوڑنے کی وجہ سے) اگلے روز دیوار کا باقی ماندہ حصہ اسی حالت پر ملے گا، اور وہ اس کو توڑ کر پار کرلیں گے۔ اس واقعے پر ترمذی کی روایت کو ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں نقل کر کے فرمایا ہے کہ ''اسناد اس کی جید اور قوی ہیں۔ لیکن حضرت ابو ہریرہؓ سے اس کو مرفوع کرنے یعنی اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے میں ایک اجنبیت معلوم ہوتی ہے۔ (معارف القران ج 5)

اس حدیث پر مفسرین کا یہ تبصرہ معارف القرآن میں نقل کیا گیا ہے۔ اگر یہ بات صحیح مان لی جائے کہ یہ حدیث مرفوع نہیں ہے (یعنی آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں) بلکہ کعب احبار کی روایت ہے (یعنی اسرائیلی روایت) تب تو بات صاف ہوگئی کہ یہ کوئی قابل اعتماد چیز نہیں اور اگر اس روایت کو آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا قول قرار دیا جائے تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یاجوج ماجوج کا یہ سد کھودنے کا عمل اس وقت شروع ہوگا جب کہ ان کے خروج کا وقت قریب آجائے گا اور قرآن

کریم کا یہ ارشاد کہ اس میں نقب نہیں لگائی جا سکتی۔ یہ
اس وقت کا حال ہے جب کہ ذوالقرنین نے اس کو تعمیر کیا تھا۔ اس لیے کوئی تعارض نہ رہا۔ (معارف القرآن ج 5) بلکہ یہ حضرت ذوالقرنین کے اس ارشاد کی تعمیل ہوگی جو قرآن میں آیا ہے کہ "جب میرے رب کا وعدہ آئے گا تو وہ اس کو (دیوار کو) گرا کر ڈھا دے گا اور میرے رب کا وعدہ سچا ہے" (سورہ کہف)

قرآن کریم کے اس ارشاد میں دیوار کو گرانے کی ضمیر رب کی طرف ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس دیوار کو گرا دے گا۔ تو اللہ تعالیٰ ہی ان کے دل میں یہ بات ڈالیں گے کہ انشا اللہ کہو اور پھر وہ اس نام کے لینے کی وجہ سے دیوار گرانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

کیا یاجوج ماجوج کو اللہ کا پیغام پہنچا؟

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یاجوج ماجوج کو توحید و رسالت کا پیغام پہنچا، یا نہیں؟ معارف القرآن میں ابن عربیؒ کا ایک قول نقل کر کے اس سوال کا جواب دیا گیا ہے۔ ابن عربیؒ نے فرمایا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا کہ یاجوج ماجوج میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے وجود اور اس کی مشیت وغیرہ کو مانتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ بغیر عقیدے کے ہی ان کی زبان پر اللہ تعالیٰ یہ کلمہ جاری کر دے (بحوالہ اشراط الساعۃ لسید محمد صفحہ 154)۔ اس کے بعد مفتی محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "مگر ظاہر یہی ہے کہ ان کے پاس بھی انبیا علیھم السلام کی دعوت پہنچ چکی ہے۔ ورنہ نص قرآنی کے مطابق ان کو جہنم کا عذاب نہیں ہونا چاہیے۔ (قرآن کا ارشاد ہے) ترجمہ: "اور ہم عذاب نہیں دیتے جب تک رسول نہ بھیجیں" (بنی اسرائیل آیت 15)

معلوم ہوا کہ دعوت ایمان ان کو بھی پہنچی ہے۔ مگر یہ لوگ کفر پر جمے رہے۔ ان

میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو اللہ کے وجود اور
اس کے ارادہ ومشیت کے قائل ہوں گے۔ اگرچہ صرف اتنا عقیدہ ایمان کے لیے کافی نہیں۔ جب تک رسالت اور آخرت پر ایمان نہ ہو۔ بہرحال ''اِن شاء اللہ'' کا کلمہ کہنا باوجود کفر کے بھی بعید نہیں ہے۔'' (معارف القرآن ج5 صفحہ 634)

یاجوج ماجوج کا خروج

یاجوج ماجوج کی تباہ کاریاں

اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ اب میں نے اپنے ایسے بندوں (یاجوج ماجوج) کو نکالا ہے جن سے لڑنے کی طاقت کسی میں نہیں ہے۔ اس لیے آپ میرے خاص بندوں کو کوہ طور پر جمع کرلیں۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس حکم کی تعمیل میں مسلمانوں کے ساتھ کوہ طور پر تشریف لے جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج کو (اتنی بڑی تعداد میں) بھیجے گا کہ وہ ہر بلندی سے (تیز رفتاری کی وجہ سے) پھسلتے ہوئے معلوم ہوں گے۔ قرآن کریم میں ان کی کثرت تعداد اور ہر بلندی سے پھسلنے کا ذکر پہلے بیان کیا جاچکا ہے۔

حدیثوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یاجوج ماجوج کی تمام قومیں انتہائی وحشی اور سفاک ہوں گی۔ وہ جہاں سے گزریں گے ہر شے کو روند ڈالیں گے اور سخت تباہی مچائیں گے۔ خوراک کے تمام ذرائع ختم کردیں گے۔ ایک حدیث پہلے گزرچکی ہے کہ جب ان کا پہلا حصہ بحیرہ طبریہ سے گزرے گا تو اس کا سارا پانی پی کر ختم کردے گا۔ اور جب ان کا آخری حصہ وہاں سے گزرے گا تو دریا کو خشک دیکھ کر کہے گا کہ یہاں کبھی پانی تھا۔'' (''علامات قیامت'' صفحہ 52)

ایک حدیث میں جو حضرت نواس بن سمعان
رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور کافی طویل حدیث ہے اس میں یاجوج ماجوج کے ذکر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے۔

''اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام (کوہ طور میں) محصور ہو جائیں گے۔ اور (اشیاء خورد و نوش کی کمی کی وجہ سے) یہ نوبت آ جائے گی کہ ایک بیل کے سر کو سو دینار سے بہتر سمجھا جائے گا۔ اب اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی اللہ سے دعا کریں گے۔ پس اللہ ان پر (یاجوج ماجوج کی قوم پر) ایک کیڑا مسلط کر دے گا جو ان کی گردنوں میں پیدا ہوگا۔ اس سے سب کے جسم پھٹ جائیں گے اور سب کے سب دفعتاً ہلاک ہو جائیں گے۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی (کوہ طور) سے اتریں گے تو انہیں زمین پر بالشت بھر ایسی جگہ نہیں ملے گی جسے یاجوج ماجوج کی چکنائی اور تعفن نے بھر نہ دیا ہو۔ اب اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی پھر اللہ سے دعا کریں گے۔ جس کے نتیجے میں اللہ ایسے (بڑے بڑے) پرندے بھیجے گا جن کی گردنیں بختی اونٹ کی گردنوں کی طرح ہوں گی۔ یہ پرندے ان کی لاشوں کو اٹھا کر جہاں اللہ چاہے گا پھینک دیں گے۔

''پھر اللہ ایسی بارش برسائے گا جس سے نہ کوئی مٹی کا گھر بچے گا، نہ چمڑے کا کوئی خیمہ (یعنی یہ بارش مکانات والی بستیوں میں بھی ہوگی۔ اور ان جنگلوں میں بھی جہاں خانہ بدوش خیموں میں رہتے ہیں) یہ بارش زمین کو دھو کر آئینے کی طرح صاف کر دے گی۔ پھر زمین سے اللہ تعالیٰ کا خطاب ہوگا کہ اپنی پیداوار اگا اور اپنی برکت از سر نو ظاہر کر دے۔ چنانچہ اس زمانے میں ایک انار اتنا بڑا ہوگا کہ آدمیوں کی ایک جماعت (اسے کھا سکے گی۔ اور اس کے چھلکے کے نیچے لوگ سایہ حاصل کر سکیں گے۔ اور دودھ میں اتنی برکت ہوگی کہ دودھ دینے والی ایک اونٹنی لوگوں کی بہت بڑی

جماعت کے لیے کافی ہوگی اور دودھ دینے والی بکری
پوری جماعت کو کافی ہوگی۔"

تمام مسلمانوں کی روح قبض کر لی جائے گی

"لوگ اسی حال میں ہوں گے کہ اللہ ایک خوشگوار ہوا بھیج دے گا۔ جوان کے بغلوں کے زیریں (نچلے) حصے میں اثر انداز ہو کر ہر مومن اور ہر مسلمان کی روح قبض کر لے گی (یعنی اس ہوا کے نتیجے میں تمام مسلمانوں اور مومنوں کو موت آ جائے گی) اور (دنیا میں صرف) بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے۔ جو گدھوں کی طرح (کھلم کھلا) زنا کیا کریں گے (چنانچہ قیامت بدترین انسانوں پر آئے گی)"

اب جو روایات اور احادیث حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت امام مہدی کے بارے میں گزری ہیں ان کے مطالعے سے مجموعی طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرب قیامت میں امام مہدی کے ظہور سے لے کر یاجوج ماجوج کی ہلاکت اور اس کے بعد تک عالمی سطح پر بہت انقلابی تبدیلیاں واقع ہوں گی۔ امام مہدی کا ظہور اس وقت ہوگا جب مسلمان اپنی بداعمالیوں کے سبب بدحالی کی انتہا کو پہنچ جائیں گے۔ امام مہدی ظاہر ہو کر انہیں بدحالی سے نکالیں گے۔ امام مہدی کی قیادت میں مختلف اقوام سے جہاد ہوں گے اور پھر وہ اس دنیا میں عدل و انصاف پر مبنی خلافت قائم کریں گے۔ لیکن اسی عرصے میں دجال کا فتنہ پیش آ جائے گا۔ اس فتنے کے خلاف مسلمان پہلے امام مہدی کی قیادت میں معرکہ آرا ہوں گے اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہو کر مسلمانوں کی قیادت سنبھالیں گے اور دو عظیم فتنوں کا مقابلہ کریں گے۔ ایک دجال کا اور دوسرا یاجوج ماجوج کا۔ اس دوران مسلمانوں پر آزمائشوں کے بعد خوش حالی اور برکات کے زمانے آتے رہیں گے۔ (واللہ اعلم)

اِس حدیث میں یاجوج ماجوج کی لاشوں کا بہا
کر سمندر میں گرانے کا ذکر ہے جبکہ صحیح مسلم اور دوسری روایات میں ان لاشوں کا پرندوں کے ذریعے اٹھا کر لے جانے کا ذکر ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث غالباً راجح ہے۔ (واللہ اعلم)

زرتشت مذہب میں علاماتِ قیامت

ایک صاحب نے اپنے خط کے ساتھ زرتشت مذہب میں علاماتِ قیامت کے بارے میں ایک کتابچے کے کچھ صفحات کاپی کرا کے بھیجے ہیں۔ اور بہت سے سوالوں کے ساتھ ایک سوال یہ کیا ہے کہ اس مذہب میں امام مہدی کا تصور ہے یا نہیں؟

زرتشت مذہب کے اصلی عقائد میں توحید کا تصور موجود تھا جو بعد میں شرک میں تبدیل ہوگیا۔ اس مذہب کی بنیاد اس عقیدے پر ہے کہ نیکی کا منبع و سرچشمہ (خدا) آہورمزدا ہے اور برائی کا سرچشمہ اہرمن ہے۔ یعنی نیکی کا خدا اور ہے اور بدی کا اور۔ اس مذہب میں مرنے کے بعد زندہ ہونے اور حشر اعمال کے وزن اور پل صراط وغیرہ کا تصور واضح طور پر موجود ہے اور جنت دوزخ کا بھی واضح نہ سہی مگر یہ عقیدہ موجود ہے کہ نیک لوگ آہورامزد کی دنیا میں جا کر ہمیشہ عیش کریں گے اور برے لوگ دوزخ میں ہمیشہ کے لیے عذاب میں گرفتار ہوں گے۔

جہاں تک امام مہدی کے بارے میں زرتشت مذہب کے عقیدے کا تعلق ہے۔ ان صفحات میں سے صفحہ 185 پر یہ عبارت موجود ہے۔ ''ہر ایک ہزار سال بعد زرتشت کی نسل میں سے ایک مصلح اٹھے گا جو زرتشتی مذہب کا احیا کرے گا اور جس کی تعلیمات کے زیر اثر انسان مزید صالح اور نیک تر ہوتے جائیں گے۔ یعنی اہرمن کی قوتوں سے باہر ہوتے جائیں گے۔ زرتشت کی وفات کے تیسرے ہزار سال کے

خاتمے پر جب کہ کائنات کی عمر کے بارہ ہزار سال
پورے ہو چکے ہوں گے۔ تیسرا مصلح ہوشیانس جو مہدی ہوگا پیدا ہوگا۔ اس کے دور میں انسان مکمل طور پر صالح ہو جائیں گے اور اہرمن اور اس کی قوتوں کا کوئی اثر قبول نہیں کریں گے۔''

یہ عبارت واضح طور پر امام مہدی کے ظہور کا پتا دے رہی ہے اور آپ نے ان مضامین میں جو روایات امام مہدی کے بارے میں پڑھی ہیں ان کی تائید کر رہی ہے۔ بلکہ نزول مسیح علیہ السلام کے بارے میں بھی زرتشت مذہب میں واضح تصور موجود ہے۔ چنانچہ قرب قیامت سے متعلق زرتشت عقائد کے بارے میں اسی کتاب میں یہ عبارت موجود ہے۔ ''اس وقت آہورامزدا اور اس کی مددگار ایک نیک قوت۔ سروش، اہرمن (شیطانی قوت) آز (نفسانی خواہش) پر آخری حملہ کردیں گے۔ جس کے نتیجے میں اہرمن اور آز کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو جائے گا۔ اب سوشیانت (مہدی) آہورامزدا کے حکم سے مردوں کو زندہ کرے گا۔''

ان دونوں عبارتوں کا حاصل یہ ہے کہ قیامت سے پہلے ایک مصلح آئے گا جو مہدی ہوگا اور شیطانی قوتوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ آز یعنی نفسانی خواہشات کی پیروی نہیں ہوگی۔ پھر وہ مصلح، مردوں کو زندہ کرے گا۔ اب ذرا اسلامی روایات جو آپ نے پڑھی ہیں، ان کا جائزہ لیجیے۔ امام مہدی ظاہر ہو کر اہرمن (دجالی قوتوں) سے جنگ کریں گے اور ان کی کوششوں سے ''لوگ مکمل طور پر صالح ہو جائیں گے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہو کر دجال اور یاجوج ماجوج کی قوتوں کو فنا کریں گے اور تمام دنیا کے مذاہب کا خاتمہ کر کے ایک عالمی اسلامی حکومت قائم فرمائیں گے۔ اس عبارت میں اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرنے کی نسبت امام مہدی کے ساتھ کی گئی ہے۔ جبکہ اسلامی روایات کے مطابق یہ قدرت اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ

علیہ السلام کو عطا فرمائیں گے اور ایک مرتبہ آزمائش
کے طور پر دجال کو۔

یہاں اگر یہ ذہن میں رکھا جائے کہ زرتشت کا زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً ساڑھے پانچ سو سال پہلے ہے (یعنی 551 قبل مسیح)۔تو امام مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اوصاف میں یہ خلط ملط ہونے کا امکان بعید از قیاس نہیں رہتا۔

ایک اور سوال یہ ہے کہ: کیا دنیا کے مذاہب میں امام مہدی کا تصور تسلسل سے چلا آرہا ہے؟

تسلسل کا تو مجھے علم نہیں ہے لیکن کسی نہ کسی صورت میں یہ تصور تمام بڑے مذاہب میں پایا جاتا ہے کہ آخری زمانے میں ایک شخص آئے گا جو پوری دنیا کو ہدایت دے گا۔ یہ عبارتیں ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہیں۔ ہندومت، بدھ مت، زرتشت، یہودیت اور عیسائیت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں آج تک موجود ہیں۔ اس موضوع پر تفصیلی روایات پیش کی جا چکی ہیں۔

کیا یاجوج ماجوج کی دیوار گر چکی ہے؟

سوالوں کے جواب طویل ہو گئے۔لیکن میں نے اس لیے اس موضوع پر گفتگو کو اس لئے ضروری سمجھا کہ ان مضامین میں یہودیت اور عیسائیت کا تناظر تو پیش کیا گیا تھا۔مگر زرتشت مذہب کے عقائد کے بارے میں کوئی گفتگو نہیں ہوئی تھی۔ یہ جوابات زرتشت مذہب کے عقائد کا نہ صرف یہ کہ ایک مختصر خاکہ پیش کرتے ہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی حقانیت کی دلیل بھی ان میں موجود ہے۔

حقیقت میں یاجوج ماجوج کا فتنہ بھی انسانی تاریخ کا بالکل اچھوتا واقعہ ہوگا۔

قرآن کریم کے اس بیان کو بیسویں صدی میں بعض

سائنس دانوں نے یہ کہہ کر مسترد کر دیا تھا کہ ہم نے تمام زمین کو چھان مارا ہمیں کہیں ایسی کسی قوم کا نام ونشان نہیں ملا۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی تحقیق اس معاملے میں یہ ہے کہ ''اہل یورپ کا یہ کہنا تو کوئی وزن نہیں رکھتا کہ ہم نے ساری دنیا چھان ماری ہے۔ ہمیں اس دیوار کا پتا نہیں لگا۔ کیونکہ اول تو خود انہی کی تصریحات موجود ہیں کہ سیاحت اور تحقیق کے انتہائی معراج پر پہنچنے کے باوجود آج بھی بہت سے جنگل، دریا اور جزیرے ایسے باقی ہیں جن کا ہمیں علم نہیں ہوسکا دوسرے یہ احتمال بھی بعید نہیں کہ اب وہ دیوار موجود ہونے کے باوجود پہاڑوں کے گرنے اور باہم مل جانے کے سبب ایک پہاڑی کی صورت اختیار کر چکی ہو لیکن کوئی نص قطعی اس کے بھی منافی نہیں ہے کہ قیامت سے پہلے یہ سد ٹوٹ جائے۔ یا کسی دور دراز کے طویل راستے سے یاجوج ماجوج کی کچھ قومیں اس طرف آسکیں۔'' (معارف القرآن جلد پنجم 641)

علامہ انور کشمیریؒ کی اس تحقیق پر ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ قرآن میں اس دیوار کے بارے میں سورہ کہف میں فرمایا گیا ہے کہ ''جب میرے رب کا وعدہ آپہنچے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو ریزہ ریزہ کر کے گرا دیں گے'' اس آیت میں ''میرے رب کا وعدہ'' کے الفاظ سے بعض مفسرین نے قیامت کا وعدہ مراد لیا ہے۔ یعنی یہ دیوار قیامت کے قریب گرے گی۔ معارف القرآن میں اس اشکال کا یہ جواب بہت بامعنیٰ ہے۔

''حالانکہ الفاظ قرآن اس بارے میں قطعی نہیں۔ کیونکہ وعد ربی (میرے رب کا وعدہ) کا مفہوم یہ ہے کہ یاجوج ماجوج کا راستہ روکنے کا جو انتظام حضرت ذوالقرنین نے کیا ہے یہ کوئی ضروری نہیں کہ ہمیشہ اسی طرح رہے۔ جب اللہ تعالیٰ چاہیں گے، ان کا راستہ کھل جائے گا تو یہ دیوار منہدم اور مسمار ہو جائے گی۔ اس لیے ضروری نہیں کہ وہ بالکل قیامت سے متصل ہو۔ چنانچہ تمام حضرات مفسرین نے

وعد ربی کے مفہوم میں دونوں احتمال ذکر کیے ہیں۔

یاجوج ماجوج کے بارے میں یہاں ایک اور بات قابل توجہ اور اہم ہے جس کی وضاحت ضروری ہے۔ تاریخ اور جغرافیہ کے ماہرین اور اہل یورپ یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ دیوار اب بھی موجود ہے یا یہ کہ یاجوج ماجوج کا راستہ بند ہے۔ اس بنا پر بعض اہل اسلام مورخین نے بھی یہ کہنا اور لکھنا شروع کر دیا ہے کہ یاجوج ماجوج جن کے خروج کا ذکر قرآن میں ہے وہ (واقع) ہو چکا ہے۔ معارف القرآن کے مطابق بعض نے چھٹی صدی ہجری میں اٹھنے والے طوفان یعنی فتنۂ تاتار ہی کو اس کا مصداق قرار دیا ہے اور بعض نے اس زمانے میں دنیا پر غالب آ جانے والی قوموں روس اور چین اور اہل یورپ کو یاجوج ماجوج کہہ کر اس معاملے کو ختم کر دیا ہے۔ اس بارے میں مفتی شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ، معارف القرآن میں بیان فرماتے ہیں کہ ''یہ سراسر غلط ہے۔''

احادیث صحیحہ کے انکار کے بغیر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ جس خروج یاجوج ماجوج کو قرآن کریم نے بطور علامت قیامت بیان کیا ہے اور جس کے متعلق صحیح مسلم کی حدیث نواس بن سمعان وغیرہ میں اس کی تصریح ہے کہ یہ واقعہ خروج دجال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام اور قتل دجال کے بعد پیش آئے گا۔ وہ واقع ہو چکا۔ کیونکہ خروج دجال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام بلاشبہ اب تک واقع نہیں ہوئے۔

البتہ یہ بات بھی قرآن و سنت کی کسی نص صریح کے خلاف نہیں ہے کہ سد ذوالقرنین اس وقت تک ٹوٹ چکی ہو اور یاجوج ماجوج کی بعض قومیں اس طرف آ چکی ہوں۔ بشرطیکہ یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ان کا آخری اور بڑا حصہ جو پوری انسانی آبادی کو تباہ کرنے والا ثابت ہوگا وہ ابھی وارد نہیں ہوا بلکہ قیامت کی ان بڑی

علامات کے بعد ہوگا جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ یعنی
خروج دجال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام (معارف القرآن جلد پنجم صفحہ 642)

دوسرا استدلال ترمذی اور مسند احمد کی اس حدیث سے کیا جاتا ہے کہ یہ دیوار قیامت سے ذرا پہلے گرے گی۔ جس میں یاجوج ماجوج کے روزانہ اس دیوار کو کھودنے اور پھر انشاء اللہ کہنے کی برکت سے اس کے گرنے کا ذکر ہے۔ اس کے بارے میں معارف القرآن میں مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ، ''اس (حدیث) میں بھی اس کی کوئی تصریح نہیں ہے کہ جس روز یاجوج ماجوج انشاء اللہ کہنے کی برکت سے اس دیوار کو پار رکرلیں گے وہ قیامت کے متصل ہی ہوگا اور اس (بات) کی بھی اس حدیث میں کوئی دلیل نہیں کہ سارے یاجوج ماجوج اسی دیوار کے پیچھے رکے ہوئے ہیں۔ اگر ان کی کچھ جماعتیں دور دراز کے راستے سے اس طرف آجائیں تو کچھ مستبعد نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن وسنت میں کوئی ایسی دلیل صریح اور قطعی نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ سدّ ذوالقرنین قیامت تک باقی رہے گی یا ان کے ابتدائی اور معمولی حملے قیامت سے پہلے نہیں ہوسکیں گے۔ حاصل یہ ہے کہ قرآن وسنت کی نصوص کی بنا پر یہ قطعی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا ہے کہ سد یاجوج ماجوج ٹوٹ چکی ہے اور راستہ کھل گیا ہے اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ازروئے قرآن وسنت اس کا قیامت تک قائم رہنا ضروری ہے۔ احتمال دونوں ہی ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (معارف القرآن جلد پنجم صفحہ 643)

یہ وضاحت ان لوگوں کے لیے ہے جن کا مؤقف یہ ہے کہ یاجوج ماجوج کا واقعہ فتنہ تاتار کی صورت میں چھٹی صدی میں واقع ہوچکا ہے۔ یہ تو ممکن ہے کہ تاتاریوں کے قبائل یاجوج ماجوج کی نسل سے ہوں۔ لیکن قیامت سے پہلے ان کے

خروج کا واقعہ قیامت کی قریبی علامتوں میں سے

ہے۔

آٹھواں باب

قیامت کی حتمی علامات

☆ عربوں میں بت پرستی

☆ کعبے کا خزانہ

☆ دابتہ الارض

☆ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا

☆ یمن کی آگ

☆ ایک سیاہ بدلی آسمان کو تاریک کر دے گی

☆ ٹڈیوں کا مکمل خاتمہ

عربوں میں بت پرستی شروع ہو جائے گی

روایات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد قیامت بہت جلد آ جائے گی۔

لیکن ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ارشاد ہے کہ عربوں میں ایک سو بیس برس تک بتوں کی عبادت کی جائے گی۔ اور صحیح مسلم جلد سوم کی حدیث 7292 کے مطابق: قیامت سے پہلے لات و عزیٰ کی پھر سے عبادت شروع ہو جائے گی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جانشینی

''حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عیسیٰ ابن مریم نازل ہو کر دجال کو قتل کریں گے اور چالیس سال (دنیا میں) رہیں گے۔ لوگوں میں کتاب اللہ اور میری سنت کے مطابق عمل کریں گے اور ان کی موت کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کی وصیت کے مطابق (قبیلہ) بنو تمیم کے ایک شخص کو آپ کا خلیفہ مقرر کریں گے۔ جس کا نام مقعد ہو گا۔ مقعد کی موت کے بعد لوگوں پر 30 سال گزرنے نہ پائیں گے کہ قرآن لوگوں کے سینوں اور مصاحف سے اٹھا لیا جائے گا۔'' (''علامات قیامت'' صفحہ 91)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی زندگی ہی میں بنو تمیم کے مقعد نامی کسی شخص کو اپنا خلیفہ بنانے کی وصیت فرما دیں گے۔ ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یہ خلیفہ بھی کوئی صالح اور نیک متقی مسلمان ہوں گے۔ لیکن پھر ان کا بھی انتقال ہو جائے گا اور اس حدیث کے مطابق 30 سال سے پہلے قرآن کو اٹھا لیا جائے گا۔ نہ مصاحف (یعنی قرآن کریم کے نسخوں) میں رہے گا اور

نہ لوگوں کے سینوں میں۔ اس لیے اوپر جو احادیث عربوں کی بت پرستی اور لات و عزیٰ کی عبادت کیے جانے کے بارے میں گزریں۔ ان کا مصداق وہ لوگ ہوں گے جو تمام مسلمانوں کے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد باقی رہیں گے اور جانوروں کی طرح اپنی خواہشات پوری کریں گے۔

حدیث کی روایات میں بعض دوسرے لوگوں کے بارے میں بھی یہ پیشگوئی موجود ہے کہ وہ مسلمانوں پر حکومت کریں گے۔ لیکن روایات سے یہ اندازہ نہیں ہوتا ہے کہ وہ کس زمانے میں ہوں گے۔ مثلاً مشکوٰۃ شریف میں ایک روایت صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے حوالے سے یہ نقل کی گئی ہے:

''حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک نہ آئے گی جب تک کہ ایک شخص قحطان میں پیدا نہ ہوگا جو لوگوں کو اپنی لاٹھی سے ہانکے گا۔'' (مشکوٰۃ 5179)

اس واقعے کو بھی چونکہ قیامت کی علامت کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اس لیے بظاہر یہ واقعہ بھی آخری زمانے میں پیش آئے گا۔ قحطان ایک مشہور عرب قبیلے کا نام ہے۔

ایک روایت میں ایک شخص کا نام لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی ہے کہ جہجاہ نامی ایک شخص مالک ہوگا۔ اس حدیث کا ترجمہ یہ ہے:

''حضرت ابو ہریرہؓ کا کہنا ہے کہ نہیں گزریں گے رات اور دن، یہاں تک کہ مالک ہوگا ایک شخص جس کو جہجاہ کہا جائے گا اور ایک روایت میں یوں ہے کہ مالک ہوگا ایک شخص غلاموں میں سے جس کا نام جہجاہ ہوگا'' (مشکوٰۃ 518)

کعبے کا خزانہ

راقم الحروف بچپن سے اپنے بزرگوں سے سنتا آیا ہے کہ بیت اللہ کے اندر

ایک بڑا خزانہ ہے اور کچھ امانتیں رکھی ہوئی ہیں جو امام مہدی کے لیے ہیں۔ وہ جب ظاہر ہوں گے تو وہ اس خزانے کو نکالیں گے۔ اور یہ بھی سنا ہے کہ ہمارے بعض بزرگوں نے کعبہ شریف میں امام مہدی کے لیے کچھ تحریریں امانتاً رکھی ہیں۔ لیکن کعبہ کے خزانے کے سلسلے میں کچھ روز پہلے تک کوئی روایت میری نظر سے نہیں گزری تھی۔ البتہ بعض اہل اللہ کے ملفوظات میں اس کا ذکر پڑھا تھا۔ مادّی خزانے کے ذکر سے پہلے ایک روحانی واقعہ یہاں یاد آگیا جو غیر متوقع طور پر اللہ تعالیٰ نے ہم بھائیوں کو عطا فرمایا۔

واقعہ یہ ہے کہ ستمبر 1975ء کے رمضان المبارک میں راقم الحروف اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ عمرے کے لیے حاضر ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس وقت ایک ایسی سعادت عطا فرمائی جس کا پہلے سے وہم وگمان بھی نہیں تھا۔ اس عمرے میں میرے دونوں چھوٹے بھائی یعنی مفتی محمد رفیع عثمانی اور مفتی محمد تقی عثمانی صاحب بھی ہمراہ تھے۔ یہ سعادت بیت اللہ کے اندر داخل ہو کر دو رکعات ادا کرنے کی تھی۔

دراصل اس رمضان میں مؤتمر عالم اسلامی کی جانب سے ایک بین الاقوامی کانفرنس کا اہتمام کیا گیا جس کا عنوان تھا ''رسالۃ المسجد'' یعنی ''مسجد کا پیغام۔'' والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ساتھ کے ایک معاون تو سعودی حکومت کی طرف سے مدعو تھے۔ چونکہ رمضان المبارک کا عمرہ تھا، اور والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی محبت میں سفر حرمین کی تمنا تھی۔ اس لیے ہم بھائیوں نے بھی اپنے خرچے پر ساتھ جانے کا ارادہ کرلیا۔ کانفرنس کے دوران علمائے کرام کی تکریم کے طور پر سعودی حکومت نے تمام مہمانوں کو بیت اللہ کے اندر لے جانے کا اہتمام کیا تھا۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس وقت دل کے مریض تھے۔ بیت اللہ کے اندر داخل ہونے والے دن والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دل کی تکلیف شروع ہوگئی۔ اس لیے

ان کو سخت گرمی میں لے جانا مناسب نہیں تھا۔ تقریباً گیارہ بجے صبح کا وقت اس کے لیے طے کیا گیا۔ والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ہمیں بیت اللہ کے اندر کی تفصیل بتائی اور یہ بھی فرمایا کہ اگر موقع مل جائے تو عمارت میں آگے کی طرف دو ستونوں کے درمیان رسول اللہ ﷺ نماز ادا فرماتے تھے؛ وہاں دو رکعات ادا کریں۔

دل تو یہ چاہتا ہے کہ اس تاریخی واقعے کے ایک ایک لمحے کی داستان بیان کروں اور ان کیفیات کے لیے الفاظ کی بھیک مانگوں جو اس وقت ہم پر اور دوسرے لوگوں پر طاری تھیں۔

راقم الحروف شروع سے ہی جناح کیپ پہننے کا عادی تھا۔ جب اندر داخل ہوا تو آنکھیں اس پرنور اندھیرے کو دیکھنے کے قابل ہوئیں جو دلوں کو منور کرنے کے لیے کافی تھا۔ ایک بے نام سی اور ناگفتہ بہ کیفیت کے تحت میں نے اپنی جناح کیپ اتاری اور اس فرش پر جھاڑو دینا شروع کر دی جس کی سرحدیں عرش سے ملتی ہیں۔ عجیب جگہ ہے، جدھر چاہے رخ کرلو قبلہ رو ہی رہو گے چھ کی چھ سمتیں قبلہ ہی قبلہ۔

میں نے اپنی ٹوپی سے غبار کعبہ کا ڈھیر سا جمع کر کے اس کونے کی طرف سمیٹ دیا جس میں حجر اسود نصب ہے اور اس غبار سے اپنی ٹوپی کے پیٹ کو بھرنے لگا تو اللہ تعالیٰ نے ان دو ستونوں کے درمیان نماز ادا کرنے والوں کے بیچ میں ایک تنگ سی جگہ دکھا دی۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر بھی سجدے کرنے کی سعادت نصیب فرما دی (الحمدللہ علیٰ ذٰلک)۔

اندر بیت اللہ کے دروازے کے بالکل سامنے والی دیوار میں غالباً کسی طرح الماری نما تختے (شیلف) بنے ہوئے تھے، جس میں اشیا رکھی ہوئی تھیں غالباً کچھ قرآن کریم کے نسخے بھی تھے۔ جذبات کے اس غلبے میں اور نور کے اس دھندلکے میں، اور لوگوں کے اس ہجوم میں اور وقت کی کمی کے اس احساس میں کہ یہاں کا کوئی

لمحہ ضائع نہ ہو۔ درودیوار کی بناوٹ یا وہاں کی اشیا کی طرف پورا دھیان نہیں دے سکا۔ اس لیے صرف یہ یاد رہ گیا کہ وہاں کچھ اشیا موجود تھیں۔ وہ کس چیز پر رکھی تھیں۔ اس وقت ذہن میں اس کی کوئی تفصیل موجود نہیں ہے۔ ہاں البتہ دائیں جانب یعنی جس طرف حطیم ہے۔ وہاں دیوار کے قریب ایک دبیز مخملی پردہ پڑا ہوا تھا اور میں نے اس پردے کو ہلا کر اندر جھانکا تو کچھ نظر نہیں آیا۔ بعد میں بعض لوگوں نے بتایا کہ پردے کے پیچھے غالباً چھت پر جانے کے لیے زینہ ہے۔

اس کے علاوہ بزرگوں سے سنا بھی تھا اور پھر بعد میں پڑھا بھی کہ پہلے بیت اللہ کا دروازہ مطاف کی سطح کے برابر تھا۔ بعد میں اتنی بلندی پر رکھا گیا۔ اس کی تاریخ بھی کبھی پڑھی تھی کہ یہ دروازہ موجودہ بلندی پر کس زمانے میں قائم کیا گیا۔ اب یاد نہیں کہ یہ بات کہیں پڑھی ہے یا راقم الحروف کا اپنا قیاس ہے کہ بیت اللہ کے دروازے سے نیچے مطاف کی سطح تک جو خلا موجودہ فرش کے نیچے ہے اس میں بیت اللہ کا خزانہ موجود ہے اور جیسا کہ پہلے عرض کیا کہ اس خزانے کو بقول بعض اولیاء اللہ اور معتبر علماء، امام مہدی آ کر نکالیں گے اور استعمال فرمائیں گے۔ واللہ اعلم

کعبے کا خزانہ ایک حبشی نکالے گا

ان مضامین کے لیے مطالعے کے دوران راقم الحروف کو کوئی ایک روایت بھی ایسی نہیں ملی جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ امام مہدی اس خزانے کو آ کر نکالیں گے۔ بلکہ اس کے برعکس ایک دو روایتیں اس مضمون کی ملیں کہ قیامت سے پہلے ایک حبشی اس خزانے کو نکالے گا اور قرآئن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اس وقت پیش آئے گا جب دنیا میں کوئی مسلمان باقی نہیں رہے گا۔ باقی حقیقت کا علم تو صرف اللہ ہی کو ہے۔ حبشی کے بارے میں ابوداؤد کے حوالے سے یہ روایت مشکوٰۃ میں نقل کی گئی ہے۔

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔تم حبشیوں کو چھوڑ دو، ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کرو جب تک کہ (وہ تم سے کچھ نہ کہیں) اور وہ تم سے تعرض نہ کریں۔اس لیے کہ کعبہ کا خزانہ ایک حبشی ہی نکالے گا۔ جس کی پنڈلیاں چھوٹی چھوٹی ہوں گی۔ (مشکوٰۃ 5193)

ایک اور روایت ابوداؤد ہی کے حوالے سے مشکوٰۃ میں اس طرح نقل کی گئی ہے:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی فرماتے ہیں کہ حبشیوں کو چھوڑو، جب تک وہ تم سے تعرض نہ کریں۔اور ترکوں کو بھی چھوڑ دو جب تک وہ تم سے چھیڑ نہ نکالیں'' (مشکوٰۃ 5194)

پہلی روایت مرفوع ہے، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہونے کو ظا کرتی ہے اور دوسری روایت موقوف ہے یعنی ایک صحابی کا قول ہے اور اس میں ا صحابی کا نام بھی ذکر نہیں کیا گیا۔ دوسری روایت دراصل کسی صحابی رسول کا ایک ا بیان ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو ارشادات کا خلاصہ ہے کیونکہ رسو اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقولہ بعض روایات پہلے بھی نقل کی جا چکی ہیں جن می ترکوں کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم چپٹی ناک، چھو آنکھوں اور کٹی ہوئی، ڈھال جیسے چہروں والی قوم سے جنگ کرو گے۔

قارئین کی یاددہانی کے لیے عرض ہے کہ پچھلے صفحات میں حدیث کے حوا سے قیامت سے کچھ پہلے واقع ہونے والی دس (10) علامتوں کا ذکر کیا گیا تھا ان میں سے اب تک دجال، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اور یاجوج ماجوج ذکر تفصیل سے آچکا ہے۔ باقی علامتوں کا ذکر بھی ان شا اللہ آگے آئے گا۔ان با علامتوں کے بارے میں تفصیلات بہت کم ہیں۔ان میں سے دخان، دابتہ الارض

نزول عیسیٰ اور یاجوج ماجوج کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے؛ جن کا ذکر آچکا ہے۔ البتہ، دخان کے بارے میں بعض روایات سے مزید تفصیل معلوم ہوتی ہے۔ پہلے وہ نقل کرتا ہوں۔

دخان عربی میں دھویں کو کہتے ہیں، اور قرآن کریم کی 44 ویں سورت کا نام ہی دخان ہے۔ روایات میں اس سورت کی تلاوت کے خصوصی فضائل بھی بیان کیے گئے ہیں۔ اس میں آیت 10 تا 13 دخان کے ذکر میں ہیں۔ اس سے قبل یہ بیان ہے کہ یہ کافر لوگ جب حق واضح ہوجانے کے باوجود نہیں مانتے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرکے حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں۔

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ (١٠) يَغْشَى النَّاسَ ط هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ (١١) رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ (١٢) اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ (١٣)

ترجمہ: ''پس آپ (ﷺ) اس دن کا انتظار کیجیے جب آسمان پیدا کردے ایک دھواں جو صاف نظر آنے والا ہو۔ اور لوگوں کو گھیر لے (یا ڈھانپ لے) یہ ایک دردناک عذاب ہے (اس وقت کفار کہیں گے) اے ہمارے رب ہم سے اس مصیبت کو دور کردیجیے۔ ہم ضرور ایمان لے آئیں گے ان کو کہاں نصیحت ہوتی ہے۔ حالانکہ ان کے پاس ظاہر شان والا رسول آچکا۔''

اس آیت کے ذیل میں معارف القرآن میں یہ روایت بیان کی گئی ہے:

''ابن جریر نے ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں تین چیزوں سے ڈراتا ہوں۔ ایک دخان (دھواں) جو مومن کے لیے صرف ایک طرح کا زکام پیدا کرے گا اور کافر کے تمام بدن میں بھر جائے گا۔ یہاں تک کہ اس کے ہر مسمع (کان وغیرہ) اور ہر مسام سے

نکلنے لگے گا۔ اور دوسری چیز دابۃ الارض (ایک عجیب وغریب جانور) اور تیسرے دجال۔'' اس روایت کو ابن کثیر نے نقل کر کے فرمایا۔ ھذا اسناد جید (اس کی اسناد عمدہ ہیں، یعنی تمام قابل اعتماد ہیں)۔ (معارف القرآن جلد 7)

اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہ روایت بھی نقل کی گئی ہے کہ دخان کی پیش گوئی گزری نہیں ہے بلکہ (قرب قیامت) میں یہ دھواں مومن کے لیے ایک زکام پیدا کر دے گا اور کافر کے اندر بھر جائے گا یہاں تک کہ اس کے ہر منفذ (سوراخ) سے نکلے گا۔ اسی طرح کا مضمون حضرت ابن جریر کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی بیان کیا گیا ہے۔
(معارف القرآن جلد ہشتم)

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ قرآن کریم کی دخان والی آیت کی تفسیر میں مفسرین کے ایک سے زیادہ اقوال ہیں جو تفصیل اوپر بیان کی گئی کہ یہ دھواں قرب قیامت کے وقت ظاہر ہوگا۔ یہ حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت زید بن علی رضی اللہ عنہم کا موقف ہے۔ جبکہ بعض مفسرین نے اس دھویں کا مصداق مکہ مکرمہ کے اس قحط کو قرار دیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا سے ان پر مسلط ہوا تھا۔ وہ بھوکوں مرنے لگے تھے اور مردار جانور تک کھانے لگے تھے۔ آسمان پر اُن کو دھواں سا نظر آتا تھا۔ اس کی بنیاد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا موقف ہے لیکن اکثر حضرات مفسرین نے اس موقف کو اختیار نہیں کیا، کیونکہ قرآن کریم کے ظاہر الفاظ سے بھی اس موقف کی تائید نہیں ہوتی۔ اسی لیے مذکورہ بالا روایت میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ کہہ کر اس موقف کی تردید کر دی کہ ''دخان کی پیش گوئی گزری نہیں ہے'' قرآن کریم اور دوسری احادیث سے اس واقعہ کا زمانہ متعین کرنا مشکل ہے۔ البتہ قرآن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مومنوں کی

زندگی میں پیش آئے گا۔ اور کفار کے لیے یہ سخت عذاب ہوگا جبکہ مومنوں کو صرف زکام سا محسوس ہوگا۔ قرآن کے الفاظ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مقامی نہیں ہوگا بلکہ عالمی ہوگا جس سے دنیا کی پوری آبادی متاثر ہوگی۔ (واللہ اعلم)

دابتہ الارض

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی جن بڑی 10 علامتوں کا ذکر فرمایا ہے ان میں ایک دابتہ الارض (یعنی زمین کا ایک عجیب وغریب جانور) بھی ہے۔ اس علامت کا ذکر قرآن کریم میں بھی آیا ہے۔ چنانچہ سورہ نمل جو قرآن کی ستائیسویں سورت ہے۔ اس کی آیت 82 میں ارشاد ہے:

وَ اِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ
تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ (۸۲)

ترجمہ: ''اور جب (قیامت کا) قول ان پر واقع ہونے کو ہوگا۔ (یعنی قیامت کا زمانہ قریب آپہنچے گا) تو ہم اس کے لیے زمین سے ایک جانور نکالیں گے کہ وہ ان سے کلام کرے گا کہ (کافر) لوگ ہماری (یعنی اللہ تعالیٰ کی) آیتوں پر (خصوصاً ان آیات پر جو قیامت کے متعلق ہیں) یقین نہیں لاتے تھے۔'' (ازبیان القرآن مولانا اشرف علی تھانویؒ)

اس آیت سے قرب قیامت میں زمین سے ایک جانور کے نکلنے کی خبر دی گئی ہے جو لوگوں سے باتیں کرے گا۔ معارف القرآن میں حضرت مفتی محمد شفیع رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''دابۃ کی تنوین میں اس جانور کے عجیب الخلقت ہونے کی طرف اشارہ پایا گیا اور یہ بھی کہ یہ عام جانوروں کی طرح توالد وتناسل کے طریق پر پیدا نہیں ہوگا بلکہ اچانک زمین سے نکلے گا۔'' (معارف القرآن جلد 6)

اس کے بعد مسند احمد کی اس روایت کا ذکر کرتے ہوئے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی 10 علامتوں کا ذکر کیا ہے۔ لکھا ہے کہ ''اور یہ بات بھی اسی حدیث سے سمجھ میں آتی ہے کہ دابۃ الارض کا خروج بالکل آخری علامات میں سے ہوگا۔ جس کے بعد بہت جلد قیامت آجائے گی۔''

ابن کثیرؒ نے ابوداؤد کے طیالسی کے حوالے سے حضرت طلحہ بن عمر کی ایک طویل حدیث میں روایت کیا ہے کہ دابۃ الارض، مکہ مکرمہ میں کوہ صفا سے نکلے گا اور اپنے سر سے مٹی جھاڑتا ہو مسجد حرام میں حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان پہنچ جائے گا۔ لوگ اس کو دیکھ کر بھاگنے لگیں گے۔ ایک جماعت رہ جائے گی۔ یہ دابہ (جانور) ان کے چہروں کو ستاروں کی طرح روشن کر دے گا۔ اس کے بعد وہ زمین کی طرف نکلے گا۔ ہر کافر کے چہرے پر کفر کا نشان لگا دے گا۔ کوئی اس کی پکڑ سے بھاگ نہ سکے گا۔ یہ ہر مومن و کافر کو پہچانے گا۔ (ابن کثیر)

اور مسلم بن حجاج نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سنی تھی۔ جس کو میں کبھی بھولتا نہیں۔ وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کی آخری علامات میں ہے کہ ''سب سے پہلے آفتاب کا طلوع مغرب کی طرف سے ہوگا اور آفتاب بلند ہونے کے بعد دابۃ الارض نکلے گا۔ ان دونوں علامتوں میں سے جو بھی پہلے ہو جائے۔ اس کے فوراً بعد قیامت آجائے گی۔'' (ابن کثیر)

''شیخ جلال الدین محلی نے فرمایا کہ خروج دابہ کے وقت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے احکام منقطع ہو جائیں گے اور اس کے بعد کوئی کافر اسلام قبول نہیں کرے گا۔ یہ مضمون بہت سے احادیث و آثار سے مستنبط ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

ابن کثیر وغیرہ نے اس جگہ دابۃ الارض کی ہیئت اور کیفیات و حالات کے متعلق بہت

مختلف روایات نقل کی ہیں۔ جن میں سے اکثر قابل اعتماد نہیں ہیں۔ اس لیے جتنی بات قرآن کی آیات اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے (وہ یہ ہے کہ) یہ عجیب الخلقت جانور ہوگا۔ بغیر توالد و تناسل کے زمین سے نکلے گا۔ اس کا خروج مکہ مکرمہ میں ہوگا پھر ساری دنیا میں پھرے گا۔ یہ کافر و مومن کو پہچانے گا اور ان سے کلام کرے گا۔ بس اتنی بات پر عقیدہ رکھا جائے زائد کیفیات و حالات کی تحقیق و تفتیش نہ ضروری ہے نہ اس سے کچھ فائدہ ہے۔ رہا یہ معاملہ کہ دابۃ الارض لوگوں سے کلام کرے گا اس کا کیا مطلب ہے (یعنی کیا کلام کرے گا) بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا کلام یہی ہوگا جو اوپر بیان کردہ آیت میں مذکور ہے۔ یعنی ان الناس سے یوقنون تک۔ (یعنی لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں لاتے تھے)۔ یہ کلام وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کو سنائے گا اور مطلب یہ ہوگا کہ اب وہ وقت آ گیا ہے کہ ان سب کو یقین ہو جائے گا مگر اس وقت کا یقین شرعاً معتبر نہیں ہوگا اور (یہ) حضرت ابن عباس، حسن بصری، قتادہ سے منقول ہے اور ایک روایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی (روایت) ہے کہ یہ دابہ لوگوں سے خطاب اور کلام کرے گا جس طرح عام کلام ہوتا ہے۔ ابن کثیر (معارف القرآن جلد 6 سورہ نمل آیت 82)

قرآن کریم کی مذکورہ بالا تفسیر سے جو بات یقینی طور پر ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ قیامت کے قریب ایک عجیب الخلقت جانور مکہ مکرمہ میں پیدا ہوگا اور اس کی پیدائش معمول کے مطابق توالد و تناسل کے قانون کے تحت نہیں ہوگی بلکہ وہ اچانک زمین سے یا پہاڑ سے پیدا ہوگا اور لوگوں سے باتیں کرے گا۔ اس کی شکل و صورت، تیز رفتاری اور دوسری تفصیلات کا بھی اگرچہ ذکر روایات میں ملتا ہے مگر وہ روایات کمزور ہیں اور ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ صحیح مسلم میں دابۃ الارض کی جو روایات آئی ہیں، ان میں بھی دابۃ الارض کی شکل و صورت اور اس کے کلام کی کوئی تفصیل

منقول نہیں ہے۔ البتہ بعض صحیح روایات کی بنا پر یہ بات یقینی معلوم ہوتی ہے کہ آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونے اور دابتہ الارض کے خروج کی علامتیں قریب قریب واقع ہوں گی۔ چنانچہ مشکوٰۃ کی ایک روایت کا ترجمہ یہ ہے۔

''حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کی پہلی علامتوں میں سے یہ دونشانیاں ہیں۔ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا اور دابتہ الارض کا لوگوں پر خروج کرنا اور کلام کرنا چاشت کے وقت۔ ان دونوں میں سے جس کا وقوع پہلے ہو اس کے بعد فوراً دوسری وقوع میں آئے گی۔'' (مشکوٰۃ جلد سوم، 5230)

اس میں دابہ کے نکلنے کا وقت چاشت بتایا گیا ہے۔ علامہ قرطبیؒ نے روایات کے حوالے سے بتایا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے کافی عرصے کے بعد جب دوبارہ اللہ کی نافرمانی اور کفر دنیا میں پھیلنے لگے گا اور دین اسلام کے اکثر حصے پر عمل ترک کردیا جائے گا تو اس وقت اللہ تعالیٰ اس جانور کو زمین سے نکالے گا۔ جو مومن کو کافر سے ممتاز کردے گا۔ تاکہ کفار کفر سے اور فاسق اپنے فسق سے باز آجائیں۔ پھر یہ جانور غائب ہوجائے گا اور لوگوں کو سنبھلنے کی مہلت دی جائے گی۔ مگر جب وہ اپنی سرکشی پر اڑے رہیں گے تو آفتاب کے مغرب سے طلوع ہونے کا عظیم واقعہ پیش آجائے گا۔ جس کے بعد کسی کافر یا فاسق کی توبہ قبول نہ ہوگی۔ پھر اس کے بعد جلد ہی قیامت آجائے گی۔ اس بیان کا حاصل یہ ہے کہ دابتہ الارض کا واقعہ آفتاب کے مغرب سے طلوع ہونے سے پہلے پیش آئے گا مگر مستدرک میں حاکم نے اس بات کو راجح قرار دیا ہے کہ دابتہ الارض اس کے بعد نکلے گا۔ (علامات قیامت حاشیہ صفحہ 57)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دابتہ الارض تمام کافروں کی پیشانی پر ایک نشان لگادے گا جو ان کو مومنوں سے ممتاز کرنے کے لیے ہوگا۔ دابتہ الارض کا

یہ تصور بائبل میں بھی ملتا ہے اور یہود و نصاریٰ بھی اس پر یقین رکھتے ہیں۔ چنانچہ کتاب دانیال میں حضرت دانیال علیہ السلام سے منسوب کئی روایتوں سے ماخوذ یہ عقیدہ ملتا ہے کہ دجال کے ہلاک ہونے کے بعد ایک جانور نکلے گا جو اللہ کے دشمنوں پر نشان لگائے گا۔ اس کو بائبل کے کنگ جیمز ورژن میںMark of th Beast ''جانور کا نشان'' کے الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے۔

رہا یہ سوال کہ کوئی جانور انسانوں سے کلام کیسے کرے گا تو جس طرح قیامت کے واقعات میں بہت سے واقعات ایسے ہوں گے جو قانونِ فطرت کے خلاف معلوم ہوتے ہیں۔ تو یہ واقعہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہوگا۔ یہاں تو صرف ایک جانور کو اللہ تعالیٰ قدرتِ کلام دے گا۔ لیکن آخرت میں تو جب اللہ تعالیٰ کی عدالت قائم ہوگی تو انسان کی آنکھ، کان اور اس کے جسم کی کھال تک بول اٹھے گی۔ چنانچہ قرآن کریم میں بہت واضح الفاظ میں اس حقیقت کو واضح کردیا گیا ہے۔ سورہ حم السجدہ کی آیت میں ہے کہ جب اللہ کی عدالت میں حاضری ہوگی تو لوگوں کی آنکھیں، کان اور کھال ان کے خلاف گواہی دیں گے۔

تفسیر مظہری میں یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ وہ عربی میں کلام کرے گا اور اللہ کی طرف سے سورہ نمل کی آیت کا وہ حصہ کہے گا جس کا ترجمہ یہ دیا گیا ہے کہ ''(کافر) لوگ ہماری آیات پر یقین نہیں لاتے تھے۔'' اس کے علاوہ مظہری میں ترمذی اور احمد کے حوالے سے حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ روایت بھی دی گئی ہے کہ ''دابہ مومن کے چہرے کو لاٹھی کے نشان سے چمک دار بنا دے گا اور کافر کی ناک پر انگشتری کا نشان بنا دے گا۔ یہاں تک کہ لوگ جمع ہوں گے تو ایک دوسرے کو کہے گا اے مومن! اور دوسرا کہے گا۔ اے کافر!'' یعنی ان نشانوں کی وجہ سے کافر اور مومن میں کھلا امتیاز ہو جائے گا۔ واللہ اعلم

دابتہ الارض کے بارے میں ابن کثیر میں اس آیت کے ذیل میں بہت سی روایات جمع کی گئی ہیں۔ان میں سے ایک روایت یہ بھی بیان کی گئی ہے۔

''سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن بریدہؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے قریب صحر کی ایک جگہ لے گئے۔ وہ خشک زمین تھی جس کے گرد ریت ہی ریت تھی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔''جانور اس جگہ سے نکلے گا'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طولاً اور عرضاً اس جگہ کی نشان دہی فرمائی۔''

تفسیر ابن کثیرؒ میں اس آیت کے بارے میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا یہ ارشاد بھی نقل کیا گیا ہے کہ اس آیت میں تکلمھم کے معنیٰ ہیں کہ وہ جانور نشان لگائے گا۔یعنی کافر کی پیشانی پر کافر اور مومن کی پیشانی پر مومن لکھ دے گا۔

مولانا عاشق الٰہی بلند شہری مہاجر مدنی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے ایک رسالے میں شاہ رفیع الدین کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

جس روز مغرب سے آفتاب نکل کر بلند ہوگا اور واپس ہو کر غروب ہوگا اس سے دوسرے دن صفا پہاڑ زلزلے سے پھٹ جائے گا اور اس میں سے ایک عجیب شکل کا جانور نکلے گا۔اس کے بعد اس جانور کی عجیب وغریب شکل وصورت کا بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ وہ بڑی وضاحت سے لوگوں سے گفتگو کرے گا اور اس کے ایک ہاتھ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور دوسرے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگشتری ہوگی۔ وہ اس تیزی سے تمام ملکوں میں پھرے گا کہ کوئی ڈھونڈنے والا اسے نہ پاسکے گا اور کوئی بھاگنے والا اس سے بچ کر نہ جاسکے گا اور تمام انسانوں پر نشان لگا دے گا۔(قیامت کی نشانیاں صفحہ 118)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا اور انگوٹھی والی روایت مشکوٰۃ میں اور تفسیر

ابن کثیر میں بھی امام احمد کے حوالے سے نقل کی گئی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کے قریب ایک جانور نکلے گا جو عجیب وغریب ہوگا اور اچانک زمین سے نکلے گا۔ جو لوگوں سے باتیں کرے گا۔ اس کی تفصیلات میں اختلاف ہوسکتا ہے۔ راقم الحروف کا مقصد تو یہ تھا کہ اس جانور کے بارے میں جو روایات احادیث میں آئی ہیں وہ جمع کردی جائیں۔

مومن کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہر وقت پیش نظر رہنا چاہیے کہ ان نشانیوں کے ظاہر ہونے سے پہلے جتنا ممکن ہو اعمال صالحہ کرلیے جائیں اور توبہ کا دروازہ بند ہونے سے پہلے گناہوں سے توبہ کرلی جائے۔

سورج کا مغرب سے طلوع ہونا

بعض لوگ علامات قیامت کے ان مضامین کو اس تفصیل سے لکھنے کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ آخر ان کا فائدہ کیا ہے؟ قیامت کا ذکر قرآن کریم میں جس تفصیل سے آیا ہے اگر ان کی صرف ان آیات کا ترجمہ ہی لکھ دیا جائے جن میں قیامت کا ذکر ہے تو ایک اچھی خاصی ضخیم کتاب تیار ہوجائے گی۔ پھر قرآن کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان علامات کو بیان کرنے کا جو اہتمام فرمایا اور صحابہ کرامؓ نے ان روایات کو محفوظ کرنے اور امت تک پہنچانے میں جو محنت اٹھائی، اس کا کوئی مقصد تو ضرور ہوگا؟ پھر قیامت تو متعدد حدیثوں کے مطابق مسلمانوں پر قائم ہی نہیں ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے قیامت کے بیان کو اس تفصیل کے ساتھ کیوں بیان فرمایا؟

قیامت کے ہولناک مناظر کی تصویر کشی اور جنت کے روح پرور حسین مناظر کا بیان قرآن میں اس تفصیل سے دیا گیا ہے کہ قیامت اور دوزخ کے حالات پڑھ کر انسان میں آخرت کا خوف پیدا ہو۔ اور جنت کی عیش وعشرت کی تفصیلات جان کر

اللہ سے محبت وامید کا رشتہ قائم ہو، خوف اور امید یہی دو جذبے ہیں جو انسان کو برائی سے روکتے اور بھلائی پر اکساتے ہیں۔ قرآن کریم نے بڑی حکمت کے ساتھ ان جذبوں کی معتدل پرورش کے لیے ان دونوں چیزوں کا بیان فرمایا ہے۔ خوف کی اتنی مقدار جو آدمی کو اللہ کی نافرمانی سے روک دے اور امید کا اتنا درجہ جو اس میں اللہ کی محبت پیدا کر کے اس کی عبادتوں میں ذوق وشوق پیدا کر دے یہی اسلام کا اصل مقصود اور ہدف ہے اور اسی میں انسان کی دنیاوی اور اخروی زندگی کی کامیابیوں کا راز پوشیدہ ہے۔

قرآن میں مغرب سے آفتاب کے طلوع ہونے کا ذکر

قرآن کریم کی سورۃ انعام میں قیامت کی اس بڑی نشانی کا ذکر آیا ہے۔ پہلے اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔ پھر روایات کی روشنی میں اس پر گفتگو ہوگی۔ سورہ انعام قرآن کریم کی چھٹی سورت ہے۔ اور اس سورت کا اکثر حصہ اہل مکہ اور مشرکین کے غلط عقائد اور ان کے شبہات اور سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے۔ ذیل کی آیت سے پہلے اہل مکہ اور عرب کے باشندوں پر یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے معجزات وبینات ظاہر ہو چکے۔ پچھلے انبیاء اور ان کی پیشگوئیاں جو رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بارے میں آئی ہیں وہ سن چکے۔ رسول اللہ ﷺ کی سچائی کے دلائل سامنے آچکے اور اللہ نے اپنی حجت ان پر تمام کردی۔ اب ایمان لانے میں وہ کس چیز کے منتظر ہیں اس آیت میں ان کا ذکر ہے اور رسول اللہ ﷺ سے خطاب ہے:

هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن تَأْتِيَهُمُ الْمَلَٰٓئِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ ءَايَٰتِ رَبِّكَ ۗ يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ ءَايَٰتِ رَبِّكَ لَا يَنفَعُ نَفْسًا

اِیْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ
قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ(۱۵۸)

ترجمہ: ''یہ لوگ (مشرکین) اس امر کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا ان کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رب (خود) آئے (جیسا کہ قیامت میں حساب کے وقت ہوگا) یا آپؐ کے رب کی کوئی بڑی نشانی (منجملہ قیامت کی نشانیوں کے) آئے (مراد اس سے آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کیا ایمان لانے میں قیامت کے وقوع یا قرب کا انتظار رہے تو پھر یہ سن لو کہ) جس روز آپ ﷺ کی (یہ) بڑی نشانی پہنچے گی (اس روز) کسی ایسے شخص کا ایمان اس کے کام نہ آئے گا جو پہلے سے ایمان نہ رکھتا ہو یا اس نے اپنے ایمان (کی حالت) میں کوئی نیک عمل نہ کیا ہو۔ آپؐ (ان سے) فرما دیجیے کہ (ٹھیک ہے) تم منتظر رہو۔ ہم بھی منتظر ہیں۔'' (سورۃ انعام آیت 158)

اس آیت کے ترجمے میں جو عبارتیں قوسین (بریکٹوں) کے درمیان ہیں وہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کی تفسیر ہیں جو بیان القرآن سے لی گئی ہیں۔

اس آیت کے الفاظ سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ کون سے بڑی نشانی ہے جس کے ظاہر ہونے کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ البتہ یہ واضح ہے کہ اس نشانی کے ظاہر ہونے کے بعد آیت کے مطابق ''کسی ایسے شخص کا ایمان اس کے کام نہ آئے گا۔ جو پہلے سے ایمان نہ رکھتا ہو۔'' یعنی توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ نہ کسی مسلمان کی کسی گناہ سے توبہ کام آئے گی اور نہ کسی مشرک کی توبہ اس کو مشرک ہونے سے بچائے گی۔ یعنی اگر کوئی مسلمان ایمان تو رکھتا تھا مگر فسق و فجور میں مبتلا

تھا۔ تو اب اس نشانی کے بعد وہ فاسق و فاجر ہی رہے گا۔ اسی آیت کی تفسیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ جس وقت قیامت کی آخری نشانیوں میں یہ نشانی ظاہر ہوگی کہ آفتاب مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہوگا۔ اس کو دیکھتے ہی سارے جہان کے کافر ایمان کا کلمہ پڑھنے لگیں گے اور سارے نافرمان فرماں بردار بن جائیں گے لیکن اس وقت کا ایمان اور توبہ قبول نہ ہوگا... اس کا سبب یہ ہے کہ انسان کا ایمان اور توبہ اس وقت تک قابل قبول ہو سکتے ہیں جب تک وہ انسان کے ارادے اور اختیار سے ہو اور جب کوئی اللہ کے عذاب اور آخرت کے حقائق سامنے آجانے کے بعد ایمان لانے اور گناہ سے بچنے پر مجبور ہو گیا تو مجبوری کا ایمان قابل قبول نہیں ہے۔ (معارف القرآن جلد سوم)

اس آیت میں اتنی بات تو واضح ہوگئی کہ قیامت سے پہلے بعض نشانیاں ایسی ظاہر ہوں گی جس کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ لیکن اس بات کی کیا دلیل ہے کہ قرآن کی اس آیت میں ''بڑی نشانی سے مراد آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا ہی ہے؟ اس کی تصدیق خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے ہوتی ہے جو صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو جائے جب وہ مغرب سے طلوع ہوگا تو تمام مسلمان اسے دیکھیں گے۔ اس وقت کسی کا ایمان لانا اسے کچھ فائدہ نہ دے گا۔'' پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا آیت مبارکہ تلاوت فرمائی (تفسیر ابن کثیر)

صحیح مسلم میں اسی مضمون کی ایک روایت مضمون کی کچھ تبدیلی کے ساتھ روایت کی گئی ہے۔ یہ روایت بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''تین چیزیں جب ظاہر ہو جائیں گی

تو اس شخص کا ایمان اسے کچھ فائدہ نہیں دے گا جو پہلے ایمان نہیں لایا تھا یا اس نے اپنے ایمان میں کچھ نیکی نہیں کی تھی۔ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا اور خروج دجال اور جانور کا خروج۔''

ایک طویل اور تاریک رات

روایات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ سورج کے مغرب سے طلوع ہونے سے پہلے والی رات بہت طویل اور تاریک ہوگی۔ یہ رات اتنی لمبی ہوگی کہ بچے سوتے سوتے اکتا جائیں گے۔ مسافر چلتے چلتے گھبرا جائیں گے اور جانور چیخنے اور چلانے لگیں گے۔ اس کی تصدیق حال ہی میں ایک بین الاقوامی سائنسی رسالے میں چھپنے والی ایک رپورٹ سے بھی ہوتی ہے جس کی تفصیل آگے آئے گی۔ پہلے مسند احمد کی ایک روایت سن لیجیے جس سے اس رات کے طویل ہونے کی تصدیق ہوتی ہے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرو بن جریرؓ نے فرمایا کہ تین آدمی مروان کے پاس مدینہ منورہ میں بیٹھے تھے مروان قیامت کی نشانیاں بیان کرتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ سب سے پہلی نشانی خروج دجال ہے۔ وہ لوگ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ اور انہیں مروان کی گفتگو سنائی۔ تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''مروان نے کچھ نہیں کہا۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح کی حدیث سنی ہے۔ جو میں کبھی بھلا نہیں سکا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے پہلی نشانی سورج کا مغرب سے طلوع ہونا ہے اور چاشت کے وقت جانور کا نکلنا ہے۔ جو بھی پہلے ہو، دوسری اس کے فوراً بعد ظاہر ہو جائے گی۔''

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ

پہلی نشانی مغرب سے سورج کا طلوع ہونا ہے۔اس لیے کہ جب سورج غروب ہوگا تو عرش کے نیچے آئے گا اور دوبارہ طلوع ہونے کی اجازت چاہے گا۔اسے اجازت نہیں دی جائے گی۔وہ پھر اجازت چاہے گا، اسے پھر اجازت نہیں ملے گی۔وہ پھر اجازت چاہے گا اسے پھر اجازت نہیں ملے گی۔رات کا بہت سا وقت گزر جائے گا۔ اسے معلوم ہوگا کہ اگر اسے اس وقت اجازت مل بھی جائے تو وہ مشرق تک نہیں پہنچ سکے گا۔سورج کہے گا اے اللہ! مجھ سے مشرق کتنی دور ہے؟ کیا میں لوگوں پر طلوع نہیں ہوں گا؟ پھر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت فرمائی (یعنی سورہ انعام کی 158 ویں مذکورہ آیت)۔(تفسیر ابن کثیر)

سائنسی نقطہ نظر سے اس حدیث پر جو اشکال سامنے آتے ہیں اس پر گفتگو سے پہلے ایک اور حدیث جو اس مضمون سے متعلق بہت اہم ہے وہ بھی سن لیجیے۔مشکوٰۃ میں صحیح مسلم کے حوالے سے یہ روایت پہلے بھی بیان ہوئی ہے۔اور اسی پر سائنسی اشکال کا جواب بھی عرض کر چکا ہوں۔روایت یہ ہے:

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''آفتاب جب غروب ہوتا ہے تجھ کو معلوم ہے کہاں جاتا ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔فرمایا وہ جاتا ہے یہاں تک کہ عرش کے نیچے پہنچ کر سجدہ کرتا ہے۔پھر (اللہ سے) اجازت چاہتا ہے۔اس کو اجازت دی جاتی ہے۔اور قریب ہے وہ وقت کہ وہ سجدہ کرے گا اور اس کا سجدہ قبول نہ کیا جائے گا اور اسے کہا جائے گا کہ وہیں لوٹ جا جہاں سے آیا ہے۔پس وہ مغرب سے طلوع کرے گا اور یہی مراد ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی والشمس تجری لمستقر لھا (اور آفتاب اپنے ٹھکانے کی طرف جاتا ہے)۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مستقر (ٹھکانا) کے لیے

فرمایا ہے کہ وہ عرش کے نیچے ہے (مشکوٰۃ بحوالہ مسلم 5232)

یہاں کئی سوال ذہن میں ابھرتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ دن اور رات کا تعلق سورج کی گردش سے نہیں ہے بلکہ زمین کی اپنی محوری گردش سے ہے۔ دوسرے یہ کہ سورج کا اپنے ٹھکانے کی طرف جانا اور سجدہ کرنا اور اس کا ٹھکانہ عرش کے نیچے ہونے کا مفہوم موجودہ سائنسی معلومات کی روشنی میں سمجھ میں نہیں آتا۔ اس ضمن میں پہلے نئے سائنسی تحقیقات کے حوالے سے EARTH SHIFT یعنی زمین کی تبدیلی یا منتقلی کے سائنسی امکانات پر انہیں مضامین میں پہلے بھی لکھا جا چکا ہے۔ یہ مضمون اس موضوع کی تفصیل کا تو متحمل نہیں ہوسکتا۔ اس لیے چند ضروری اشارات عرض کرتا ہوں جن سے ایمان و یقین کے ساتھ سوچنے والوں کے اشکالات انشا اللہ دور ہو جائیں گے۔

اول تو یہ سمجھ لیجیے کہ دنیا کے تمام سائنس دانوں نے اس نظریے کو رد کردیا ہے کہ سورج گردش نہیں کرتا۔ سورج کی گردش کے سلسلے میں امریکی خلائی ادارے نے جو تازہ معلومات فراہم کی ہیں وہ حیرت انگیز بھی ہیں اور سورج کے ایک مستقر اور اس کی گردش کی طرف بھی اشارے کرتی ہے۔ لیکن اس سلسلے میں (EARTH SHIFT) کا نظریہ زیادہ قابل ذکر ہے۔

مختصر سائنسی توجیح پہلے بھی آچکی ہے کہ زمین اپنے محور پر سیدھی نہیں ہے بلکہ ایک خاص زاویے سے ایک جانب جھکی ہوئی ہے سائنس دانوں کے نزدیک زمین کا یہ جھکاؤ زمین پر زندگی کی بقا کا ضامن ہے اور اس میں ادنیٰ سی تبدیلی بہت دوررس نتائج کی حامل ہوسکتی ہے یہ بات بھی سب کو معلوم ہے کہ زمین جب اپنے محور پر گردش کرتی ہے تو اس سے دن رات کی تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں جبکہ موسموں کی تبدیلیاں زمین کی اس گردش سے تعلق رکھتی ہیں جو وہ سورج کے گرد کرتی ہے۔

تیسری بات یہ ذہن میں رکھیے کہ قرآن کریم احادیث اور بائبل اس معاملے میں متفق ہیں کہ قیامت سے پہلے زلزلوں کی کثرت ہوگی۔ یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ زمین کی سطح میں ہزاروں مقامات پر بہت بڑی بڑی دراڑیں جن کو FAULTS فالٹ کہتے ہیں یہ فالٹ سینکڑوں کلومیٹر لمبے اور میلوں گہرے ہوتے ہیں۔ چنانچہ اب تک کی معلومات کے مطابق کیلی فورنیا کا اینڈریاز Andreus فالٹ پندرہ کلومیٹر گہرا ہے۔ اور ایک تخمینے کے مطابق بیس ملین (دو کروڑ) سال پرانا ہے۔ اس فالٹ کی ایک تصویر ناسا کے ادارے نے 17 مئی 2003ء کو جاری کی ہے۔

زمین کی منتقلی کا نظریہ

یہ فالٹ ہی وہ مقامات ہیں جہاں بڑے بڑے زلزلے آتے ہیں اور زمین لرز اٹھتی ہے۔ بعض سائنس دانوں کا خیال ہے کہ روئے زمین پر واقع ہونے والے زلزلے زمین کے جھکاؤ میں فی الحال غیر محسوس تبدیلی کا باعث ہو رہے ہیں جو آگے چل کر محسوس تبدیلیاں لا سکتے ہیں بائبل گیٹ وے والوں کا کہنا ہے کہ یہ بات ایک قوی سائنسی امکان کے طور پر سامنے آ رہی ہے کہ کوئی بڑا زلزلہ زمین کے جھکاؤ اور اس کی گردش کی سمت میں تبدیلی واقع کر کے کسی دن یا کسی رات کو کئی دن اور کئی راتوں کے برابر طویل کر دے۔

اس لیے یہ عین ممکن ہے کہ کسی زبردست زلزلے کے نتیجے میں عارضی طور پر زمین کے قطبین تبدیل ہو جائیں اور اس کے نتیجے میں آفتاب مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہو۔ اور پھر زمین کے معمول پر آ جانے کے بعد آفتاب واپس لوٹتا ہوا معلوم ہو یا بالکل دوسرے سائنسی امکانات سامنے آ جائیں۔

قیامت سے پہلے کی چند علامات

صحیح مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ میں روایت کی گئی وہ حدیث جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس بڑی علامتوں کی خبر دی ہے۔ ان میں سے آٹھ علامات کا مفصل بیان معتبر روایات کے حوالے سے آچکا ہے۔

یمن کی آگ

اس حدیث میں ایک علامت یہ بیان کی گئی ہے کہ یمن سے ایک آگ نکلے گی۔ جو لوگوں کو ان کے محشر (جمع ہونے کی جگہ) کی طرف ہانک لے جائے گی۔ ایک روایت میں یمن کی بجائے عدن کا لفظ آیا ہے یہ آگ عدن کی گہرائی سے نکلے گی۔ دونوں کا حاصل ایک ہی ہے۔ کیونکہ عدن بھی یمن ہی کا حصہ ہے۔ مسند احمد، نسائی، ابوداؤد اور مستدرک حاکم میں صراحت کی گئی ہے کہ اس حدیث میں ''محشر'' سے مراد ملک شام ہے۔ کیونکہ اس آگ سے بھاگ کر مومنین ملک شام میں پناہ لیں گے۔

اس آگ کے سلسلے میں سرسری مطالعے سے تفصیلات نہیں ملیں یہ کب نکلے گی اور اس کی کیفیات کیا ہوں گی۔ البتہ شاہ رفیع الدین صاحب کا یہ بیان مولانا عاشق الٰہی بلندشہری کے رسالے ''علامات قیامت کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیاں'' میں نقل کیا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ قیامت سے پہلے کے اس زمانے میں واقع ہوگا جب روئے زمین پر کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ ہوگا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ''ان ہی دنوں (جبکہ زمین پر کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ رہے گا) ملک شام میں امن ہوگا اور غلہ بھی سستا ہوگا۔ خواہ سوداگر ہوں، خواہ دستکار

ہوں، خواہ سرمایہ دار غرض کہ سب کے سب گھر کے اسباب لاد کر ملک شام کی طرف روانہ ہو جائیں گے اور جو لوگ دوسرے ملکوں میں چلے گئے تھے۔ وہ بھی ملک شام میں آ کر آباد ہو جائیں گے اور تھوڑے ہی دنوں کے بعد ایک بہت بڑی آگ ظاہر ہوگی اور لوگوں کو ہنکاتی ہوئی ملک شام پہنچا دے گی۔ اس کے بعد وہ آگ غائب ہو جائے گی۔ کچھ عرصہ بعد لوگ اپنے اپنے وطنوں کا رخ کریں گے لیکن ملک شام میں پوری آبادی رہے گی۔ یہ قیامت کے نزدیک بالکل آخری علامت ہوگی اور اس کے تین چار سال بعد قیامت آ جائے گی۔'' (علامات قیامت از مولانا عاشق الٰہی)

اس آگ کے بارے میں بعض روایتوں میں یہ اضافہ بھی ہے کہ یہ آگ جو لوگوں کو محشر کی طرف ہانک کر لے جائے گی۔ ایسی ہوگی جب لوگ قیلولہ کریں گے تو یہ آگ بھی ان کے ساتھ ٹھہر جائے گی۔ وہ دن کو رکیں گے تو یہ بھی رکی رہے گی اور جو پیچھے رہ جائے گا۔ یہ آگ اس کو کھا لے گی۔

صحیح مسلم کی ایک روایت میں دسویں نشانی یمن کی آگ کے بجائے ایک ہوا کا ذکر ملتا ہے جو اتنی زبردست ہوگی کہ لوگوں کو سمندر میں پھینک دے گی (مشکوٰۃ جلد سوم)۔

اس کے بعد ان دس نشانیوں میں ایک علامت یہ بھی ہے کہ زمین میں دھنسنے کے تین واقعات پیش آئیں گے۔ ایک مشرق میں، ایک حجاز اور ایک مغرب میں۔ حجاز میں پیش آنے والے واقعے کا ذکر دجال کے ضمن میں گزر چکا ہے۔ باقی دو واقعات جو مشرق اور مغرب میں پیش آئیں گے اس کے بارے میں کوئی تصریح نہیں ملتی کہ وہ کس زمانے میں پیش آئیں گے اور کون لوگ زمین میں دھنسائے جائیں گے۔ اس طرح یہاں تک ان دس علامتوں کا بیان مکمل ہو گیا جو حضرت حذیفہ بن اسید کی روایت میں بیان کی گئی ہیں۔

ایک سیاہ بدلی آسمان کو تاریک کردے گی

حضرت عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ''قیامت کے قائم ہونے سے پہلے مغرب کی طرف سے ڈھال کے برابر سیاہ بدلی طلوع ہوگی اور آسمان کی طرف چڑھتی چلی جائے گی۔ حتیٰ کہ تمام آسمان پر چھا جائے گی۔ پھر ایک منادی ندا کرے گا۔ اے لوگو! اللہ کا فیصلہ (قیامت قائم ہونے کا) آ پہنچا۔ اب تم جلدی نہ مچاؤ۔''

(البدور السافرہ، علامہ جلال الدین سیوطیؒ)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''قیامت کے قریب بجلیاں بہت زیادہ گریں گی۔ یہاں تک کہ انسان لوگوں کے پاس آکر پوچھا کرے گا کہ اس دن کس کس پر بجلی گری؟ لوگ بتائیں گے کہ فلاں فلاں پر بجلی گری۔ (بحوالہ مسند احمد)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی۔ جب تک آسمان سے اتنی بارش نہ برسے کہ جس سے مٹی کے گھر باقی نہ رہیں۔ صرف اون کے گھر باقی رہ جائیں گے۔'' (ابن کثیر)

بعض دوسری روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قیامت سے پہلے شدید بارشیں ہوگی۔ بجلیاں گریں گی۔ واللہ اعلم

قرب قیامت کے مزید حالات

ان حالات کا ذکر غالباً پہلے آچکا ہے۔ مگر ان کو ذہن میں تازہ کرنا فائدے

سے خالی نہیں ہے۔ مذکورہ علامات کے علاوہ قرب قیامت کے بہت سے مختلف حالات روایات میں آتے ہیں۔ قیامت کے دن کے ہولناک مناظر سے پہلے ان کا مختصر بیان یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانے میں قیامت کے قریب ہونے کو ایک مثال سے بیان فرمایا ہے۔ اس سے اس زندگی اور دنیا کی بے ثباتی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

''حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس دنیا کی مثال اس کپڑے کی سی ہے جس کو شروع سے آخر تک پھاڑ ڈالا گیا ہو اور صرف ایک دھاگے میں کپڑے کے دونوں ٹکڑے معلق ہوں اور قریب ہے کہ وہ دھاگہ ٹوٹ جائے۔'' (مشکوٰۃ حدیث نمبر 5279)

اس دور کی ایک اور تصویر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے۔ حضرت ابو ہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ''اس ذات کی قسم جس نے مجھے نبی برحق بنایا ہے کہ یہ دنیا ختم نہیں ہوگی۔ یہاں تک کہ ان میں سورج گرہن، پتھروں کی بارش برسنا اور مسخ صورت کے واقعات رونما نہ ہو جائیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہ کب ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ''جب عورتیں زینوں پر سوار ہوں گی۔ مالدار عورتیں بکثرت پائی جائیں گی۔ جھوٹی گواہیاں پھیل جائیں گی اور مرد، مرد کے ذریعے عورتوں سے، اور عورتیں عورتوں کے ذریعہ مردوں سے مستغنی ہو جائیں گی''

(علامات یوم القیامۃ علامہ عمادالدین ابن کثیر اردو ترجمہ صفحہ 13)

عورتوں اور مردوں میں ہم جنس پرستی جو اس وقت مغربی معاشرے کا لائسنس یافتہ طریقہ بن گیا ہے اور ان کے حقوق کو تسلیم کیا جا چکا ہے۔ اس کا کوئی تصور 14 سال پہلے ممکن نہیں تھا اور اس وقت بھی اس کا کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا تھا جب علامہ

ابن کثیر نے آٹھویں صدی میں یہ روایت نقل کی تھی۔

ٹڈیوں کا مکمل خاتمہ

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ قیامت سے پہلے دنیا سے ٹڈیوں کا مکمل خاتمہ ہو جائے گا۔ چنانچہ مشکوٰۃ کی یہ روایت ملاحظہ فرمائیے:

''حضرت جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ جس سال حضرت عمرؓ نے وفات پائی، اس سال ٹڈی (نظر) نہیں آئی۔ حضرت عمرؓ نے اس بات کو خاص طور پر محسوس کیا تھا اور ٹڈی نہ آنے سے غمگین ہو گئے۔ پھر آپؓ نے یمن کی طرف ایک سوار کو بھیجا، عراق کی طرف ایک سوار کو روانہ کیا تا کہ وہ وہاں جا کر ٹڈی کے متعلق پوچھیں کہ کسی نے کہیں دیکھی ہے؟ جس سوار کو یمن کی طرف روانہ کیا گیا تھا۔ وہ ایک مٹھی ٹڈیاں لایا اور حضرت عمرؓ کے سامنے ڈال دیں۔ حضرت عمرؓ نے ان کو دیکھ کر اللہ اکبر کہا اور پھر بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ اللہ بزرگ و برتر نے حیوانات کی ہزار قسمیں پیدا کی ہیں، ان میں چھ سو دریا میں ہیں۔ (یعنی بحری جانور) اور چار سو خشکی میں، ان حیوانات میں سب سے پہلے ٹڈیاں ہلاک ہوں گی۔ یعنی ٹڈیوں کا بالکل خاتمہ ہو جائے گا۔ پھر حیوانات کی دوسری قسمیں یکے بعد دیگر ہلاک ہونا شروع ہوں گی۔ جس طرح موتیوں کی لڑی کھل جاتی ہے اور موتی یکے بعد دیگر بکھرنے لگتے ہیں۔ (مشکوٰۃ 5227)

قارئین! الحمدللہ یہاں تک علامات قیامت کی تینوں قسموں، یعنی علامات بعیدہ (دور کی علامتیں) علامات متوسط (درمیانی زمانے میں واقع ہونے والی علامتیں) اور علامات قریبہ (قیامت کے بالکل قریب ظاہر ہونے والی علامتوں) کے بارے

میں ایک اچھا خاصا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے۔(واللّٰہ الموفق والمستعان)
ان تمام علامتوں کا تعلق موت سے پہلے کی زندگی سے ہے۔موت کے بعد کے حالات ان شاء اللہ آگے بیان ہوں گے۔

نواں باب

عالمِ برزخ

☆ زندگی کے تین مکان

☆ دنیا میں انسان کی زندگی

☆ عالمِ برزخ

☆ آخرت

زندگی کے تین مکان

اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کو تین مکان دیے ہیں اور تینوں مکانوں کے قوانین اور حالات الگ الگ ہیں۔ پہلا مکان یہ زندگی ہے۔ دوسرا مکان برزخ ہے اور تیسرا مکان عالم آخرت ہے۔ پہلے دو مکان عارضی ہیں اور آخری مکان دائمی اور ہمیشہ قائم رہنے والا ہے۔ اس دنیاوی زندگی میں انسان زیادہ سے زیادہ سو سال رہتا ہے۔ یہ سو سال یا اس کچھ زیادہ رہنے والے لوگ شاذ و نادر ہیں، ورنہ اوسطاً انسانوں کی عمریں ساٹھ اور ستر کے درمیان ہوتی ہیں۔ بہت سے مرد اور عورتیں اس سے بہت پہلے ہی دوسرے مکان برزخ میں منتقل ہو جاتے ہیں۔

انسان کا آخری وقت نزع ہے

جب انسان اس دنیا میں اپنا مقررہ وقت پورا کر رہا ہوتا ہے تو وہ ایک ایسی حالت سے گزرتا ہے جس میں اس کا تعلق اس دنیا سے بھی ہوتا ہے، مگر بہت کمزور۔ اور برزخ سے بھی ہوتا ہے جو بہت قوی ہوتا ہے۔ اس کے حواسِ خمسہ جو اس کے جسم کو دیے گئے ہیں، ایک ایک کر کے اس کا ساتھ چھوڑتے جاتے ہیں۔ اب اس کی آنکھیں پاس بیٹھنے والوں کو نہیں دیکھتیں۔ وہ فرشتوں کو آتا ہوا دیکھتا ہے۔ اس کے کان اب عالم برزخ کی آوازیں سنتے ہیں، اس دنیا کی آوازیں بہت کمزور یا بالکل ختم ہو جاتی ہیں۔ اس حالت کو نزع کی حالت کہا جاتا ہے۔

اس حالت کا ذکر قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ النازعات کی پہلی پانچ آیتوں میں فرمایا ہے۔ ارشاد ہے:

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا (١) وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا (٢) وَّالسّٰبِحٰتِ

سَبۡحًا (۳) فَالسّٰبِقٰتِ سَبۡقًا (۴) فَالۡمُدَبِّرٰتِ اَمۡرًا (۵)

ترجمہ: ”قسم ہے ان (فرشتوں) کی جو (کافروں کی روح) سختی سے کھینچتے ہیں۔ اور جو (مومنوں کی) گرہ نرمی سے کھول دیتے ہیں۔ پھر (فضا میں) تیرتے ہوئے جاتے ہیں۔ پھر تیزی سے لپکتے ہیں پھر جو حکم ملتا ہے اس (کو پورا کرنے) کا انتظام کرتے ہیں۔ (سورۃ النازعات، آیت: 1 تا 5)

نازعات نزع سے مشتق ہے اور اس کے معنی کسی چیز کو کھینچ کر نکالنے کے ہیں اور غرقاً غرق سے مشتق ہے۔ اس کے معنی پوری شدت اور قوت خرچ کرنے کے ہیں۔ اردو میں بھی غرق اور اغراق کے معنی گہرائی میں جانے کے آتے ہیں۔

اس آیت میں اصل لفظ صرف اتنا ہے کہ ”قسم ان کی جو سختی سے کھینچتے ہیں۔“ لیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر میں یہ فرمایا ہے کہ اس سے روح قبض کرنے والے فرشتے مراد ہیں۔ جو کسی کی روح (اور عام طور سے کافروں کی روح) کو سختی سے کھینچتے ہیں اور کسی کی روح (اور عام طور پر مومنوں کی) کو آسانی سے اس طرح کھینچ لیتے ہیں، جیسے کوئی گرہ کھول دی ہو۔

والسابحات سبحا: ”پھر وہ ان روحوں کو لے کر تیرتے ہوئے جاتے ہیں۔ سبح کے معنی تیرنے کے ہیں۔ مراد یہاں تیز چلنے کے ہیں۔ پھر تیزی سے لپکتے ہیں۔ پھر جو حکم ملتا ہے، اس کو پورا کرنے کا انتظام کرتے ہیں۔“

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نزع اور اس کے بعد کے حالات بہت تفصیل سے بیان فرمائے ہیں۔ جن کا حال ان شاء اللہ مستند روایات کی روشنی میں آگے عرض کیا جائے گا۔ پہلے ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے جو قسم کھائی ہے، اس پر مختصر چند جملے عرض کرتا ہوں۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ کی قسمیں

قسم کھانے کا مقصد عام طور پر کسی بات کی اہمیت اور تاکید ہوتا ہے۔ عام لوگ ان چیزوں کی قسم کھاتے ہیں جو ان کی نظر میں بڑی ہوتی ہیں۔ بہت سے لوگ ماں کی یا باپ کی کھا کر اپنی بات کا یقین دلاتے ہیں۔ بہت سے اولیاء اللہ کی قسم کھاتے ہیں۔ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم بھی کھائی جاتی ہے، لیکن شریعت میں اللہ کے علاوہ کسی اور کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے سورج، چاند، ستارے، صبح اور رات وغیرہ کی قسمیں کھائی ہیں۔ ایک سوال تو یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو قسم کھانے کی کیا ضرورت ہے؟ قرآن کریم میں وہ بغیر قسم کھائے جو بھی ارشاد فرما دیتے، وہ ایمان ویقین کا حصہ بن جاتا۔ چنانچہ قرآن کریم میں جو باتیں بغیر قسم کے بیان فرمائی ہیں ان پر مسلمانوں کا مضبوط ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عام طور پر مظاہر قدرت کی قسمیں کھائی ہیں اور مقصد یہ ہے کہ سورج، چاند، ستاروں، دن اور رات میں غور کرو اور جب تدبّر کرو گے تو سورج ہو یا چاند، دن ہو یا رات۔ ان میں سے جس چیز میں بھی بغیر کسی تعصب کے صرف حق کے لیے غور کرو گے تو اللہ واحد لاشریک پر تمہاری فطرت ایمان لائے گی۔ پھر تم ان مخلوقات کے بجائے ان کے خالق کی عبادت کرو گے۔

رہا یہ سوال کہ مخلوقات کی قسم کو اسلام میں منع کیا گیا ہے، پھر خود اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی قسم کھائی ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ راقم عرض کرتا ہے کہ لوگ ان چیزوں کی قسم کھاتے ہیں، جن کی بڑائی اور عظمت ان کے دلوں میں ہوتی ہے۔ اب اللہ تعالیٰ سے زیادہ عظمت والا اور بڑائی والا کون ہے؟ انہوں نے یہ قسمیں ان مخلوقات

کی بڑائی کی وجہ سے نہیں، بلکہ ان چیزوں میں غور فکر کی ترغیب کے لیے کھائی ہیں۔
پھر یہ بھی یاد رکھیں کہ جائز و ناجائز کے تمام قوانین اور سارے ضابطے بندوں کے
لیے ہیں۔ رب تعالیٰ خالق اور مالک ہے، اس کی ذات بابرکت ان ضابطوں اور
قوانین سے بالاتر ہے۔ (واللہ اعلم)

نزع میں انسان کے جسم کی حالت

مرنے والے کا جسم بے حس وحرکت ہوتا ہے۔ وہ اس دنیا سے اپنا رشتہ توڑ کر
عالم برزخ سے رشتہ جوڑ رہا ہوتا ہے۔ کافر کی روح پر سختی اور مومن کی روح کو نرمی
سے کھینچنے کا احساس جسم کو نہیں ہوتا، بلکہ یہ معاملہ روح کے ساتھ ہوتا ہے۔ اسی لیے
کافر کی روح پر سختی کا احساس دیکھنے والے کو نہیں ہوتا۔ جسم بے حس وحرکت ہوتا
ہے۔ اس لیے یہ خیال غلط ہے کہ روح پر سختی نہیں ہو رہی ہے۔ اسی طرح مومن کے
نزع کے وقت روح کو آسانی اور نرمی سے نکالا جاتا ہے۔ اگرچہ جسم پر کچھ سختی کے
آثار ظاہر ہوں۔ مومن کی روح اپنے رب سے ملاقات کے شوق میں نکلنے کے لیے
بے تاب ہوتی ہے اور کافر کی روح جسم سے باہر نہیں نکلنا چاہتی۔ اس لیے جسم کے
کونوں کھدروں میں چھپنا چاہتی ہے۔ اس لیے اس کی روح کو سختی سے کھینچا جاتا
ہے۔ (ماخوذ از معارف القرآن تفسیر سورۃ النّازعات)

حالت نزع میں انسان کیا دیکھتا ہے؟

علامہ ابن قیمؒ نے نزع کے بارے میں مندرجہ ذیل حدیث بیان کی ہے۔
''سیدنا براء بن عاذب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم بقیع الغرقد میں
ایک جنازے کے ساتھ تھے۔ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لا کر

بیٹھ گئے۔ ہم بھی آس پاس خاموش بیٹھ گئے۔ میت کی لحد کھودی جا رہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار اللہ کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگی۔ پھر فرمایا: جب انسان آخرت میں داخل ہونے والا ہوتا ہے اور دنیا میں اس کی آخری سانسیں ہوتی ہیں، تو اس کے پاس خورشید جیسے چمکیلے چہروں والے فرشتے اتر کر آتے ہیں۔ جو اس کی حد نگاہ تک ہوتے ہیں۔ پھر ملک الموت آکر اس کے سرہانے بیٹھ کر فرماتے ہیں: ''اے پاکیزہ روح! اللہ کی بخشش و رضا کی طرف نکل۔'' چنانچہ وہ اس طرح آسانی سے نکل آتی ہے، جیسے (پانی کی) مشک کے منہ سے قطرہ نکل آتا ہے۔

ملک الموت اسے لے لیتے ہیں۔ ان کے لیتے ہی فرشتے ایک سیکنڈ کے لیے بھی ان کے ہاتھ میں نہیں رہنے دیتے اور ان سے لے کر جنتی کفن و خوشبو میں اسے لپیٹ لیتے ہیں۔ اس روح سے مشک سے بھی زیادہ خوشبو پھوٹ پڑتی ہے۔ پھر فرشتے اس کو لے کر چڑھتے ہیں اور فرشتوں کی جس جماعت کے پاس گزرتے ہیں، وہ پوچھتے ہیں کہ یہ پاکیزہ روح کس کی ہے؟

لانے والے فرشتے اس کا سب سے اچھا دنیاوی نام لے کر بتاتے ہیں کہ یہ روح فلاں ابن فلاں کی ہے۔ یہاں تک کہ اسے دنیا کے آسمان تک لے کر پہنچ جاتے ہیں اور اس کے لیے دروازہ کھلواتے ہیں۔ آخر دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور اس آسمان کے دوسرے فرشتے دوسرے آسمان تک اسے رخصت کرتے ہیں۔ اس طرح اس آسمان تک لے کر پہنچتے ہیں، جس پر حق تعالیٰ کا عرش ہے۔

حق تعالیٰ فرماتا ہے، ''میرے بندے کی (روح) کتاب علیین میں رکھ لو۔ (اعمال نامہ علّیین میں رکھ دو) اور اسے زمین کی طرف ہی لوٹا دو۔ کیونکہ میں نے مٹی ہی سے انہیں پیدا کیا ہے۔ اسی میں لوٹا دوں گا۔ اور

دوسری بار اسی سے پیدا کروں گا۔ پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے۔ پھر اس کے پاس دو فرشتے آ کر اسے بٹھاتے ہیں۔ اور اس سے پوچھتے ہیں کہ تمہارا رب کون ہے۔ یہ جواب دیتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ پھر پوچھتے ہیں کہ تمہارا دین کیا ہے؟ یہ جواب دیتا ہے کہ میرا دین اسلام ہے۔ پھر وہ پوچھتے ہیں کہ وہ جو تم میں مبعوث کیے گئے تھے، وہ کون ہیں؟ وہ جواب دیتا ہے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ پوچھتے ہیں کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں؟ یہ جواب دیتا ہے کہ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی۔ اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی۔ مجھے اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا علم ہوا۔ پھر آسمان سے آواز آتی ہے: میرے بندے نے سچ کہا۔ اس کے نیچے جنتی فرش بچھا دو اور جنت کی کھڑکی کھول دو۔''

''پھر اس کی قبر میں جنت کی مہک اور خوشبو آنے لگتی ہے اور اس کی قبر حد نگاہ تک فراخ کر دی جاتی ہے۔ پھر اس کے پاس ایک نہایت حسین وجمیل مہکتے ہوئے خوب صورت لباس والا شخص آ کر کہتا ہے کہ ایک خوش کرنے والی خبر سنیے۔ آج کا وہ دن ہے، جس کا آپ سے دنیا میں وعدہ کیا گیا تھا۔ یہ پوچھتا ہے کہ آپ کون ہیں؟ آپ کے تو چہرے ہی سے بشارت ٹپک رہی ہے۔ یہ شخص جواب دیتا ہے کہ میں آپ کا نیک عمل ہوں۔ یہ سن کر وہ دعا مانگتا ہے کہ اے رب! قیامت قائم فرما، تاکہ میں اپنے اہل وعیال کی طرف لوٹوں۔'' (کتاب الروح، ص:95)

یہ پوری طویل حدیث مجھے معارف الحدیث (مصنفہ مولانا محمد منظور نعمانی میں بھی مل گئی۔ اس لیے حدیث کا یہ حصہ اسی سے نقل کرتا ہوں، کہ اس میں حدیث مضمون زیادہ واضح ہے اور آخر میں حوالے بھی دیے گئے ہیں۔

کافر کا وقت نزع

''کافر کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور اس کے پاس بھی دو فرشتے آتے ہیں۔ وہ اس کو بٹھاتے ہیں۔ اور اس سے بھی پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے: ''ہائے، ہائے۔ میں کچھ نہیں جانتا۔'' پھر فرشتے اس سے پوچھتے ہیں: ''تیرا دین کیا تھا؟'' وہ کہتا ہے: ''ہائے ہائے، میں کچھ نہیں جانتا۔'' پھر فرشتے اس سے کہتے ہیں: ''یہ آدمی جو تمہارے اندر (بہ حیثیت نبی کے) معبوث ہوا تھا، تمہارا اس کے بارے میں کیا خیال تھا؟'' (یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے۔ اس کی کچھ وضاحت حدیث کے آخر میں آئے گی۔ راقم) وہ پھر بھی یہی کہتا ہے: ''ہائے، ہائے میں کچھ نہیں جانتا۔''

''(اس سوال و جواب کے بعد) آسمان سے ایک ندا دینے والا اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکارتا ہے کہ اس نے جھوٹ بولا۔ (یعنی اپنے انجان ہونے کے بارے میں اس نے جھوٹ بولا، کیونکہ وہ تو اللہ کی توحید اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا منکر تھا۔ انکار اسی بات کا کیا جاتا ہے۔ جو وہ جانتا ہو۔ اسی لیے اسے کافر کہا گیا۔) پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے منادی ندا کرے گا کہ اس کے لیے دوزخ کا فرش کرو۔ اور اسے دوزخ کا لباس پہناؤ اور اس کے لیے دوزخ کا ایک دروازہ کھول دو (چنانچہ یہ کام کردیے جائیں گے) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ (دوزخ کے اس دروازے سے) اس کو برابر دوزخ کی گرمی، دوزخ کی لپٹیں اور جھلسانے والی ہوائیں آتی رہیں گی اور اس پر اس کی قبر نہایت تنگ کردی جائے گی

اور اس کے سینے کی پسلیاں ادھر سے اُدھر ہو جائیں گی۔''

''پھر اس کو عذاب دینے کے لیے ایک ایسا فرشتہ اس پر مسلط کیا جائے گا، جو نہ کچھ دیکھے گا اور نہ کچھ سنے گا۔ اس کے پاس لوہے کی ایک ایسی مونگری ہوگی کہ اگر اس کی ضرب کسی پہاڑ پر لگائی جائے تو وہ بھی مٹی کا ڈھیر ہو جائے۔ وہ فرشتہ اس کی ایک ضرب اس پر لگائے گا۔ جس سے وہ اس طرح چیخے گا کہ جن وانس کے علاوہ..... وہ سب چیزیں سنیں گی، جو مشرق اور مغرب کے درمیان ہیں۔ اس ضرب سے وہ خاک ہو جائے گا۔ اس کے بعد اس میں پھر روح ڈالی جائے گی۔ (معارف الحدیث، جلد اول، ص 192، بحوالہ مسند احمد وابوداؤد)

کچھ شبہات اور جوابات

1۔ اس حدیث کو پڑھتے وقت اس دور کے قارئین کے ذہنوں میں بہت سے شبہات پیدا ہو سکتے ہیں۔ یہ تمام شبہات اس وجہ سے پیدا ہوتے ہیں کہ ہم موت اور موت کے بعد پیش آنے والے واقعات کو اپنے ان حواس اور عقل کی ترازو میں تولتے ہیں۔ جو صرف اس دنیا کے محسوسات کو سمجھتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام اس دنیا میں دو بنیادی مقاصد کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی واحدانیت اور اس کے بتائے ہوئے قوانین انسانوں کو دیں اور آخرت کے حالات و واقعات بذریعہ وحی حاصل کر کے ان کو بتائیں۔

اگر ہم اپنے موجودہ حواس اور عقل کے ذریعے نزع، موت، برزخ اور بعث بعد الموت کے حالات سمجھ سکتے تو پھر انبیاء علیہم السلام کو بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟ ان کے بغیر بھی ہم ان حالات کو اپنی عقل وحواس سے سمجھ لیتے۔

2۔ یہ حدیث مسند احمد اور سنن ابوداؤد کے حوالے سے نقل کی گئی ہے۔ آگے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیثیں بھی اس سلسلے میں پیش کی جائیں گی۔ کسی بات کے بارے میں جب یہ طے ہو جائے کہ یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے تو اس کے بعد اس کا انکار کرنے والا متفقہ طور پر کافر (انکار کرنے والا) ہے۔ اس کا انجام وہی ہوگا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے۔

3۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ''یہ آدمی'' کہہ کر جو اشارہ کیا گیا ہے کہ تمہارا اس کے بارے میں کیا خیال ہے۔ یہاں آپ کی شخصیت کو متعین نہیں کیا گیا، بلکہ ''یہ'' کہہ کر اشارہ کیا گیا ہے۔ ''یہ'' اشارہ قریب کے لیے اور حاضر کے لیے کیا جاتا ہے۔ اس سے بعض اولیاء اللہ نے یہ حسن ظن قائم کیا ہے کہ قبر میں اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثالی شبیہ دکھائی جائے گی۔ (واللہ اعلم)

عذاب قبر برَحق ہے

4۔ حدیث میں کہا گیا ہے کہ کافر پر ایک فرشتہ ایسا مسلط کیا جائے گا، جو لوہے کا گُرز ہاتھ میں لیے ہوگا۔ وہ اس سے مُردے پر ضرب لگائے گا اور اس کی چیخیں جن و انس کے علاوہ مشرق و مغرب کے درمیان (سب مخلوقات) سنیں گی اور یہ فرشتے نہ کچھ دیکھیں گے اور نہ سنیں گے۔

اس کے بارے میں عرض ہے کہ قبر کا عذاب برحق ہے۔ اس کا ذکر قرآن کریم میں بھی ہے اور مستند احادیث میں بھی۔ یہ عذاب ہر شخص کے درجۂ ایمان اور اخلاص عمل کے مطابق ہر شخص پر مختلف ہوگا۔ قبر کی آوازوں کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ تم (مُردوں کو) دفن کرنا چھوڑ دو گے، تو میں

اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ میری طرح تمہیں بھی عذاب قبر سنا دے۔"

(کتاب الروح، از بخاری و مسلم)

معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (اور شاید تمام دوسرے انبیائے کرامؑ بھی) قبر کی آوازیں سنتے تھے۔ اللہ اکبر! یہ خوفناک آوازیں سننے کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ سے ہنس کر اور تبسم کے ساتھ ملتے تھے۔ یہ اُمت پر آپ کی انتہائی شفقت کا مظاہرہ ہے۔

قبر کے عذاب کو انسانوں سے خفیہ رکھنے میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ ایک حکمت تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی بیان فرما دی کہ اگر تم یہ آوازیں سنتے تو اپنے مُردوں کو تم دفنانا چھوڑ دیتے۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ اگر قبر کا عذاب دکھائی دیتا یا اس کی آوازیں سنائی دیتیں تو پھر کوئی بھی کفر نہ کرتا۔ سب انسان ایمان لے آتے۔ اس طرح ایمان بالغیب نہ رہتا۔

علامہ ابن قیمؒ نے بہت سے ایسے واقعات کا ذکر کیا ہے، جن میں لوگوں نے عذاب قبر کو مختلف صورتوں میں اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ یہ عبرت ناک واقعات دلوں میں لرزہ پیدا کر دیتے ہیں۔ صرف ایک واقعہ عرض کرتا ہوں۔ ابواسحاق اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں:

"مجھے ایک مردے کو غسل دینے کے لیے بلایا گیا۔ جب میں نے اس کے منہ سے چادر ہٹائی تو ایک موٹا سانپ اس کی گردن میں لپٹا ہوا دیکھا۔ آخر میں اسے بلا غسل کے چھوڑ کر چلا آیا۔" (ص:132) غالباً یہ شخص مسلمان ہوگا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ میں ولید بن عبدالملک (بادشاہ) کو قبر میں اتارنے والوں میں بھی شامل تھا۔ میں نے دیکھا کہ ان کے گھٹنے گردن سے لگ گئے تھے۔ ان کا بیٹا بولا: رب کعبہ کی قسم! میرے

والد اچھی حالت میں ہیں... میں نے کہا: رب کعبہ کی قسم! تمہارے والد کی دنیا ہی میں اچھی حالت گزر گئی۔'' (کتاب الروح: ص، 132)

اس طویل حدیث میں کافر کے بارے میں یہ بیان ہے کہ اس کی قبر اس کو دبوچتی ہے اور اس پر اتنی تنگ ہوتی ہے کہ اس کی پسلیاں اِدھر اُدھر ہو جاتی ہیں۔ بعض دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر کا یہ دبوچنا اور تنگ ہونا صرف کافر کے لیے خاص نہیں ہے، بلکہ مسلمانوں کو بھی یہ معاملہ پیش آتا ہے۔ چنانچہ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذؓ کے بارے میں فرمایا:

''قبر دبوچتی ہے۔ اگر اس سے نجات پاتے تو سعد بن معاذ نجات پاتے۔ یہ (سعدؓ) وہ ہیں، جن کے لیے عرش حرکت میں آگیا۔ آسمان کے دروازے کھول دیے گئے اور ستر ہزار فرشتوں نے ان کے لیے گواہی دی۔ قبر نے انہیں دبوچا۔ پھر چھوڑ دیا۔ (کتاب الرّوح: ص، 112 از نسائی شریف)

اس سے معلوم ہوا کہ ضغطۂ قبر یعنی قبر کا دبوچنا ہر مسلمان کو بھی ہوگا۔ جب حضرت سعد بن معاذؓ جیسے جلیل القدر صحابی اس سے نہیں بچے تو دوسرے مسلمانوں کا تو ذکر ہی کیا ہے؟ اس سے ان لوگوں کے اس خیال کا بھی جواب ہوگیا جو کہتے ہیں کہ قبر میں صرف روح پر عذاب ہوتا ہے، جسم پر نہیں۔ روح کی پسلیاں نہیں ہوتیں۔ یہ جسم کی پسلیاں ہیں جو دبائی جاتی ہیں۔ قبر کا عذاب روح اور جسم دونوں پر ہوتا ہے۔ اس کی تفصیلی دلائل قرآن وسنت میں جو آئے ہیں، وہ ناقابل تردید ہیں۔

قبر کے عذاب کے منکرین کہتے ہیں کہ بہت سے لوگوں کے جسم پانی میں بہہ جاتے ہیں۔ انہیں مچھلیاں کھا جاتی ہیں یا بت پرست اقوام ان کو جلا کر اس کی خاک ہوا میں اڑا دیتی ہیں۔ وہ تو قبر میں گئے ہی نہیں تو ان پر عذاب کہاں سے ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قبر اس گڑھے کا نام نہیں ہے، جس میں مردے کو دفن کیا

جاتا ہے۔ بلکہ یہ ایک مستقل جہان ہے۔ جس کو برزخ کہتے ہیں۔ قبر اس جہان کا دروازہ ہے۔ اس دنیا میں رنج و تکلیف پہلے جسم کو ہوتی ہے۔ پھر اس کے تحت روح بھی متاثر ہوتی ہے۔ برزخ کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ وہاں تکلیف براہِ راست روح کو ہوتی ہے اور روح کے تابع ہو کر جسم کو بھی ہوتی ہے۔ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے برزخ کو سمجھانے کے لیے اس کو نیند اور خواب سے تشبیہ دی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ وہ مردے کے جسم کے ذرات کو خواہ وہ کہیں بھی ہوں جمع کر کے جسم کی شکل دے اور ثواب یا عذاب میں اس کو شامل کر لے۔ قبر کا لفظ احادیث میں اس لیے استعمال ہوا ہے کہ عرب میں مسلمان، کافر اور منافق سب اپنے مُردوں کو زمین میں ہی دفناتے تھے۔

ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد فرشتے ملک الموت سے لے کر جو چیز آسمان پر لے جاتے ہیں، وہ کس چیز کو جنت کے کفن میں لپیٹ کر اور جنت کا لباس پہنا کر لے جاتے ہیں یا کافر کی روح کو دوزخ کا کفن یا لباس پہناتے ہیں؟ روح تو جسم نہیں ہے؟ اس کو کفن یا لباس میں کیسے قید کر سکتے ہیں؟ یہ سوال بھی حقیقت سے غفلت پر مبنی ہے۔ اس دنیا میں بھی تو روح ہمارے بدن کے لباس میں قید ہے اور موت تک قید رہتی ہے۔ پھر اگر فرشتے وہاں ایک خاص کفن اور لباس میں روح کو لپیٹ لیں تو اس میں کیا بات خلاف عقل ہے؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات خلاف عقل نہیں ہیں

ایک اصول یہ ذہن میں رہنا چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں فرمائی، جو خلاف عقل ہو۔ ہاں خلاف عادت ہو سکتی ہے۔ یعنی یہ ہو سکتا ہے کہ ہم کوئی واقعہ یا کوئی آواز ایسی سنیں، جو ہم نے پہلے کبھی نہ دیکھی ہو اور نہ

سی ہو اور چونکہ اس کی کوئی نظیر ہمیں اس دنیا میں نہیں ملتی تو لوگ غلطی سے ایسی بات کو خلاف عقل سمجھنے لگتے ہیں۔ اس کی وجہ ایک عقلی غلطی ہے۔ وہ یہ کہ لوگ کسی شے کی نظیر نہ ہونے کی وجہ سے اس کو خلاف عقل کہتے ہیں۔ نظیر ایک واقعہ ہے اور کوئی واقعہ دلیل نہیں بن سکتا۔

اس کو یوں سمجھئے کہ شب معراج میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی رات میں مسجد اقصیٰ اور ساتوں آسمانوں سے گزرتے ہوئے عرش پر پہنچے۔ حق تعالیٰ شانہ سے ہم کلام ہوئے۔ جنت اور دوزخ کا مشاہدہ کر کے واپس تشریف لے آئے۔ یہ ایک خلاف عادت واقعے کی نظیر ہے۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہنے لگے کہ میں اس پر اُس وقت تک یقین نہیں کروں گا جب تک آپ ایسا کوئی واقعہ تاریخ سے ثابت کریں۔ فرض کیجیے، اگر ایسا کوئی واقعہ تاریخ سے ثابت کر دیا جائے تو اس پر یقین کرنے کے لیے بھی یہ سوال ہوگا کہ اس کی کوئی نظیر دکھائی جائے اور یہ سلسلہ لامتناہی ہوگا۔ جو عقلاً سب کے نزدیک محال ہے۔ اس لیے نظیر کو یقین کا معیار نہیں بنایا جاسکتا۔

مرنے کے فوراً بعد

نزع کے بارے میں بعض شبہات کا جواب دیا جاچکا ہے۔ یہ شبہات عقلِ نارسا کی اولاد ہیں۔ ورنہ یہ ایسی اٹل حقیقت ہے، جس کا مشاہدہ ہمیں کثرت سے ہوتا ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ایک اور حدیث ملاحظہ کیجیے۔ اس میں کچھ نئی باتیں فرمائی گئی ہیں۔

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ علیہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (مرنے کے بعد) بندہ جب اپنی قبر میں رکھ دیا جاتا

ہے اور اس کے ساتھی (جنازے کے ساتھ آنے والے) واپس چل دیتے ہیں (اور وہ ابھی اتنے قریب ہوتے ہیں کہ) ان کی جوتیوں کی چاپ وہ سن رہا ہوتا ہے تو اسی وقت اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں۔ وہ اس کو بٹھاتے ہیں۔ پھر اس سے پوچھتے ہیں کہ تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے تھے؟ ان کا یہ سوال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہوتا ہے۔ پس جو سچا مومن ہوتا ہے، وہ کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور رسول برحق ہیں۔ فرشتے اس سے کہتے ہیں (ایمان نہ لانے کی صورت میں) دوزخ میں جو تمہاری جگہ ہونے والی تھی، ذرا اس کو دیکھ لو۔ اب اس کے بجائے اللہ نے تمہارے لیے جنت میں ایک جگہ عطا فرمائی ہے۔ (اور وہ یہ ہے) اس کو بھی دیکھ لو۔ (یعنی دوزخ اور جنت کے دونوں مقام اس کے آگے کر دیے جائیں گے) چنانچہ وہ دونوں کو ایک ساتھ دیکھے گا۔"

"اور جو منافق اور کافر ہوتا ہے تو اسی طرح (اس سے بھی مرنے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق) پوچھا جاتا ہے کہ اس شخص کے بارے میں تم کیا کہتے تھے؟ پس وہ منافق اور کافر کہتا ہے کہ میں ان کے بارے میں خود تو کچھ جانتا نہیں۔ دوسرے لوگ جو کہا کرتے تھے، وہی میں بھی کہتا تھا۔ (اس جواب پر) اس کو کہا جائے گا کہ تو نے نہ تو خود جانا اور نہ (جان کر ایمان لانے والوں کی) تو نے پیروی کی اور لوہے کے گرزوں سے اس کو مارا جائے گا، جس سے وہ اس طرح چیخے گا کہ کہ جن وانس کے علاوہ......اس کے پاس کی ہر چیز اس کا چیخنا سنے گی۔" (معارف الحدیث، جلد 1، ص: 195، از بخاری ومسلم)

اس حدیث میں کئی باتیں زائد ہیں، ان کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔

1-اس حدیث میں مردے سے صرف ایک سوال کا ذکر ہے۔ جبکہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ مردے سے تین سوال کیے جاتے ہیں۔ مولانا محمد منظور نعمانیؒ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اصل بات یہ ہے کہ یہ سوال (یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں) چونکہ باقی دونوں سوالوں پر بھی حاوی ہے اور اس کے جواب سے ان دونوں سوالوں کا جواب بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ یعنی تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ اور تیسرا یہ سوال جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہے۔ اس لیے بعض حدیثوں میں صرف ایک حصہ ذکر کر دیا جاتا ہے، قرآن وحدیث کا یہی طریقہ ہے کہ ایک واقعے کو کہیں تفصیل سے اور کہیں اس واقعے کے بعض اجزاء کا بیان کر دیا جاتا ہے۔

ایک اور اصولی بات یہ ذہن میں رہنی چاہیے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں تصنیفی مقالات نہیں ہیں، بلکہ عموماً مجلسی ارشادات ہیں۔ (جنہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے محفوظ کیا اور ان پر عمل اور یقین کیا۔ وہاں لکھنے پڑھنے کا رواج نہ ہونے کے برابر تھا) اس لیے ایسے ارشادات میں کبھی کسی بات کو پوری تفصیل سے بیان کرنا اور کبھی اس کے بعض اجزاء کا بیان کرنا بالکل صحیح اور فطری بات ہے۔

(معارف الحدیث، ج اول، ص:195)

اس حدیث کی تشریح میں آگے فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں بھی قبر کا ذکر آیا ہے اور اسی طرح بعض دوسری حدیثوں میں بھی قبر کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ سوال و جواب صرف ان ہی مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں، جو قبروں میں مدفون ہوتے ہیں۔ قبر سے مراد یہ خاص قبر نہیں ہے (پہلے اس کی وضاحت آچکی ہے) ہر مرنے والے سے یہ سوال و جواب ہوتا ہے، خواہ وہ جن ہو، دریا میں بہا دیا جائے، آگ میں جلا دیا جائے یا جانوروں کو کھلا دیا جائے۔ یہ سارا

معاملہ روح کے ساتھ ہوتا ہے۔ (ماخوذ از حوالہ بالا)

جنت یا دوزخ کے ٹھکانے

دوسری بات اس حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ مردہ مرنے کے بعد اس دنیا کی آوازیں سنتا ہے۔ قدموں کی چاپ اس کو سنائی دیتی ہیں۔ ممکن ہے، یہ قدموں کی چاپ صرف قبر میں دفن ہونے والوں کے ساتھ مخصوص ہو اور نہ بھی ہو تو مذکور وضاحتوں کے بعد اس پر کوئی اشکال نہیں رہتا۔

تیسرے ایک حقیقت اس حدیث سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ مردے کو ایک ساتھ اس کے جنت اور دوزخ کے ٹھکانے دکھائے جاتے ہیں، یعنی اگر مرنے والا مومن ہے تو اس کو دوزخ کا ٹھکانہ اسی لیے دکھایا جاتا ہے کہ اگر وہ کافر ہوتا تو دوزخ میں اس کا یہ ٹھکانہ ہوتا۔ اگر مرنے والا کافر ہے تو اس کو جنت کا وہ ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے کہ اگر وہ ایمان لاتا تو جنت میں اس کا یہ ٹھکانہ ہوتا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کا ایک ٹھکانہ جنت میں اور ایک ٹھکانہ دوزخ میں مخصوص کیا ہوا ہے۔ یہ بات ذیل کی حدیث سے اشارتاً معلوم ہوتی ہے۔

> ”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو کوئی مر جاتا ہے تو ہر صبح وشام اس کے سامنے اس کا ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے، اگر وہ جنتیوں میں سے ہے تو جنتیوں کے مقام میں سے اس کا مقام ہر صبح وشام اس کے سامنے کیا جاتا ہے۔ اگر مرنے والا دوزخی ہے تو دوزخیوں کے مقام میں سے اس کا ٹھکانہ اس کے سامنے کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ ہونے والا ہے تیرا مستقل

ٹھکانہ، جبکہ اللہ تجھے اپنی طرف اٹھائے گا قیامت کے دن۔'' (معارف الحدیث: از بخاری ومسلم)

اس حدیث سے یہ تو معلوم نہیں ہوتا کہ ہر شخص کے لیے جنت اور دوزخ میں الگ الگ مقام متعین ہیں، لیکن برزخ میں صبح وشام مومن کو جنت کا اور کافر کو دوزخ کا مستقل ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے۔ مولانا محمد منظور نعمانیؒ فرماتے ہیں کہ مومن کو برزخ میں اپنا مستقبل کا ٹھکانہ دیکھ کر صبح وشام جو غیر معمولی لذت محسوس ہوگی، اس کا اندازہ اس دنیا میں نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح کافر کو صبح وشام اپنا دوزخ کا ٹھکانہ دیکھ کر جو رنج وغم ہوگا، وہ بھی ناقابل بیان ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمیں جنت میں داخل فرمادے۔ آمین۔

منکر نکیر کی زبان کیا ہوگی؟

اکثر لوگ یہ بھی جاننا چاہتے ہیں کہ قبر یا برزخ میں منکر نکیر مردے سے جو سوال وجواب کریں گے، وہ کس زبان میں کریں گے؟ مرنے والوں کی تو بنی زبانیں مختلف ہوں گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو یہ تعلیم دی ہے کہ جب تم قبروں پر جاؤ تو ان پر سلام بھیجا کرو۔ وہ سلام کا جواب دیتے ہیں۔ بعض احادیث میں سلام کے الفاظ یہ ہیں۔

السلام علیکم یا اھل القبور، یغفر اللہ لنا ولکم.

انتم سلفنا ونحن بالاثر.

ترجمہ: ''اے قبر والو! تم پر سلام ہو۔ اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے۔ تم ہم سے آگے جانے والے ہو اور ہم تمہارے نقش قدم پر ہیں۔'' (یعنی ہم بھی جلد وہیں آنے والے ہیں)

ظاہر ہے کہ قبروں پر آنے والے لوگ یہ سلام عربی میں کرتے ہیں۔ ان کا
جواب بھی مردے عربی ہی میں دیں گے۔ منکر نکیر کے سوالات اور مردوں کے
جوابات بھی عربی میں ہوں گے۔ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ جنت کی زبان بھی
عربی ہوگی۔ یوں لگتا ہے کہ مرنے کے بعد اس دنیا کی تمام زبانیں سوائے عربی کے
ختم ہو جائیں گی۔ عالم نزع، عالم برزخ اور آخرت کی زبان تمام انسانوں کے لیے
عربی ہوگی۔

اگر کوئی شخص یہ شبہ کرے کہ عقلاً یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ بغیر کسی تعلیم کے
تمام انسان عربی میں باتیں کرنے لگیں، جبکہ نزع کے وقت سے چند منٹ پہلے اس کی
زبان عربی نہیں تھی۔ جان نکلتے ہی وہ عربی زبان کا ماہر ہو جائے؟ یہ شبہ بھی عقل کے
غلط استعمال ہی سے پیدا ہوا ہے، ورنہ خود اس دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ مرغی کا چوزہ
انڈے سے باہر آتے ہی اپنی زبان بولنے لگتا ہے۔ یہی حال بعض دوسرے
جانوروں کا ہے۔ انسان میں تو اللہ تعالیٰ نے جانوروں کے مقابلے میں بے شمار
سہولتیں رکھی ہیں۔ جس ذات نے انڈے کے اندر چوزے کو زبان سکھا دی، بلکہ چلنا
پھرنا بھی سکھا دیا۔ وہ اگر مردے کو عربی بولنے پر قادر کر دے تو اس میں کیا اشکال
ہو سکتا ہے؟

روحیں کس طرح پہچانی جاتی ہیں؟

ایک دلچسپ سوال علمائے کرام کے درمیان یہ زیر بحث رہا ہے کہ پہچان کا
ذریعہ جسم ہوتا ہے، ہم لوگوں کو ان کے چہرے بشرے دیکھ کر پہچانتے ہیں، لیکن
روحوں کا جسم نہیں ہوتا، یعنی ایسا جسم نہیں ہوتا، جو نظر آنے والا ہو اور احادیث سے
ثابت ہے کہ جسم سے جدا ہونے کے بعد روحیں آپس میں ملتی ہیں، ان کی کوئی شکل

وصورت نہیں ہوتی تو پہچان کیسے ہوتی ہے؟

علامہ حافظ ابن قیمؒ نے اپنی کتاب الروح میں اس مسئلے پر مستقل ایک باب قائم کیا ہے اور شروع میں لکھا ہے کہ ''اس مسئلہ پر غالباً آج تک کسی نے روشنی نہیں ڈالی اور نہ کسی کتاب میں کوئی مفید یا غیر مفید مضمون لکھا گیا۔''

اس کے بعد انہوں نے روح کے بارے میں مختلف نظریات رکھنے والوں کی رائے کا جائزہ لیا ہے۔ مثلاً جو لوگ روح کو غیر مادی مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ روحیں نہ عالم کے اندر ہیں، نہ باہر۔ ان کے نزدیک جسم کے بغیر روحوں میں کوئی باہمی امتیاز نہیں ہوتا اور نہ روحیں آپس میں ملاقات کرتی ہیں، بلکہ ان کا وجود ہی ختم ہو جاتا ہے۔

لیکن اہل سنت کے اصول پر ان کی یہ رائے درست نہیں ہے، بلکہ روحیں آپس میں ایک دوسرے سے ممتاز بھی ہیں اور اپنا تشخص بھی رکھتی ہیں۔ اس لیے ان کی آپس میں ملاقاتیں بھی ہوتی ہیں علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ روحوں کے امتیاز وتشخص پر قرآن وحدیث سے اور عقل وقیاس سے سو سے زیادہ دلائل قائم ہیں اور انہوں نے اپنی کتاب معرفۃ الروح والنفس میں اس پر تفصیل سے کلام کیا ہے۔ (کتاب الروح، ص:90)

پچھلی احادیث سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ روحیں جسم سے جدا ہونے کے بعد کفن اور لباس میں لپیٹ کر اوپر لے جائی جاتی ہیں۔ ان کے نام پوچھے جاتے ہیں۔ پھر انہیں جسموں میں لوٹایا جاتا ہے۔ یہ سب باتیں بغیر امتیاز کے درست نہیں ہو سکتیں۔ شب معراج میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ، حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہم السلام سے ملاقاتیں کیں، جبکہ ان کے اجسام قبروں میں موجود تھے۔ یہ سب اس بات کے شواہد ہیں کہ روحوں میں امتیاز اور تشخص ہوتا ہے۔

انسانی جسم روح کا قالب ہے۔ یہ اس جسم میں رحم مادر سے موت تک رہتی ہے
اور جسم کے ساتھ ساتھ وہی سائز اور صورت اختیار کرتی رہتی ہے، جو جسم اختیار کر
ہے۔ اس طویل رفاقت کی وجہ سے روح جسم کی شبیہ حاصل کر لیتی ہے۔ جیسے کسی خا
بوتل میں ہوا بوتل کی شکل میں ہوتی ہے، جبکہ روح ہوا سے زیادہ لطیف ہوتی ہے او
فرشتے بھی لطیف وجود رکھتے ہیں۔ اس لیے فرشتے روح کو پکڑ کر اسے کفن ولباس
میں لپیٹ لیتے ہیں۔

ایک حادثہ

اس سے پہلے کہ عالم برزخ پر مزید گفتگو کی جائے، اچانک میرے ماموں زا
بھائی جناب اقبال کریم کے انتقال کی خبر اس وقت ملی جب میں یہ تحریر لکھ رہا تھا۔
تینوں بھائیوں سے مرحوم کا رشتے کا تو تعلق تھا ہی، لیکن ان سے بے تکلف دوستی
بھی تعلق تھا۔ بیمار تو وہ عرصے سے چل رہے تھے۔ لیکن موت سے صرف چند گھنٹے پہ
میرے پوتے اور پوتی ان سے مل کر آئے تھے۔ اور ان کی حالت پہلے سے بہ
بتا رہے تھے۔ اس اچانک خبر سے دل و دماغ پر غیر معمولی اثر ہوا۔

رات کو ڈھائی بجے یہ حادثہ ہوا۔ مجھے فجر میں اس کی اطلاع ملی۔ ظہر میں نم
جنازہ تھی۔ جنازے کو کندھا دیتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ میرا یہ مسکین بھائی ا
زندگی گزار کر رخصت ہوا کہ اس نے اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہیں دی۔ یہ اتوا
دن تھا۔ عزیز واقارب کو یہ تکلیف بھی نہیں دی کہ وہ اپنے دفتر اور کاروبار چھوڑ
جنازے اور تدفین میں شریک ہوں۔ انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ مجھے کلمہ پڑھوا
اس نے تعمیل کی اور چند لمحوں بعد انہوں نے ہمیشہ کیلئے آنکھیں بند کر لیں۔ انا للہ وانا ا
راجعون۔ ظاہری آنکھیں تو بند ہو گئیں۔ مگر اصلی آنکھیں تو اب کھلی ہیں۔

راقم نے اپنی نگرانی میں ان کو قبر میں اتارا۔ جو برزخ کا دروازہ ہے اور قبر کے سرہانے سورۂ بقرہ کا پہلا رکوع اور پائنتی پر سورۂ بقرۂ کا آخری رکوع پڑھ کر ان کو اللہ کے حوالے کیا۔ واپس ہوتے ہوئے مجھے وہ حدیث یاد آ گئی، جو میں نے پہلے نقل کی ہے کہ مردہ قبر میں اپنے عزیز و اقارب کے قدموں کی چاپ سنتا ہے۔ فاتحہ پڑھ کر جب ہم جانے لگے تو میرے سامنے ان کا پرنور چہرہ آ گیا۔ یوں لگا، جیسے کہہ رہے ہوں کہ

شکریہ، اے قبر تک پہنچانے والو! شکریہ
اب اکیلے ہی چلے جائیں گے اس منزل سے ہم

یہ حادثہ 8 اور 9 نومبر 2014ء کی درمیانی شب میں پیش آیا۔

قبر پر سورۂ بقرہ کی تلاوت

قارئین کو ممکن ہے، اس پر کوئی سوال پیدا ہو کہ قبر کے سرہانے اور پائنتی پر سورۂ بقرہ کے پہلے اور آخری رکوع کی تلاوت کی کیا اصل ہے؟ یہ کوئی بدعت تو نہیں؟

علامہ حافظ ابن قیمؒ نے اپنی کتاب الروح میں بہت سی روایات اور واقعات نقل کر کے ثابت کیا ہے کہ قبر پر تلاوت قرآن کرنے سے مردوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ چنانچہ چند روایات مختصراً نقل کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں: ''سلف (بزرگان دین) کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ انہوں نے وصیت کی کہ دفن کے بعد ان کی قبر کے پاس قرآن پڑھا جائے۔'' دوسری روایت ہے:

''عباس دوری کا کہنا ہے کہ میں نے امام احمدؒ سے پوچھا:
قبر پر قرأت کے بارے میں کوئی روایت محفوظ ہے؟ فرمایا: نہیں اور یحیٰی بن معینؒ سے پوچھا تو انہوں نے یہ حدیث بیان کی، علی بن موسیٰ الحداد

سے۔ ''میں احمد بن حنبلؒ اور محمد بن قدامہؒ کے ساتھ ایک جنازے میں شریک تھا۔ عبدالرحمٰن بن العلاء نے اپنے والد کے حوالے سے یہ خبر دی کہ انہوں نے وصیت کی تھی کہ دفن کرنے کے بعد ان کے سرہانے پر بقرہ کا ابتدائی اور آخری روع پڑھا جائے اور فرمایا تھا کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے سنا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی وصیت کی تھی۔''

اس کے بعد علامہ حافظ ابن قیمؒ نے ایک عجیب خواب کا واقعہ بیان فرمایا ہے، فرماتے ہیں:

''ایک شخص اپنی والدہ کی قبر پر جا کر ہر جمعہ کو سورۃ یٰسین پڑھا کرتا تھا۔ ایک دن سورۂ یٰسین پڑھ کر اس نے دعا مانگی کہ اے اللہ! اگر تیرے نزدیک اس سورۃ سے ثواب ملتا ہے تو اس قبرستان کے مردوں کو ثواب پہنچا۔ اگلے جمعہ کو اس کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے پوچھا کہ کیا تم فلاں بن فلاں ہو؟ بولا ہاں، اس نے کہا میری ایک بچی فوت ہوگئی ہے، میں نے اسے خواب میں دیکھا کہ اپنی قبر کے کنارے پر بیٹھی ہوئی ہے، میں نے پوچھا: یہاں کیوں بیٹھی ہو؟ اس نے آپ کا نام لے کر کہا کہ وہ اپنی والدہ کی قبر پر آئے اور سورۃ یٰسین پڑھ کر اس کا ثواب عام مردوں کو بخش گئے۔ اس میں سے کچھ ثواب ہمیں بھی ملا یا ہمیں بخش دیا گیا یا اس جیسا کوئی جملہ بولا۔'' (کتاب الروح، ص: 47)

ان روایات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مُردوں کو قرآن کریم کی تلاوت کا ثواب ملتا ہے۔ سورۂ بقرہ کے اول اور آخر رکوع کی وصیت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ علیہ سے بھی اوپر منقول ہے۔ البتہ اس میں صرف سرہانے پڑھے جانے کا ذکر ہے، پائنتی پر پڑھنے کا ذکر نہیں ہے، لیکن راقم نے اپنے بزرگوں کو دیکھا

کہ وہ پہلا رکوع سرہانے اور آخری رکوع پاؤں کی جانب پڑھا کرتے تھے۔

جس عورت کے خواب کا ذکر اوپر آیا ہے، اس کا علامہ موصوفؒ نے کوئی حوالہ نہیں دیا ہے، لیکن ان معاملات میں خود ان کا نام ہی کافی حوالہ ہے۔

نزع کے وقت تلقین

اسی کتاب میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے:

''رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے مردوں کے پاس یٰسین پڑھو۔'' اس کے دو معنی ہیں، یعنی مرنے والوں کے پاس پڑھو یا ان کی قبروں پر پڑھو۔ لیکن پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں، کیونکہ اس کی نظیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ ''اپنے مردوں (یعنی مرنے والوں) کو کلمہ طیبہ کی تلقین کرو۔'' علاوہ ازیں، مرنے والوں کو اس سے فائدہ ہوتا ہے، کیونکہ اس میں اہل ایمان کے لیے جنت کی بشارت ہے۔'' (حوالہ بالا، ص: 48)

نزع کے وقت آدمی سخت جان کنی کی حالت میں ہوتا ہے، اس وقت اس کے پاس بیٹھ کر کلمہ توحید کی تلقین کرنے سے اس کی روح میں حق تعالیٰ شانہ سے ملاقات کا شوق پیدا ہوتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات پسند فرماتے ہیں، لیکن اس تلقین کے بھی کچھ آداب ہیں۔ تلقین کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ مرنے والے کے پاس درمیانی آواز میں خود کلمہ توحید پڑھتے رہیں۔ اس کو مخاطب کر کے اس سے نہ کہیں کہ اے فلاں کلمہ طیبہ پڑھو، اس کا مقصد اس کے اس کڑے وقت میں اس کے قلب و ذہن کو ذکر اللہ کی طرف متوجہ کرنا ہوتا ہے، تا کہ اس کی آخری سانسیں کلمہ یا سورۂ یٰسین سنتے سنتے ختم ہوں۔

سورۂ یٰسین قرآن کریم کا دل ہے۔ علامہ موصوفؒ فرماتے ہیں کہ پرانے

زمانے سے یہ عادت چلی آرہی ہے کہ مرنے والے کے پاس سورۃ یٰسین پڑھا کرتے
ہیں۔ الحمدللہ! ہمارے یہاں بھی یہ سنت جاری ہے کہ دین دار لوگ مرنے والے کے
پاس سورۃ یٰسین کی تلاوت کرتے ہیں۔ راقم کو یاد ہے کہ جب 1976ء میں والد
ماجد حضرت مفتی شفیع رحمۃ اللہ علیہ کا آخری وقت آیا، اس وقت وہ کارڈیولوجیکل
اسپتال کراچی کے آئی سی یو میں تھے۔ ڈاکٹر اسلم نے جو ان کے معالج تھے، جب
دیکھا کہ وقت قریب ہے تو ہم بھائیوں کو اندر بلالیا۔ راقم نے سورۂ یٰسین پڑھنی شروع
کی، ابھی ایک دو رکوع ہی پڑھے تھے کہ وہ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

کتاب الروح میں حافظ محمد عبدالحق اشبیلیؒ کے حوالے سے یہ حدیث نقل کی
ہے کہ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنی جان پہچان کے کسی
مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے اور اسے سلام کرتا ہے تو وہ اسے یقیناً
پہچان لیتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ اگر اجنبی پر سلام کرتا ہے، تو وہ بھی اس کے سلام کا
جواب دیتا ہے۔ دوسری حدیث میں فرمایا کہ جو شخص مسلمان بھائی کی قبر کی زیارت
کرتا ہے اور اس کے پاس بیٹھتا ہے، تو جب تک وہ اٹھتا نہیں، وہ اس سے مانوس
رہتا ہے۔ حافظ (اشبیلی) صاحبؒ نے یہ دلیل دی ہے کہ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا کہ جو مجھ پر سلام کرتا ہے، اللہ میری روح لوٹا دیتا ہے، یہاں تک کہ
میں اس کے سلام کا جواب دے دیتا ہوں۔

اوپر جس عورت کا مدفون بچی کو خواب میں دیکھنے کا واقعہ بیان کیا ہے، اس میں
بچی نے اس شخص کا نام بھی بیان کیا ہے، اگرچہ خواب کسی بات کی دلیل نہیں بن سکتا
مگر اس خواب میں اس شخص کی دعا کی تصدیق ہوئی کہ اس نے اہل قبرستان کو ثواب
پہنچانے کی دعا کی تھی۔ اس لیے کچھ بعید نہیں کہ قبر پر آنے والے کو جب مرنے والے

پہچانتے ہیں اور اجنبی کو بھی سلام کا جواب دیتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ان کے نام بھی ان کو بتا دیتے ہوں۔ اس قسم کے کئی واقعات علامہ موصوفؒ نے اپنی کتاب میں نقل کیے ہیں، جن سے مردوں کا مرنے کے بعد اپنے عزیزوں سے تعلق ثابت ہوتا ہے۔

ایسے تعلق کا ایک عجیب واقعہ خود میرے بھانجے حکیم مشرف حسین مرحوم کا پیش آیا۔ وہ بڑے حاذق حکیم تھے اور نہایت بذلہ سنج اور ذہین آدمی تھے۔ میرے بھائی مفتی محمد تقی عثمانی کے ہم سبق تھے اور عالم دین تھے۔ گردوں کے فیل ہونے سے ان کا انتقال ہوا۔ ان کی بیوہ پر سخت غم کی کیفیت طاری تھی اور فوری پریشانی یہ تھی کہ ان کو شوہر یہ نہیں بتا سکے کہ ان کے پاس کتنی رقم ہے اور کہاں ہے؟ وہ بینک میں اپنا پیسہ کبھی نہیں رکھتے تھے، ان کی بیوی سخت پریشان تھی کہ گھر کا خرچ کیسے چلائیں۔

ایک رات وہ رات کو لیٹیں۔ خواب میں دیکھا کہ وہ ان سے کہہ رہے ہیں کہ فلاں مچان پر فلاں چیز کے نیچے اتنے روپے رکھے ہوئے ہیں، وہ لے لو اور پریشان مت ہو۔ چنانچہ ان کا بیان ہے کہ ٹھیک اسی جگہ سے ان کی نقد رقم رکھی ہوئی ملی، جو لاکھوں میں تھی، حلال کا پیسہ تھا، اس کی حفاظت من جانب اللہ بھی کی جاتی ہے۔

حضرت صعب رضی اللہ عنہ اور حضرت عوف رضی اللہ عنہ کے بارے میں علامہ موصوفؒ نے لکھا ہے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو بھائی سمجھتے تھے۔ (مصنف نے حضرت عوف رضی اللہ عنہ کے بارے میں تو وضاحت کی ہے کہ وہ صحابی تھے، مگر حضرت صعب کے بارے میں کچھ نہیں لکھا۔ طرز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی صحابی تھے) حضرت صعب رضی اللہ عنہ حضرت عوف سے پہلے انتقال فرما گئے تھے، دونوں کو یقین تھا کہ ہم میں سے جو پہلے مرجائے گا، وہ دوسرے سے خواب میں ملاقات کیا کریں گے۔ چنانچہ حضرت عوف رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت صعب رضی اللہ عنہ آئے ہیں۔ میں نے ان کی گردن پر ایک سیاہ دھبہ دیکھ کر

پوچھا کہ یہ دھبہ کیسا ہے؟ بولے: یہ دس دینار ہیں، جو میں نے فلاں یہودی سے قرض لیے تھے۔ وہ میرے پاس جو سینگ تھا۔ اس میں ہیں، وہ نکال کر اسے دے دو۔ صبح اٹھ کر میں یہودی کے پاس گیا اور پوچھا کہ تمہارا (حضرت) صعب رضی اللہ عنہ کے ذمے کوئی قرض تھا؟ اس نے کہا کہ ہاں۔ میں نے وہ قرض ان کو معاف کر دیا۔ پھر میں حضرت صعب رضی اللہ عنہ کے گھر گیا اور پوچھا کہ ان کا کوئی سینگ ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ پھر وہ سینگ منگایا گیا، اس میں دس دینار رکھے ہوئے ملے۔ وہ گھر والوں کی اجازت سے یہودی کو لوٹا دیے۔ اس طرح خواب کی دونوں باتیں سچ نکلیں۔ (حوالہ بالا، ص: 51)

ایصالِ ثواب کا مسئلہ

علمائے محدثین اور فقہائے کرام کے درمیان یہ مسئلہ بہت زیادہ زیر بحث رہا ہے کہ کیا زندہ لوگوں کے اعمال اور صدقات وخیرات کا ثواب مُردہ لوگوں کو پہنچتا ہے یا نہیں؟ اس کے ذیل میں علما کے درمیان دلائل کا طویل سلسلہ کتابوں میں ملتا ہے۔ ہم یہاں مختصر طور پر چند دلائل کا ذکر کر کے جمہور علما کا مسلک بیان کریں گے۔

علما کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ مردے کو دعائے استغفار، صدقہ، حج وغیرہ کا ثواب پہنچتا ہے۔ علامہ ابن قیمؒ نے اس رائے کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس پر ”فقہاء، محدثین اور علمائے تفسیر کا اتفاق ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ عمل کا ثواب پہنچتا ہے یا خرچ کا بھی؟ جمہور کے نزدیک نفس عمل کا ثواب پہنچتا ہے اور بعض حنفیہ کے نزدیک خرچ کا بھی۔“ (کتاب الروح، ص 198)

آگے چل کر علامہ ابن قیمؒ نے ان لوگوں کا پر زور رد کیا ہے، جو کہتے ہیں کہ مُردے کو نہ دعا کا ثواب پہنچتا ہے اور نہ کسی اور عمل کا۔ وہ فرماتے ہیں:

''بعض متکلم بدعتی کہتے ہیں کہ مُردے کو نہ دعا کا ثواب پہنچتا ہے اور نہ کسی اور عمل کا، مگر صحیح احادیث کی رو سے یہ قطعی غلط ہے۔ (عمل کے) ثواب پہنچنے کی دلیل، رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ مرنے کے بعد انسان کا عمل کٹ جاتا ہے۔ ہاں، تین عمل باقی رہتے ہیں۔ صدقۂ جاریہ، یا علم جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچ رہا ہو۔ یا نیک اولاد جو اس کے لیے دعائیں مانگتی رہتی ہے۔ (مسلم)

اس حدیث سے تینوں اعمال یعنی دعا، علم اور نیک اولاد کے عمل کا مُردے کو ثواب ملنا ثابت ہے۔ ایک شخص نے مسجد بنائی یا اسپتال قائم کیا کہ فلاحی بنیادوں پر لوگ اس سے فائدہ حاصل کریں یا کسی نے علم دین کی تدریس وتبلیغ کا ادارہ قائم کیا یا کسی نے کتابیں لکھیں کہ اس کے مرنے کے بعد لوگوں کو علم دین حاصل ہو۔ ان سب کاموں کا ثواب ملنا اوپر والی حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔

''اس کے علاوہ کسی شخص نے کوئی نیک رواج قائم کیا، جس پر عمل کر کے لوگ ثواب حاصل کرتے ہیں۔ (مثلاً کسی متروک سنت کو زندہ کیا) اس کا ثواب اسے ملے گا اور اس کے بعد تمام عمل کرنے والوں کا ثواب بھی ملے گا اور عمل کرنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ یہی حال بُرے کاموں کا بھی ہے۔'' (صحیح مسلم)

البتہ علامہ موصوف نے تینوں اعمال یعنی صدقۂ جاریہ، دعا اور علم کے بارے میں فرمایا کہ یہ مرنے والے ہی کے عمل ہیں، کیونکہ وہی ان کا سبب بنا تھا۔ صدقۂ جاریہ اس نے اپنی زندگی میں کیا تھا، نیک اولاد کی تعلیم وتربیت اسی نے کی تھی۔ علم کی تبلیغ وتدریس اسی نے کی تھی۔ اگرچہ علامہؒ نے زندوں کے عمل کے ایصال ثواب کی نفی نہیں کی۔ مگر اس تحریر سے یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ وہ زندوں کے عمل کے ثواب پہنچنے کے قائل نہیں ہیں۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ وہ اس کے بھی پرزور حامی ہیں۔ جیسا کہ آگے ان شاء اللہ ان کے دلائل نقل ہوں گے۔ قرآن کریم میں اُن لوگوں کی یہ دعا

آئی ہے، جو مہاجرین وانصار کے بعد دنیا میں آئے۔ارشاد ہے:

وَ الَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ(۱۰)

ترجمہ: ''وہ یہ کہتے ہیں کہ''اے ہمارے پروردگار! ہماری بھی مغفرت فرمایئے اور ہمارے ان بھائیوں کی بھی جو ہم سے پہلے ایمان لاچکے۔اور ہمارے دلوں میں ایمان لانے والوں کے لیے کوئی بغض نہ رکھیے۔ اے ہمارے پروردگار! آپ بہت شفیق ہیں۔بہت مہربان ہیں۔''

(سورۃ الحشر، آیت:10)

فرماتے ہیں: اس آیت میں پہلے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے حق میں دعائیں مانگنے والوں کی تعریف کی۔اس سے معلوم ہوا کہ مُردوں کو زندہ لوگوں کی دعاؤں سے فائدہ پہنچتا ہے۔(کیونکہ مہاجرین وانصار ان لوگوں سے پہلے وصال فرماچکے تھے)

اس کے بعد بھی علامہؒ نے یہ نتیجہ نکالا کہ سبقت کرنے والوں (پہلے ایمان والوں) نے ایمان لاکر ایمان کی سنت نکالی تھی۔اس لیے یہ بھی ان کا ہی عمل بن جاتا ہے۔(یعنی اس صورت میں بھی یہ زندوں کا عمل ہے) لیکن چونکہ جنازے کی نماز میں مُردے کے لیے دعا مانگی جاتی ہے اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ اس سے مُردے کو فائدہ پہنچتا ہے۔اس لیے معلوم ہوا کہ دعا کا فائدہ یقینی ہے۔(حوالہ بالا)

ظاہر ہے کہ نماز جنازہ صرف زندہ لوگوں کا عمل اور دعا ہے۔اس میں یہ تاویل ممکن نہیں ہے کہ کسی طرح بھی اس کو مردے کا عمل قرار دیا جائے۔اس کے علاوہ صدقۂ جاریہ اور اشاعت تصنیف وتالیف وغیرہ اگرچہ مُردے نے اپنی زندگی میں

انجام دیے تھے۔ لیکن ان کا فائدہ صرف اسی صورت میں مُردے کو پہنچے گا جبکہ صدقۂ جاریہ سے لوگ فائدہ اٹھائیں۔

فرض کیجیے کہ جس شخص نے صدقۂ جاریہ کے لیے عمل کیا، مگر وہ مرنے سے پہلے ایمان سے محروم ہو گیا تو اس کا یہ عمل ضائع ہو جائے گا۔ کیونکہ ثواب کے عمل کے لیے ایمان شرط ہے۔ اگرچہ ایسا نہ ہو، مگر اس کے امکان سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے صدقۂ جاریہ اور تصنیف و تالیف اور مال کے خرچ کا ثواب زندہ لوگوں کا ہی عمل قرار دیا جائے گا۔ کیونکہ حدیث میں اوپر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ نقل کیے گئے ہیں کہ ''مرنے کے بعد انسان کا عمل کٹ جاتا ہے، ہاں تین عمل باقی رہتے ہیں۔'' اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ تینوں عمل یعنی صدقۂ جاریہ، علم اور نیک اولاد زندوں ہی کا عمل ہیں۔ ان کو مُردوں کا عمل قرار دینا تکلف سے خالی نہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازے پر یہ دعا مانگی:

''اے اللہ! فلاں ابن فلاں تیری حفاظت میں ہے۔ تیرے پڑوس سے وابستہ ہے۔ اسے قبر کی آزمائش اور جہنم کے عذاب سے بچا۔ تیرا وعدہ سچا ہے۔ لہٰذا اسے بخش دے۔ اس پر رحم فرما۔ بے شک تو بڑا ہی مہربان اور انتہائی بخشنے والا ہے۔'' (حوالہ بالا، از سنن)

آگے فرماتے ہیں: ''چنانچہ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم دفن کے بعد قبر کے پاس کھڑے ہو کر فرماتے کہ اپنے بھائی کی ثابت قدمی کے لیے دعا مانگو۔ کیونکہ اب اس سے سوال ہو رہا ہے۔ اسی طرح قبروں کی زیارت کے وقت مُردوں کے لیے دعائیں مانگنے کا یہی مقصد ہے۔ چنانچہ قبرستان جاتے وقت یہ دعا بتائی گئی۔

ترجمہ: ''اے اس دیار کے مسلمانو! تم پر سلامتی ہو، ان شاء اللہ ہم بھی تمہارے پاس آنے والے ہیں۔ ہم اللہ سے اپنے اور تمہارے لیے عافیت

کے خواست گار ہیں۔'' (حوالۂ مذکور، ص 200)

مُردوں کو مالی صدقے کا ثواب بھی ملتا ہے

ایک شخص نے رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر عرض کیا کہ میری والدہ اچانک فوت ہو گئیں اور وصیت نہ کر سکیں۔ میرا خیال ہے اگر انہیں بات کرنے کا موقع ملتا تو صدقہ ضرور کرتیں، اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کر دوں تو کیا انہیں ثواب پہنچے گا؟ فرمایا، ''ہاں''

حضرت سعد بن معاذؓ کی والدہ فوت ہو گئیں۔ انہوں نے بارگاہِ رسالتؐ میں عرض کیا: ''اگر میں اپنی والدہ کی طرف سے صدقہ کر دوں تو کیا انہیں فائدہ پہنچے گا؟'' فرمایا، ''ہاں'' انہوں نے کہا اچھا میں آپ کو گواہ بناتا ہوں، میں نے اپنا باغ ان کی طرف سے صدقہ دے دیا۔ (کتاب الروح، ص 20 از بخاری شریف)

اس کے علاوہ مرنے والے کی طرف سے حج بدل کرنے کا حکم جاری و ساری ہے۔ اگر کسی شخص نے اپنا فرض حج ادا نہ کیا ہو تو اس کی طرف سے حج بدل ادا کرنے سے مرنے والے سے حج ساقط ہو جاتا ہے۔

یہی معاملہ مرنے والے کے قرض کا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنا قرض ادا کیے بغیر انتقال کر جائے اور کوئی اس کے ذاتی مال سے قرض ادا کر دے تو ادا ہو جائے گا۔ اگرچہ کوئی اجنبی ہی اپنی طرف سے ادا کر دے۔ یہ بات صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ قرض دار مرنے والے کی روح معلق رہتی ہے اور اسے آسمان کے اوپر نہیں لے جایا جاتا۔ جب تک اس کا قرض ادا نہ ہو جائے۔

''ابوقتادہؓ کی حدیث میں ہے کہ وہ مُردے کی طرف سے دو دیناروں کے

ضامن بن گئے تھے۔ جب انہوں نے ادا کر دیے تو فرمایا، اب اسے چین ملا ہے۔''

(حوالہٗ بالا)

اس کے علاوہ ایصال ثواب ایک حسنِ سلوک ہے اور ایک قسم کا احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ حسن سلوک کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اس دنیا میں اگر آپ کسی غریب کی مالی مدد کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اسے اس کا سات سو گنا اور جس کے لیے چاہیں، اس سے بھی زیادہ اجر عطا فرماتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اس شخص سے بہت خوش ہوتے ہیں، جو اس کے بندوں کے ساتھ زیادہ حسن سلوک کرے۔

اب سوچئے کہ جب اللہ تعالیٰ پیاسے کو پانی کا ایک گھونٹ، بھوکے کو روٹی کا ایک ٹکڑا یا دودھ دینے والوں سے خوش ہوتا ہے تو ان لوگوں سے اور زیادہ خوش ہوگا اور محبت کرے گا جو مرنے والوں کو جب کہ اب وہ عمل کرنے سے قاصر ہیں اور سخت حاجت مند ہیں۔ ان کو فائدہ پہنچائیں۔

یہ ایک عقلی مسئلہ ہے۔ ثواب پہنچانے والا اپنے ایک حاجت مند کو ہدیہ بھیجتا ہے تو اس میں کیا رکاوٹ ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی مرنے والوں کے لیے دعائیں فرماتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو بھی ایسی دعاؤں کی تعلیم دی ہے، جن سے مرنے والوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ بعض بزرگان دین سے حافظ ابن قیمؒ نے یہ دعا نقل کی ہے۔ بعض سلف (بزرگان دین) کہتے ہیں کہ جس نے روزانہ ستر (70) مرتبہ دعا کی تو اسے تمام مسلمانوں کے برابر ثواب ملے گا۔ دعا یہ ہے:

رَبِّ اغفِرلِی وَلِوَالِدَیَّ وَلِلمُسلِمِینَ
وَالمُسلِمَاتِ وَللمُؤمِنِینَ وَالمُومِنات.

ترجمہ: ''اے پروردگار! میری، میرے ماں باپ کی اور تمام مسلمان

مردوں اور عورتوں کی مغفرت فرما دے۔" (حوالہ بالا، ص 220)

ہمارے یہاں ایک جماعت جو خود کو سلف کی متبع سمجھتی ہے، ان کے اکثر حضرات مرنے والوں کو ایصال ثواب کے قائل نہیں ہیں۔ مذکورہ بالا احادیث میں سے اکثر حافظ ابن قیمؒ سے منقول ہیں اور انہوں نے علامہ ابن تیمیہؒ کا بھی یہی مسلک بیان فرمایا ہے اور یہ حضرات ان دونوں بزرگوں کو اپنا امام مانتے ہیں۔ اس لیے اس مضمون میں ان حضرات کے لیے یہ دعوت ہے کہ وہ احادیث ہی کی روشنی میں اپنی اس رائے پر للہیت کے جذبے سے نظر ثانی کریں اور اپنے عزیزوں اور بزرگوں کو اپنے نیک اعمال کے ثواب سے محروم نہ کریں۔

آخر میں عرض کر دوں کہ ان مضامین کا مقصد نہ کسی مسلک پر تنقید ہے اور نہ تنقیص۔ قرآن وسنت میں موت اور بعد الموت کی کثرت بھی ترغیب و ترہیب ہے۔ ان کا مقصد محض ان کا علم حاصل کرنا نہیں، بلکہ ان پر یقین کر کے اپنے عمل کی اصلاح کرنا ہے۔ حضرات صحابہ کرامؓ کا یہی طریقہ تھا، وہ جو بھی سوال کرتے تھے، عمل کے لیے کرتے تھے۔

چنانچہ حضرت عثمان غنیؓ کے متعلق ایک روایت ہے (ان کا یہ حال تھا) کہ جب وہ کسی قبر کے پاس کھڑے ہوتے تو بہت روتے۔ یہاں تک کہ آنسوؤں سے ان کی داڑھی تر ہو جاتی۔ ان سے پوچھا گیا (یہ کیا بات ہے) کہ آپ جنت و دوزخ کو یاد کرتے ہیں تو (اتنا) نہیں روتے اور قبر کی وجہ سے اس قدر روتے ہیں؟ آپؓ نے جواب دیا، "میں نے سنا ہے کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے، پس اگر بندہ اس سے نجات پا گیا تو آگے کی منزلیں اس سے زیادہ آسان ہیں اور اگر بندہ قبر کی منزل سے نجات نہ پا سکا تو اس کے بعد کی منزلیں اس سے زیادہ سخت اور کٹھن ہیں۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ

بھی فرماتے تھے کہ، ''نہیں دیکھا میں نے کوئی منظر مگر یہ کہ قبر کا منظر اس سے زیادہ خوفناک اور شدید ہے۔(معارف الحدیث: ج 1، ص 197، از ترمذی وابن ماجہ)

حضرت عثمان غنیؓ وہ صحابی ہیں، جن کو ان کی زندگی میں جنت کی بشارت دے دی گئی تھی اور اسلام لانے کے بعد انہوں نے اپنی پوری زندگی اتباع سنت کے لیے وقف کر دی تھی اور اپنا سب سے زیادہ مال اسلام اور مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا تھا۔ان کا یہ حال تمام مسلمانوں کے لیے نمونۂ عمل ہے۔آخرت کی فکر ہی کامیابی اور نجات کا واحد ذریعہ ہے۔(وما توفیقی الا باللہ)

شروع میں دی گئی، سوالوں کی فہرست کے کئی سوالوں کے جوابات یہاں تکرار سے بچنے کیلئے نہیں دیئے جا رہے ہیں۔ کیونکہ ان سوالوں کا جواب آئندہ اوراق میں تفصیل کے ساتھ آ رہا ہے۔

دسواں باب

قیامت کیسے آئے گی؟

☆ قیامت اچانک آئے گی

☆ صور کیا چیز ہے؟

☆ نفخہ اولٰی کے واقعات

☆ قیامت کا دن کتنا طویل ہوگا؟

☆ زندگی کی تبدیلی کیا ہے؟

☆ کس حال میں حشر ہوگا؟

☆ مومنین کو اللہ تعالٰی کا سلام

☆ شیطان کے بہکانے کا عذر نہیں چلے گا

☆ زمین گواہی دے گی

☆ کوئی مومن ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا

☆ دنیا میں کتنے دن ٹھہرے؟

قیامت کا لفظ قیام سے نکلا ہے۔ جس کے معنی کھڑے ہونے اور قائم ہونے کے ہیں۔ چونکہ قیامت کے عظیم واقعے کے نتیجے میں روئے زمین پر پیدا ہونے والے تمام انسان اور جاندار اللہ کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے اس لیے اس کو قیامت کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں قیامت کے لیے مختلف الفاظ اختیار کیے گئے ہیں۔ کہیں اس کو واقعہ (یعنی واقع ہونے والی) کہیں قارعہ (کھڑکھڑانے والی) کہیں الساعتہ (گھنٹہ یا لمحہ) کہیں حاقہ (حق ثابت کرنے والی اور کہیں نباء العظیم (بڑی خبر) اور اسی طرح بہت سے دوسرے ناموں سے ذکر کیا گیا ہے۔ قیامت کے یہ مختلف نام اس کی مختلف حالتوں کے اعتبار سے ہیں۔ لیکن لفظ قیامت ان سب حالتوں اور واقعات پر حاوی ہے بلکہ اس لفظ میں اسلام کے ایک بنیادی عقیدے آخرت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ ہر شخص کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔ قرآن کریم کا ایک صفحہ بھی مشکل سے ایسا ہوگا جس میں توحید اور آخرت کا کسی نہ کسی اسلوب سے بیان نہ آیا ہو۔ لیکن قرآن کریم کے آخری پاروں میں اور خصوصاً تیسویں پارے میں جس کو ہم پارہ عم کہتے ہیں بیشتر قیامت کے مختلف واقعات کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

مثلاً کہیں آسمان و زمین کے پھٹ جانے کا ذکر ہے۔ کہیں چاند ستاروں کے ٹوٹنے کا۔ کہیں جانوروں کی حالت بیان کی گئی ہے۔ کہیں انسانوں کی۔ کہیں دریاؤں کی کیفیت کا بیان ہے کہیں پہاڑوں کا۔ کہیں قیامت کے دن کی لمبائی کا بیان ہے، کہیں کفار پر گزرنے والی ناگفتہ بہ حالت کی تفصیل ہے۔ کہیں مومنین پر ہونے والی خصوصی نعمتوں کا ذکر۔ اس لیے اس سلسلہ مضامین میں یہ ممکن نہیں ہے کہ قیامت کی تفصیلات کا احاطہ کیا جاسکے۔

قیامت کا دن ایک ایسا ہولناک اور خوفناک دن ہوگا کہ انسان اس دن
ہولنا کیوں کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ یہ کائنات کی موت کا دن ہے۔ جب آسمان ٹو
پھوٹ جائے گا۔ اور کہکشائیں اور ستارے اپنے وجود سے محروم ہوں گے۔ پہ
روئی کی طرح اڑتے پھریں گے۔ ہر شے ایک دوسرے کے ساتھ ٹکرا ٹکرا کر پا
پاش ہو رہی ہوگی۔ اس وقت انسانوں پر کیا بیتے گی۔ اس کا اندازہ قرآن کریم
اس آیت سے کیجیے:

يَآاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ (۱)
يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ
حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَ لٰكِنَّ
عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ (۲)

ترجمہ: ''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو۔ یقیناً قیامت کا زلزلہ بڑی بھاری
چیز ہے۔ جس روز تم لوگ اس کو دیکھو گے۔ اس روز دودھ پلانے والیاں
اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائیں گی اور تمام حمل والیاں اپنے حمل ڈال
دیں گی اور تجھ کو نشے کی سی حالت میں دکھائی دیں گے۔ حالانکہ وہ نشے میں
نہ ہوں گے۔ لیکن اللہ کا عذاب ہے ہی سخت چیز۔'' (سورہ حج آیات 2-1)
یعنی اس عذاب کی شدت سے لوگ ایسے خبط الحواس دکھائی دیں گے جیسے
میں ہوں۔

قیامت اچانک آئے گی

قیامت کب آئے گی؟ اس کا علم تو صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کے پاس
اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیا کو بھی

دیا۔قرآن کریم کی کئی آیات میں اس کے اچانک آنے کی خبر دی گئی ہے۔مثلاً سورہ انبیاء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

بَلْ تَأْتِيهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ (۴۰)

''بلکہ قیامت ان پر اچانک آ پہنچے گی۔سوان کے ہوش کھودے گی۔
پھر نہ اسے ہٹا سکیں گے اور نہ انہیں مہلت ہی دی جائے گی۔''
(سورہ انبیاء۔آیت 40)

قرآن کریم کی بعض دوسری آیات میں بھی یہ وضاحت کی گئی ہے کہ قیامت بالکل اچانک آئے گی۔حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت فرمائی ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں قیامت کے اچانک آنے کا حال اس طرح بیان فرمایا ہے۔

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔البتہ قیامت ضرور اس حالت میں قائم ہوگی کہ دو شخصوں نے اپنے درمیان (خرید وفروخت کے لیے) کپڑا کھول رکھا ہوگا۔اور ابھی معاملہ طے کرنے اور کپڑا لپیٹنے نہ پائیں گے کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔پھر فرمایا کہ البتہ قیامت ضرور اس حال میں قائم ہوگی کہ ایک انسان اپنی اونٹنی کا دودھ نکال کر جارہا ہوگا اور پی بھی نہ سکے گا۔اور قیامت یقیناً اس حال میں قائم ہوگی کہ انسان اپنا حوض لیپ رہا ہوگا۔اور ابھی اس میں (مویشیوں کو) پانی بھی نہ پلا پائے گا۔اور واقعی قیامت اس حال میں قائم ہوگی کہ انسان اپنے منہ کی طرف لقمہ اٹھائے گا اور اسے کھا بھی نہ سکے گا۔''
(مشکوٰۃ بحوالہ بخاری ومسلم)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن بھی لوگ حسب معمول اپنے کارو
خرید و فروخت اور اپنے روزمرہ کے کاموں میں مصروف ہوں گے کہ اچانک
قیامت کا لمحہ آ پہنچے گا۔ کسی کو پہلے سے شبہ بھی نہیں ہوگا کہ آج کائنات کا آخری کا د
ہے۔ پھر صور پھونک دیا جائے گا۔ قیامت کے اس لمحے سے پہلے آنے وا
واقعات کو تفصیل سے بتا دیا گیا تا کہ ان حالات کو دیکھ کر لوگ قیامت کے خوف
ایمان لے آئیں۔ اور اس زلزلہ عظیم سے بچنے کے لیے ایمان کی پناہ حاصل کر لیں
لیکن وہ خاص لمحہ قیامت جس میں آسمان، زمین، چاند، سورج، پہاڑ اور دریا س
ایک دوسرے میں گڈ مڈ ہو جائیں گے۔ جب زمین ہوا میں لٹکی ہوئی قندیل کی طر
جھولے گی۔ جب سمندروں میں پانی کی بجائے آگ کے شعلے موج ماریں گے
وہ لوگوں پر اچانک آ پڑے گا۔ اور کسی کو کوئی مہلت نہیں ملے گی۔

قیامت جمعہ کے دن قائم ہوگی

قرآن میں قیامت کا کوئی دن متعین نہیں کیا گیا ہے۔ بہت سے لوگوں نے ا
اندازے اور تخمینے مختلف کتابوں میں لکھے ہیں۔ لیکن ان کی کوئی اصل قرآن وسنت
نہیں ملتی، البتہ ایک روایت جو بہت سی حدیث کی کتابوں میں نقل کی گئی ہے اس
معلوم ہوتا ہے کہ قیامت جمعہ کے دن آئے گی۔ یعنی حضرت اسرافیل علیہ السلام ج
کے دن اللہ کے حکم سے اپنا صور پھونکیں گے۔ اس روایت کا ترجمہ یہ ہے۔

''حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ''تمہارے دنوں میں افضل دن جمعہ کا ہے۔ اسی میں
حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا۔ اسی میں ان کا انتقال ہوا۔ اسی میں
صور پھونکا جائے گا اور اسی میں لوگوں پر قیامت قائم ہوگی۔'' (البدور السافرہ

سیوطی، بحوالہ ابن داؤد کتاب الصلوٰۃ ونسائی وابن ماجہ)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانیت کی ابتدا یعنی جنت سے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمین پر نزول بھی جمعہ کے دن ہوا۔ پھر ایک ہزار سال بعد ان کا انتقال بھی جمعہ کو ہوا۔ اور آخر میں انسان کا خاتمہ بھی جمعہ کو ہوگا اور اس کے ساتھ پوری کائنات بھی جمعہ ہی کے دن فنا ہوگی۔ اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ شاید کائنات کا آغاز بھی جمعہ ہی کے دن ہوا ہوگا۔ یہاں یہ سوال ہے کہ دنوں کے ناموں کا اس وقت کوئی وجود ہی نہیں تھا تو جمعہ کا تعین کیسے ہوسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہمارے دنوں کا تعین تو اس وقت سے ہوا جب سے زمین نے اپنی محوری گردش شروع کی ہے۔ جس دن روئے زمین نے اپنی محوری گردش کا پہلا چکر پورا کیا ہوگا۔ وہی جمعہ کا دن ہوگا۔ اور بگ بینگ کے عظیم دھماکے کا وقت بھی یہی ہوگا۔ یہ بات قرین قیاس ہے اور شاید اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس دن کو تمام دنوں کا سردار کہا ہے اور اس کو ہفتے کے باقی دنوں سے افضل قرار دیا گیا ہے۔ بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر جانور ہر ذی روح ہر فرشتہ اور ہر پہاڑ، دریا، زمین، آسمان جمعہ کے دن سے ڈرتے ہیں کہ (کہیں آج قیامت نہ آجائے)۔

"حضرت لبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "کوئی مقرب فرشتہ، کوئی آسمان، کوئی زمین، کوئی ہوا، کوئی پہاڑ اور کوئی سمندر ایسا نہیں جو جمعہ کے دن سے نہ ڈرتا ہو۔" (البدور السافرہ، سیوطی بہ حوالہ ابن ماجہ، نسائی وموطا امام مالکؒ)

صور اسرافیل علیہ السلام

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنے مقرب فرشتوں کو پیدا

کیا جن میں حضرت اسرافیل علیہ السلام بھی ہیں۔ اس کے بعد زمین و آسمان پیدا کیے
اور پھر تخلیق کائنات کے بعد صور کو پیدا کیا اور حضرت اسرافیل علیہ السلام کو دے
دیا۔ چنانچہ اس وقت سے حضرت اسرافیل اس کو منہ پر رکھے ہوئے ہیں۔ اپنی نگاہ
عرش کی طرف لگائے ہوئے ہیں اور اس انتظار میں ہیں کہ پتا نہیں کب حکم مل جائے
(کہ میں صور پھونکوں) چنانچہ ترمذی کی یہ حدیث ملاحظہ ہو۔

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں کیونکر آرام وسکون سے بیٹھوں، حالت یہ ہے کہ صور پھونکنے والا، صور کو منہ میں دبائے ہوئے ہے۔ کان (حکم سننے کے لیے) لگائے ہوئے ہے۔ پیشانی جھکائے ہوئے ہے اور انتظار میں ہے کہ کب صور پھونکنے کا حکم ملے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اس حالت میں) آپ ہم کو کیا حکم دیتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حسبنا اللہ و نعم الوکیل پڑھا کرو۔ (مشکوٰۃ حوالہ ترمذی صفحہ 60)

قرآن کریم کی تقریباً دس آیات میں صور پھونکنے کا ذکر ہے اور ان تمام آیات
سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کا عظیم واقعہ صور پھونکنے کے نتیجہ میں ہوگا۔ متعدد
احادیث اور قرآن کریم کی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ صور پھونکنے کا واقعہ دو مرتبہ
ہوگا۔ پہلی بار صور پھونکنے سے کائنات فنا ہو جائے گی اور دوسری بار صور پھونکنے کے
نتیجے میں تمام ارواح اپنے اپنے جسم میں لوٹ کر زندہ ہوں گی۔ اور پھر انہیں محشر کی
طرف لے جایا جائے گا۔ جہاں حساب کتاب ہوگا۔

صور کیا چیز ہے؟

''حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی

نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صور کے متعلق سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ایک سینگ ہے۔ جس میں پھونکا جائے گا'' (البدور السافرہ بحوالہ ترمذی، احمد، ابوداؤد، دارمی)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی آخرت کے واقعات پر مبنی تالیف البدور السافرہ میں اس سینگ کے بارے میں ایک تفصیلی روایت نقل کی ہے جس سے اس صور کی پیدائش، اس کے سائز اور اس کے متعلق بعض مزید تفصیلات ملتی ہیں۔ روایت کا خلاصہ یہ ہے:

''حضرت وھب بن منبہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے صور کو سفید پتھر سے صاف شیشے کی صورت میں پیدا کیا پھر عرش کو حکم دیا کہ صور کو اٹھالو۔ تو صور اس سے چمٹ گیا۔ پھر کلمہ کن سے حضرت اسرافیل علیہ السلام کو پیدا فرمایا پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں صور لینے کا حکم دیا تو انہوں نے صور لے لیا۔ اس صور کے سوراخ تمام مخلوق کی روحوں کی تعداد کے برابر ہیں۔ کوئی دو روحیں بھی ایک سوراخ سے نہیں نکلیں گی۔ صور کے درمیان ایک منہ ہے آسمان اور زمین کی گولائی کے برابر۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام نے اپنا منہ اس سوراخ پر رکھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ تم حکم ملنے پر اس میں پھونکو گے اور چیخ بھی لگاؤ گے۔ جب سے اللہ تعالیٰ نے حضرت اسرافیل کو پیدا کیا انہوں نے آنکھ بھی نہیں جھپکائی کہ اس انتظار میں کہ ان کو کب حکم ملتا ہے۔ (البدور السافرہ صفحہ 62)

مذکورہ بالا روایت حضرت وھب ابن منبہ رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے، اور انہوں نے اس قول کا کوئی حوالہ نہیں دیا ہے۔ لیکن بعض دوسری احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صحابی کے سوال کا جواب میں ارشاد فرمایا

کہ صور ''بہت بڑا'' ہے۔ اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے اس بات کی تصدیق بھی ہوتی ہے کہ دوسری بار صور پھونکنے کے وقت تمام روحیں صور کے سوراخوں سے نکلیں گی۔ اس کے علاوہ قرآن کریم میں چیخ کا بھی ذکر متعدد آیات میں آیا ہے۔ واللہ اعلم

نفخہ اُولیٰ

پہلی بار صور پھونکنے کو نفخہ اولیٰ کہتے ہیں۔ اور دوسری بار صور پھونکنے کو نفخہ ثانیہ قرآن کریم میں دونوں نفخوں کا ذکر آیا ہے۔ پہلے سورہ نمل کی دو آیات کا ترجمہ ملاحظہ کیجیے:

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ وَ كُلٌّ اَتَوْهُ دَاخِرِيْنَ(۸۷) وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّ هِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ اِنَّهٗ خَبِيْرٌ بِمَا تَفْعَلُوْنَ(۸۸)

ترجمہ: ''اور جس دن پھونکا جائے گا صور میں۔ تو گھبرا جائے گا جو کوئی ہے آسمان میں اور جو کوئی ہے زمین میں، سوائے اس کے جسے اللہ چاہے۔ اور سب چلے آئیں گے عاجزی سے اس کے آگے۔ اور تو دیکھے گا پہاڑوں کو۔ سمجھے کہ وہ جم رہے ہیں۔ اور وہ چلیں گے جیسے بادل چلتے ہیں۔ کاری گری ہے اللہ کی جس نے ہر چیز کو درست کیا ہے۔ اس کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ (سورہ نمل آیات 87-88)

ان آیات میں صور پھونکے جانے کا نتیجہ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اس کے نتیجہ میں جو بھی کوئی جاندار آسمانوں میں ہوگا مثلاً فرشتے وغیرہ یا زمین میں ہوگا

انسان جنات اور جانور وغیرہ سب گھبرا جائیں گے۔ یہاں گھبراہٹ کے لیے عربی کا لفظ فزع استعمال کیا گیا ہے۔ اس میں کہیں مرنے اور فنا ہونے کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن قرآن کریم کی سورہ زمر کی آیت میں فزع کے بجائے صعق کا لفظ آیا ہے۔ جس کے معنی بے ہوش ہونے کے ہیں۔ اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تین بار صور پھونکا جائے گا۔ پہلی بار نفخہ فزع یعنی گھبراہٹ کے لیے، دوسری بار نفخہ صعق یعنی بے ہوشی اور موت کے لیے، اور تیسری بار نفخہ بعث یعنی دوبارہ زندہ ہونے کے لیے۔

معارف القرآن میں لکھا ہے کہ قرآن کریم اور صحیح احادیث سے صرف دو ہی نفخوں کا ثبوت ملتا ہے۔ اس لیے پہلی بار صور پھونکنے کا ابتدائی اثر یہ ہوگا کہ تمام جانداروں پر ایک سخت گھبراہٹ طاری ہوگی۔ اور پھر وہ بے ہوش ہو کر اس بے ہوشی کی حالت میں مر جائیں گے۔ صحیح احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

اس آیت میں ایک اہم بات یہ ہے کہ اس گھبراہٹ اور بے ہوشی سے کچھ لوگوں کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ استثنا مذکورہ بالا آیت میں بھی ہے اور سورہ زمر کی آیت میں بھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صور پھونکنے کے نتیجے میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جن کو موت نہیں آئے گی۔ یہ کون لوگ ہیں؟ اس بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے یہ تفصیل معلوم ہوتی ہے۔

> حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے جبریل علیہ السلام سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا کہ یہ کون لوگ ہوں گے جن کے اللہ تعالیٰ ہوش نہیں اڑائیں گے۔ تو انہوں نے فرمایا یہ شہدا ہوں گے جنہوں نے اپنی تلواروں کو عرش کے گرد لٹکا رکھا ہے۔“ (البدور السافرہ بحوالہ دارقطنی، ابن المنذر الدر المنثور)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ
آیت تلاوت فرمائی (یعنی مذکورہ بالا سورہ نمل کی آیت) تو صحابہ نے پوچھا یا رسول
اللہ یہ کون لوگ ہوں گے جن کو (اللہ تعالیٰ نے بے ہوش ہونے سے) مستثنیٰ قرار د
ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جبریل، میکائیل، ملک الموت، اسرافیل او
حاملین عرش۔'' (بحوالہ مذکورہ)

صحیح بخاری کی ایک روایت میں اس واقعہ میں بھی استثنا کا ذکر رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک
یہودی نے مدینہ کے بازار میں کہا کہ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس نے حضرت موسیٰ
کو تمام انسانوں سے برگزیدہ بنایا۔ تو انصار صحابہؓ میں سے ایک نوجوان نے اپنا ہاتھ
اٹھا کر اسے ایک تھپڑ رسید کیا اور کہا کہ تو یہ بات کہتا ہے جب کہ ہم میں رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم موجود ہیں۔ (حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ) میں نے یہ بات رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت
تلاوت کی (سورہ زمر، آیت 68) جس میں صعق کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

اور پھر فرمایا کہ سب سے پہلے میں اپنا سر اٹھاؤں گا۔ اور میں دیکھوں گا کہ
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرش کے پایوں میں سے ایک پائے کو پکڑ رکھا ہے۔ مجھے
معلوم نہ ہوگا کہ انہوں نے مجھ سے پہلے سر اٹھایا ہے یا وہ ان لوگوں میں سے ہیں جن
کو اللہ تعالیٰ نے (بے ہوش ہونے سے) مستثنیٰ قرار دیا ہے۔'' (البدور السافرہ بحوالہ
بخاری کتاب الانبیاء)

خلاصہ یہ ہے کہ قیامت صور پھونکنے سے واقع ہوگی اور صور دو مرتبہ پھونکا
جائے گا، پہلی بار صور پھونکنے سے تمام جاندار بے ہوش ہو کر مر جائیں گے اور بے
جان یعنی آسمان و زمین ٹوٹ پھوٹ کر ایک دوسرے سے ٹکرائیں گے۔

نفخہ اولیٰ کے واقعات

اس کائنات کے خاتمے کا دن اور وہ گھڑی جب قیامت کا عظیم زلزلہ واقع ہوگا اور تمام جاندار اور بے جان اپنا وجود کھو دیں گے۔ یہاں تک کہ تمام فرشتوں کو بھی موت آجائے گی اور صرف رب العٰلمین کی ہی ذات باقی رہے گی جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ اتنا عظیم حادثہ ہے کہ اس کا کوئی تخمینی تصور بھی کرنا انسان کے لیے ممکن نہیں ہے۔

ایک روایت میں حضرت ابوہریرہؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی بعض علامات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''صور پھونکا جائے گا اور جو شخص اس آواز کو سنے گا وہ اپنی گردن کو ایک جانب جھکا لے گا اور دوسری جانب سے اونچا کر لے گا۔ (یعنی دہشت اور خوف سے اس کی گردن اکڑ جائے گی) سب سے پہلے صور کی آواز وہ شخص سنے گا جو اپنے اونٹوں کے پانی کی جگہ کو درست کر رہا ہوگا وہ شخص کام کرتے کرتے مرجائے گا، اور دوسرے لوگ بھی اسی طرح مرجائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ بارش کو بھیجے گا۔ گویا وہ شبنم ہے۔ (یعنی ہلکی بارش ہوگی) اس بارش سے لوگوں کے بدن اگ آئیں گے۔ (جو قبر میں گل گئے ہوں یا مٹی ہوگئے ہوں گے) پھر دوسرا صور پھونکا جائے گا۔ جس کو سن کر سب لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے اور قیامت کے خوفناک منظر کو دیکھیں گے۔ پھر لوگوں سے کہا جائے گا۔ اے لوگو! اپنے پروردگار کی طرف آؤ۔ پھر اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا کہ ان کو روکے رکھو۔ ان سے حساب لیا جائے گا۔ پھر فرشتوں سے کہا جائے گا کہ ان لوگوں کو نکالو جو دوزخ کی آگ کا لشکر ہیں۔

فرشتے اللہ تعالیٰ سے دریافت کریں گے کتنے لوگوں میں سے کتنے لوگوں کو دوزخ کے لیے نکالا جائے۔ اللہ تعالیٰ حکم دیں گے ہر ہزار میں سے نوسو ننانوے نکالو۔ یہ کہہ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ وہ دن ہے جو بچوں کو بوڑھا کردے گا اور یہ وہ دن ہے جس میں امر عظیم ظاہر کیا جائے گا۔ (مشکوۃ حدیث نمبر 5284 بحوالہ صحیح مسلم)

اس حدیث میں بعض واقعات نفخہ اولیٰ سے متعلق ہیں اور بعض نفخہ ثانیہ کے بارے میں ہیں۔ لوگوں کی روحیں قبض کیے جانے کے بعد زندگی کی بارش کا ذکر ہے۔ جبکہ قرآن کریم اور صحیح احادیث میں ان دونوں واقعات کے درمیان بہت وقفہ ہوگا اور پہلے نفخے اور دوسرے نفخے کے درمیان پیش آنے والے واقعات کی تفصیل قرآن کریم میں بہت تفصیل اور کثرت سے بیان کی گئی ہے۔ مثلاً آسمانوں زمین، پہاڑوں اور دریاؤں کی شکست وریخت کے دل ہلانے والے واقعات۔ پھر اللہ تعالیٰ کا آسمانوں کو اپنے داہنے ہاتھ میں لپیٹنا۔ زمین کی موجودہ شکل وصورت کو بدل کر دوسری زمین میں بدلنا، زمین کا اپنے اندر سے اپنے بوجھ نکال پھینکنا۔ ان سب واقعات کو قرآن کریم کی آخری سورتوں میں بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

پہلی بار صور پھونکنے کے وقت قرآن میں اللہ تعالیٰ نے بعض حضرات کے لیے یہ فرمایا ہے کہ وہ اس موت سے مستثنیٰ ہوں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے معلوم ہوا تھا کہ یہ حضرت جبرائیل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل اور ملک الموت ہوں گے۔ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ ملک الموت کو حکم دیں گے کہ وہ میکائیل علیہ السلام کی روح قبض کرلیں۔ اس کے بعد حضرت اسرافیل علیہ السلام کی روح قبض کی جائے گی اور پھر ملک الموت کو خود اللہ تعالیٰ مرنے کا حکم فرمائیں گے اور وہ بھی مرجائیں گے۔ بعض روایات میں آتا ہے

کہ زندہ رہ جانے والے فرشتوں میں وہ فرشتے بھی ہوں گے جنہوں نے عرش الٰہی کو اٹھایا ہوا ہے۔ ان کی تعداد چار ہے اور ان کو حاملین عرش کہتے ہیں۔ آخر میں اللہ تعالیٰ ان چاروں فرشتوں کو بھی موت کا حکم دیں گے اور وہ بھی مر جائیں گے۔

ملک الموت اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایک مکالمہ

علامہ جلال الدین سیوطی نے البدور السافرہ میں ایک طویل حدیث حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کی ہے جس میں نفخہ اولیٰ کے بعد پیش آنے والے واقعات کی طویل فہرست قرآنی آیات سے مطابقت کے ساتھ بیان کی ہے۔ اس روایت میں انہوں نے تمام جہانوں کی موت کے بعد، ملک الموت اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایک مکالمہ نقل کیا ہے۔ اس کا کچھ حصہ قارئین کی نذر ہے۔

''سب آسمانوں اور زمین والے۔ سوائے ان لوگوں کے جن کو اللہ چاہیں گے مر جائیں گے۔ جب وہ مر چکیں گے تو ملک الموت، اللہ جبار کے پاس حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے یا رب آسمانوں اور زمین والے سب مر چکے ہیں۔ سوائے ان کے جن کو آپ نے (مارنا نہیں) چاہا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ جبکہ ان کو بخوبی علم ہوگا۔ اب باقی کون بچا ہے؟ وہ عرض کریں گے۔ یا رب! آپ حی و قیوم ہیں جس کو کبھی موت نہیں آتی۔ عرش کو اٹھانے والے فرشتے باقی ہیں، جبرئیل باقی ہے، میکائیل باقی ہے، میں باقی ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ جبرئیل اور میکائیل بھی مر جائیں۔ تو وہ بھی مر جائیں گے۔ پھر ملک الموت اللہ جبار کے پاس حاضر ہو کر عرض کریں گے۔ جبرئیل و میکائیل بھی مر چکے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ عرش کو اٹھانے والے چار فرشتے بھی مر جائیں۔ تو وہ بھی مر جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ عرش کو حکم دیں گے کہ وہ اسرافیل سے صور لے لے۔ پھر حکم دیں گے کہ اسرافیل بھی

مرجائے۔تو وہ بھی مرجائیں گے۔ پھر ملک الموت اللہ جبار کے پاس حاضر ہ
عرض کریں گے یارب عرش اٹھانے والے مرچکے ہیں۔تو اللہ تعالیٰ پوچھیں گے
وہ خوب جانتے ہوں گے اب باقی کون رہا ہے؟ وہ عرض کریں گے۔آپ حی و
ہیں جس کو کبھی موت نہیں آتی۔اب میں باقی ہوں۔اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو
میری مخلوق میں سے ہے میں نے جب چاہا تجھے پیدا کیا۔تو بھی مرجا! تو وہ
مرجائیں گے جب کوئی بھی باقی نہ رہے گا۔سوائے اللہ واحد احد کے تو آسما
زمین کو لپیٹ لیا جائے گا۔جس طرح لکھے ہوئے کاغذ لپیٹ لئے جاتے ہیں اور
تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے۔**لمن الملک یوم، اللّٰہ الواحد القہ**
(قرآن) آج کس کی حکومت ہے۔اللہ واحد وقہار کی۔'' (البدور السافرہ، اردو ت
''قیامت کے ہولناک مناظر'' صفحہ 43)

قرآن کریم کی سورہ غافر میں خود اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ قول ارشاد فرمایا۔
''آج کس کی حکومت ہے؟ اللہ واحد قہار کی۔'' ایک روایت میں ہے کہ اللہ ت
تین مرتبہ یہ فرمائیں گے کہ آج کس کی حکومت ہے، پھر خود وہی جواب میں ار
فرمائیں گے کہ اللہ واحد قہار کی۔اسی طرح سورہ انبیاء میں ارشاد فرمایا ہے کہ ہم
دن آسمان کو لپیٹ لیں گے۔جس طرح لکھے ہوئے کاغذ لپیٹے جاتے ہیں اور
زمر میں بھی آسمانوں کو اللہ تعالیٰ کے داہنے ہاتھ میں لپیٹنے کا ذکر آیا ہے۔ذیل
احادیث میں آسمانوں کو لپیٹنے کی شہادت دی گئی ہے۔

''حضرت ابو ہریرہؓ کا ارشاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو اپنے پنجے میں لے لے گا او
آسمان کو داہنے ہاتھ میں لپیٹ لے گا اور پھر فرمائے گا۔میں ہوں بادشا
کہاں ہیں زمین کے بادشاہ؟ (یعنی جو زمین میں بادشاہی کا دعویٰ کرتے

تھے)۔'' (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری ومسلم 5287)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آسمانوں کو لپیٹ لے گا اور پھر ان کو داہنے ہاتھ میں لے کر کہے گا۔ میں ہوں بادشاہ۔ کہاں ہیں ظالم؟ اور کہاں ہیں متکبر؟ اور پھر بائیں ہاتھ میں زمینوں کو لپیٹ لے گا اور ایک روایت میں یوں ہے کہ پھر زمینوں کو دوسرے ہاتھ میں لے لے گا اور کہے گا۔ میں ہوں بادشاہ، کہاں ہیں ظلم کرنے والے اور کہاں ہیں غرور تکبر کرنے والے۔ (مشکوٰۃ 5288 بحوالہ مسلم)

دونفخوں کی درمیانی مدت

قیامت کا لفظ، جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں، دونوں نفخوں کے واقعات میں شامل ہے اور قرآن واحادیث میں دونوں واقعات کے لیے استعمال ہوا ہے۔ ان دونوں نفخوں کے درمیان کتنا وقفہ ہوگا اس کا صحیح علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے لیکن صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ کی مندرجہ ذیل حدیث سے ان پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔

''حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دونوں نفخوں (یعنی دونوں صور پھونکے جانے کا) درمیانی زمانہ چالیس ہوگا۔ لوگوں نے پوچھا۔ اے ابوہریرہؓ کیا چالیس دن؟ ابوہریرہؓ نے کہا۔ میں انکار کرتا ہوں۔ پھر لوگوں نے پوچھا کیا چالیس مہینے؟ ابوہریرہؓ نے کہا میں انکار کرتا ہوں (یعنی میں نہیں جانتا) پھر (لوگوں نے) کہا۔ کیا چالیس برس؟ ابوہریرہؓ نے اس سے بھی انکار کیا۔ (یعنی حضرت ابوہریرہؓ کو

چالیس کا عدد تو یاد رہا مگر مدت یاد نہیں رہی) اس کے بعد ابو ہریرہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برسائے گا اور اس پانی سے لوگ اس طرح اگیں گے جس طرح سبزی اگتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انسان کی کوئی چیز ایسی نہیں جو پرانی نہ ہو۔ (بوسیدہ نہ ہو جائے) مگر ایک ہڈی جس کا نام عجب الذنب ہے۔ اس ہڈی سے قیامت کے دن ان کے تمام اعضا کو مرکب کیا جائے گا۔ (مشکوٰۃ 5286 بحوالہ بخاری ومسلم)

خلاصہ یہ ہے کہ دونوں نفخوں کے درمیان خاصا وقفہ ہوگا اور پھر دوسرا پھونکا جائے گا جس سے تمام انسان اور جانور دوبارہ زندہ ہو جائیں گے اور پھر اور حساب کتاب ہوگا۔ قرآن کریم میں قیامت کے دن کے بارے میں فرمایا: قیامت کا دن پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا اور حدیث میں ہے کہ مومنوں کے یہ دن ایک فرض نماز ادا کرنے کے وقفے کے برابر ہوگا۔ یعنی مسلمانوں پر اس د آسان کر دیا جائے گا۔

قیامت کا دن

اس دن کی ہولنا کیوں کا اندازہ اس بات سے کیجیے کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے قرآن کریم کی بعض سورتوں کا نام لے کر فرمایا کہ ان سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے:

”حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے (رسول اللہ) سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں آپ کو دیکھ رہا ہوں کہ آپ (ﷺ) بوڑھے ہو رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے

(سورہ) ھود، الواقعہ، المرسلات، عم یتسآءلون اور اذا الشمس سورتوں نے بوڑھا کردیا ہے۔'' (البدور السافرہ بحوالہ ترمذی اور شمائل وغیرہ)

اس حدیث میں جن پانچ سورتوں کا ذکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان میں قیامت کے ہولناک مناظر کا بیان ہے۔ ان کے علاوہ بھی دوسری سورتوں میں قیامت کی تفصیلات آئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کو اللہ تعالیٰ نے رحمتہ اللعالمین بنا کر بھیجا تھا اور جن کو رؤف ورحیم کے القابات سے نوازا گیا اور جن کو آسمانوں کی سیر کے وقت جنت اور دوزخ کی سیر کرائی گئی، ان پر ان واقعات کا یہ اثر ہونا طبعی اور فطری تھا، ان کی پیغمبرانہ نگاہیں ان آیات کے پس منظر میں کیا کچھ دیکھتی ہوں گی اور ان کی شفقت ورحمت سے لبریز قلب پر کیا گزرتی ہوگی۔ اس کا تو شاید ہم کوئی اندازہ بھی نہ کرسکیں ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت کی طرف اشارہ بھی فرمایا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ''جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ وہ اپنی آنکھوں سے روز قیامت کو دیکھے تو اس کو چاہیے کہ وہ اذا الشمس کورت اور اذا السماء انفطرت اور اذا السماء انشقت کو پڑھ لے۔'' (البدور السافرہ بحوالہ مسند احمد، ترمذی، حاکم وغیرہ)

قیامت کا دن کتنا طویل ہوگا؟

قرآن کریم میں حق تعالیٰ شانہ نے سورہ معارج کی ایک آیت میں ارشاد فرمایا:

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ(۴)

(ترجمہ) ''چڑھیں گے اس کی طرف فرشتے اور روح اس دن جس کی

مقدار پچاس ہزار برس ہے" (سورۂ معارج آیت 4)

اس آیت میں حق تعالیٰ شانہ نے روز قیامت کی مقدار پچاس ہزار سال بتائی ہے اور سورہ تنزیل السجدہ کی آیت میں فرشتوں کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ فرشتے زمین سے آسمان تک اپنے فرائض انجام دینے کے لیے ایک ایسے دن چڑھتے ہیں جس کی مقدار ایک ہزار سال ہے۔

يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ أَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (۵)

(ترجمہ): "تدبیر کرتے ہیں (فرشتے) امر الٰہی کی آسمان سے زمین تک پھر چڑھتے ہیں اس کی طرف۔ ایک ایسے دن میں جس کی مقدار ایک ہزار سال ہے۔ تمہاری گنتی کے مطابق۔" (سورۃ السجدہ۔ آیت 5)

ان دونوں آیتوں کے مضمون میں بظاہر تعارض اور تضاد نظر آتا ہے۔ لیکن حقیقتاً کوئی تضاد نہیں ہے۔ چنانچہ اگلی چند روایات سے یہ تضاد ختم ہو جاتا ہے۔

قرآن کریم میں جہاں ایک ہزار سال کی مدت بیان کی گئی ہے وہاں فرشتوں کے عام معمول کا ذکر ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی بجا آوری کے لیے زمین پر آتے ہیں اور پھر آسمانوں پر چڑھتے ہیں، ان کا یہ سفر تمہاری گنتی کے مطابق ایک طرف سے پانچ سو سال کی مسافت کے مطابق ہے۔ اس طرح زمین پر آنے پھر واپس آسمانوں میں جانے کی مجموعی مدت ایک ہزار سال کے برابر ہوتی ہے۔ اس آیت میں مِمَّا تَعُدُّوْن (یعنی جو تم گنتے ہو یا تمہاری گنتی کے مطابق) کے الفاظ زیادہ ہیں۔ جبکہ سورہ معارج کی آیت میں جہاں پچاس ہزار سال کی مدت بیان کی گئی ہے۔ اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس آیت میں ایک ہزار سال کی مدت ہماری دنیا کے

سال مراد ہیں۔ چنانچہ اس کی تائید ایک روایت سے بھی ہوتی ہے۔ اسی آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ

''یہ (آیت) دنیا کے متعلق ہے، فرشتے ایک دن میں اوپر جاتے ہیں جس کی مقدار (دنیا کے لحاظ سے) ایک ہزار سال ہے۔ اور آیت کے اس دن میں جس کی مقدا پچاس ہزار سال ہے قیامت کے متعلق ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے پچاس ہزار سال کے برابر بنایا ہے۔'' (بیہقی، البدور السافرہ، شعب الایمان)

صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کی یہ طوالت اس دن کا یعنی پچاس ہزار سال کے برابر ہونا صرف کافروں کا مقدر ہے۔

ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت بھی فرمادی ہے۔ ترجمہ یہ ہے:

''حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کافر کو پچاس ہزار سال تک قیامت میں کھڑا کیا جائے گا۔ جس طرح اس نے اس دنیا میں عمل نہیں کیا (یعنی اللہ کے نزدیک مقبول عمل جو ایمان کے ساتھ مشروط ہے، نہیں کیا) اور کافر جہنم کو دیکھ رہا ہوگا اور سمجھ رہا ہوگا کہ وہ چالیس سال کی مسافت سے مجھے گھیرنے والی ہے۔''

(اردو ترجمہ البدور السافرہ صفحہ 128، بحوالہ مسند احمد)

قیامت کا دن مومن کے لیے آسان ہوگا

مومنین کے لیے احادیث میں یہ خوش خبری سنائی گئی ہے کہ آخرت کے ہر مرحلے پر خواہ وہ مرنے کے بعد قبر اور دوزخ کا معاملہ ہو یا موت کے وقت کی سختی کا

مرحلہ ہو، یا قیامت کے دن کی سختیوں اور صعوبتوں کا زمانہ ہو، یا دوبارہ زندہ ہو کر میدان حشر تک پہنچنے کا سفر ہو، یا یوم حشر کے اس دن کا معاملہ ہو جب کفار اور سرکش لوگ اپنے پسینے میں درجہ بدرجہ غرق کھڑے ہوں گے؛ ہر جگہ، ہر مرحلے پر، اللہ پر ایمان اور عمل صالح ہی ہمارا سچا دوست، ہمارا نجات دہندہ، ہمیں ہر مصیبت اور تکلیف سے بچانے والا ہوگا۔ وہی اس دن ہمارا لباس ہوگا جس دن سب دوبارہ بالکل ننگے پیدا کیے جائیں گے۔ وہی ہماری سواری بنے گا جو ہمیں حشر کے میدان تک لائے گا۔ وہی پل صراط پر ہمارے لیے روشنی اور ہمارا راہبر ہوگا، وہی قیامت کے طویل دن کو اتنا مختصر کر دے گا جتنا ایک فرض نماز ادا کرنے کا وقفہ ہوگا۔ یہ خوش خبری خود رحمتہ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے پھر سن لیجیے:

"حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دن کے متعلق سوال کیا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی کہ یہ دن کتنا دراز ہوگا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ یہ دن مومن پر اتنا ہلکا ہوگا کہ ایک فرض نماز ادا کرنے کے وقت سے بھی کم ہوگا" (معارف القرآن ج 8 بحوالہ مسند احمد، ابویعلیٰ، بیہقی بسند حسن)

سبحان اللہ! حق تعالیٰ شانہ کا اس امت پر یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے اپنے آخری رسول کے ذریعے اس کی امت کو جو اعزاز بخشا ہے وہ دنیا کی کسی دوسری امت کو حاصل نہیں ہے۔ یہ ایمان کتنی بڑی نعمت ہے۔ کاش اس کا ہم صحیح اندازہ کر سکیں۔ مسلمانوں کے لیے قیامت کا دن کتنا آسان اور ہلکا ہوگا، اس بارے میں ایک اور روایت کا ترجمہ ملاحظہ کیجیے۔ یہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے ہے:

یہ روز مومنین کے لیے اتنا ہوگا جتنا وقت ظہر اور عصر کے درمیان ہوتا

ہے۔ یہ روایت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً بھی منقول ہے (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے طور پر بیان کیا ہے) اور موقوفاً بھی، یعنی حضرت ابو ہریرہؓ کے اپنے قول کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ (معارف القرآن سورہ معارج بحوالہ تفسیر مظہری)

ان روایات سے دونوں آیتوں میں جو بظاہر تضاد نظر آتا تھا، وہ دور ہو گیا۔ چنانچہ معارف القرآن میں لکھا ہے کہ ''اس کا جواب مذکورہ روایات سے ہو گیا کہ اس دن کا طول مختلف گروہوں کے اعتبار سے مختلف ہوگا۔ تمام کفار کے لیے پچاس ہزار سال کا اور مومنین صالحین کے لیے ایک نماز کا وقت۔ ان کے درمیان مختلف کفار ہیں، ممکن ہے کہ بعض کے لیے صرف ایک ہزار سال کے برابر ہو اور وقت کا دراز اور مختصر ہونا، شدت و بے چینی اور آرام وعیش میں ہونا مشہور و معروف ہے کہ بے چینی اور تکلیف کی شدت کا ایک گھنٹہ بعض اوقات انسان کو ایک دن بلکہ ایک ہفتہ عشرہ سے زیادہ محسوس ہوتا ہے اور آرام وعیش کا بڑے سے بڑا وقت مختصر معلوم ہوتا۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مومنین پر بھی قیامت کے دن کی لمبائی ان کے ایماا اور اعمال کے مطابق مختلف ہو گی۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ:

''حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ رب العلمین کے سامنے لوگ پچاس ہزار سال میں سے صرف آدھے دن کی مقدار میں کھڑے ہوں گے۔ پھر اس کو مومنین پر اتنا ہلکا کر دیں گے جتنا سورج غروب ہونے کے لیے جھکتا ہے یہاں تک کہ غروب ہو جاتا ہے۔'' (''قیامت کے ہولناک مناظر'' ترجمہ البدور السافرہ صفحہ 130 بحوالہ ابو یعلیٰ وابن حبان واسنادہٗ صحیح)

زکوٰۃ نہ دینے والوں کے لیے قیامت کا دن

ذیل کی روایت سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ قیامت کا دن مختلف لوگوں کے لیے مختلف مقدار کا ہوگا:

''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر وہ خزانے کا مالک جو اپنے خزانے کی زکوٰۃ نہ نکالے تو اس (مال) کو دوزخ کی آگ میں پگھلا کر تختیاں بنایا جائے گا۔ پھر اس سے خزانے کے مالک کے پہلوؤں اور پیشانی کو داغا جائے گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حساب سے فارغ ہو جائیں۔ جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی۔ پھر وہ یا تو جنت کا راستہ دیکھے گا یا جہنم کا۔

ہر وہ اونٹوں کا مالک جو ان کی زکوٰۃ ادا نہ کرے گا۔ اونٹوں کے لیے ایک ہموار اور نرم زمین بچھائی جائے گی جو اونٹوں کے وسیع راستے کی طرح ہوگی۔ جب اس (شخص) پر اونٹوں کا آخری حصہ (روندتا ہوا) گزرے گا، (پھر) شروع کا حصہ گزرنے لگے گا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حساب سے فارغ ہو جائیں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی۔ پھر وہ اپنا راستہ دیکھے گا۔ جنت کا یا جہنم کا۔''

اس کے بعد اس حدیث میں بکریوں کے مالک کے لیے بھی یہی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ (البدور السافرہ، بحوالہ مسلم، احمد، ابوداؤد، بیہقی وغیرہ)

زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں میں ایک گروہ تو وہ ہے جو سرے سے زکوٰۃ ہی کا منکر ہے۔ ان کے ساتھ تو کفار کا معاملہ ہوگا۔ کیونکہ زکوٰۃ کا انکار کرنے والا کافر ہے۔ وہ تو کفار کے ساتھ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور قیامت کا دن بھی ان کے لیے کفار کی

طرح پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا اور بظاہر اس حدیث میں منکرین زکوٰۃ ہی مراد ہیں کیونکہ دوسری احادیث میں پچاس ہزار سال کی مدت کافروں سے مخصوص ہونے کی صراحت اوپر بیان ہو چکی ہے۔ اور علامہ جلال الدین سیوطی کے مطابق یہ بھی ممکن ہے کہ جو لوگ زکوٰۃ کے منکر تو نہیں مگر زکوٰۃ بالکل نہیں دیتے ان کو شاید طول قیامت کی مقدار کے برابر مذکورہ عذاب میں مبتلا کر کے جنت کی طرف روانہ کر دیا جائے۔

اسی لئے فقرا اور مال داروں کے لیے قیامت کا عرصہ مختلف ہوگا۔ چنانچہ ایک روایت ملاحظہ کیجیے۔

''حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم قیامت کے دن جمع ہوگے تو پکارا جائے گا کہ اس امت کے فقرا اور مساکین کہاں ہیں؟ تو وہ کھڑے ہو جائیں گے۔ ان سے پوچھا جائے گا تم نے کیا عمل کیا؟ وہ عرض کریں گے، اے ہمارے رب آپ نے ہمیں آزمائشوں میں رکھا اور مال و متاع اور حکومت کے مالک ہمارے سوا دوسرے لوگ تھے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ تم نے سچ کہا۔ پھر وہ دوسرے لوگوں سے ایک عرصہ پہلے جنت میں داخل ہوں گے اور حساب کی شدت مال داروں اور حکمرانوں پر باقی رہے گی۔ صحابہ کرام نے پوچھا، جو اللہ کے نیک بندے ہوں گے وہ اس دن کہاں ہوں گے۔ فرمایا کہ ان کے لیے نور کے منبر رکھے جائیں گے۔ ان پر بادل سایہ کرتے ہوں گے اور یہ دن مومنین پر دن کی ایک گھڑی سے بھی زیادہ مختصر ہوگا۔'' (''قیامت کے ہولناک مناظر'' بحوالہ ابن حبان، وابونعیم)

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا، اور پھر رب العٰلمین کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے عقائد اور اعمال کا جواب دینے کا عقیدہ تمام آسمانی مذاہب کا ایک بنیادی

عقیدہ رہا ہے۔ لیکن بت پرست اقوام دوبارہ زندہ ہونے کا انکار کرتی آئی ہیں۔ ان کے اس انکار کی تفصیل بھی قرآن کریم نے کھول کر بیان کردی ہے۔ ان کے انکار کا بنیادی نکتہ یہی ہے کہ جب ایک مرتبہ انسان مرکر خاک اور بوسیدہ ہوگیا تو پھر دوبارہ زندہ ہونا ممکن نہیں ہے، قرآن کریم نے اس کا منطقی اور عقلی جواب یہ دیا کہ جس خالق نے پہلی مرتبہ تمہیں پیدا کردیا جبکہ تمہارا کوئی وجود کہیں بھی موجود نہیں تھا۔ اس ذات کے لیے کیا مشکل ہے کہ وہ اس وجود کو دوبارہ زندہ کردے۔

زمین کی تبدیلی کیا ہے؟

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (۴۸)

''(قیامت کا دن ایسا ہوگا) جس دن زمین کو بدل دیا جائے گا دوسری زمین سے اور آسمان بھی اور سب کے سب اللہ واحد قہار کے سامنے حاضر ہوں گے'' (سورہ ابراہیم آیت 48)

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نفخہ اولیٰ اور نفخہ ثانیہ یعنی دوبارہ زندہ کیے جانے کے دوران بہت سے اہم واقعات پیش آئیں گے۔ ان میں سے ایک اہم واقعہ زمین کی تبدیلی کا ہوگا۔ قرآن کریم نے یہاں ''غیر الارض'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ یعنی زمین کو غیر الارض سے بدل دیا جائے گا۔ جیسا کہ ترجمہ ''دوسری زمین سے'' کیا گیا ہے۔

زمین کی اس تبدیلی کی کیا نوعیت ہوگی؟ اس کے بارے میں احادیث میں مختلف روایات آئی ہیں۔ اس سلسلے میں بخاری اور مسلم میں ایک روایت یہ ملتی ہے:

''حضرت سہل بن سعدؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن لوگوں کو ایک ایسی سرخی مائل سفید زمین میں جمع کیا جائے گا جیسی کہ چھنے ہوئے آٹے کی روٹی ہوتی ہے اور اس زمین میں نہ کسی کا مکان ہوگا اور نہ عمارت'' (مشکوٰۃ 5297)

زمین کی یہ تبدیلی کیسی ہوگی؟ اس بارے میں مفسرین کے درمیان احادیث کی روشنی میں کافی بحث رہی ہے۔ یعنی یہ تبدیلی زمین کی صفات میں ہوگی، یا اس کی ذات میں؟ یا دونوں میں؟ آگے جو روایات آرہی ہیں ان سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی صفات بھی تبدیل ہو جائیں گی اور اس کی ذات بھی۔ قرآن کریم کی بعض آیات میں وضاحت ہے کہ پوری زمین ایک سپاٹ اور چپٹی سطح میں بدل جائے گی۔ جس مین نہ کسی مکان کی آڑ ہوگی نہ درخت وغیرہ۔ نہ پہاڑ ہوں گے نہ ٹیلے۔ نہ غار ہوں گے نہ گہرائی۔ چنانچہ قرآن کریم کا یہ بیان ملاحظہ کیجیے:

وَ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ یَنْسِفُھَا رَبِّیْ نَسْفًا(۱۰۵) فَیَذَرُھَا قَاعًا صَفْصَفًا(۱۰۶) لَّا تَرٰی فِیْھَا عِوَجًا وَّ لَآ اَمْتًا(۱۰۷) یَوْمَئِذٍ یَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِیَ لَا عِوَجَ لَہٗ ج وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا ھَمْسًا(۱۰۸)

ترجمہ: ''اور لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ تو آپ کہہ دیجیے کہ میرا رب ان کو بالکل اڑا دے گا۔ پھر اس (زمین) کو ایک ہموار میدان کردے گا۔ جس میں تو (اے مخاطب) نہ کوئی ٹیڑھ دیکھے گا اور نہ بلندی۔ اس دن (سب کے سب) بلانے والے (یعنی صور پھونکنے والے فرشتے) کے کہنے پر ہولیں گے۔ (کسی کا) کوئی ٹیڑھا پن نہیں رہے گا۔'' (سورہ طٰہٰ آیات 105 تا 108)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کو اس طرح ہموار کر دیا جائے گا کہ اس میں پہاڑ، گہرائیاں اور راستوں کی کوئی آڑ نہیں ہوگی بلکہ ایک ہموار سطح ہو جائے گی۔

معارف الحدیث میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محشر کی زمین بالکل نئی زمین چاندی کی طرح سفید ہوگی اور یہ زمین ایسی ہوگی جس پر کسی نے کوئی گناہ نہیں کیا ہوگا۔ جس پر کسی کا ناحق خون نہیں گرایا گیا ہوگا۔ اسی طرح مسند احمد اور تفسیر ابن جریر کی حدیث میں بھی یہی مضمون حضرت انسؓ کی روایت سے مذکور ہے۔ (مظہری)

بخاری و مسلم میں حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز لوگ ایک ایسی زمین پر اٹھائے جائیں گے جو ایسی صاف و سفید ہوگی جیسی میدے کی روٹی۔ اس میں کسی کی کوئی علامت (مکان، باغ، درخت، پہاڑ، ٹیلہ وغیرہ) کچھ نہ ہوگی۔

یہی مضمون بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے اور حاکم نے سند قوی کے ساتھ حضرت جابرؓ سے نقل کیا ہے:

> ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز یہ زمین اس طرح کھینچی جائے گی جیسے چمڑے کو کھینچا جائے جس سے اس کی سلوٹیں اور شکن نکل جائیں۔ (اس کی وجہ سے زمین کے غار اور پہاڑ سب برابر ہو کر ایک سطح مستوی بن جائے گی) اور اس وقت تمام اولاد آدم اس زمین پر جمع ہوگی۔ اس ہجوم کی وجہ سے ایک انسان کے حصے میں صرف اتنی ہی زمین ہوگی جس پر وہ کھڑا ہو سکے'' (معارف القرآن جلد پنجم، سورہ ابرہیم)

اس آخری روایت سے تو بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ زمین میں تبدیلی صرف صفت کی ہوگی کہ اس میں پہاڑ اور درخت وغیرہ نہ رہیں گے۔ لیکن زمین موجود ہی رہے گی

لیکن دوسری مذکورہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ زمین ختم ہو جائے گی اور بالکل ہی دوسری زمین ہوگی جس کی ذات بھی یہ نہیں ہوگی اور صفت بھی یہ نہیں ہوگی۔

معارف القرآن میں اس کے بعد بیان القرآن کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''بیان القرآن میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا کہ دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ پہلے نفخہ صور کے وقت اسی موجودہ زمین کی صفت تبدیل کردی جائے اور پھر (نفخہ ثانیہ کے بعد) حساب کتاب کے لیے ان کو کسی دوسری زمین کی طرف منتقل کردیا جائے۔ تفسیر مظہری میں مسند عبدابن حمید سے حضرت عکرمہؓ کا ایک قول نقل کیا ہے۔ جس سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اس کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے کہ یہ زمین سمٹ جائے گی اور اس کے پہلو میں ایک دوسری زمین ہوگی جس پر لوگوں کو حساب کتاب کے لیے کھڑا کیا جائے گا۔

صحیح مسلم میں بہ روایت حضرت ثوبانؓ سے منقول ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک یہودی عالم آیا اور یہ سوال کیا کہ جس دن یہ زمین بدل دی جائے گی تو آدمی کہاں ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پل صراط کے پاس ایک اندھیری میں ہوں گے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ زمین سے بذریعہ پل صراط دوسری طرف منتقل کیے جائیں گے۔ (معارف القرآن ج5، صفحہ 263)

ایک اور روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ جب زمین اور آسمانوں کو دوسری زمین اور دوسرے آسمانوں سے بدل دیا جائے گا تو اس وقت لوگ پل صراط پر ہوں گے۔ روایت یہ ہے۔

''حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق (یعنی زمین و آسمان کی تبدیلی والی سورہ ابرہیم کی 48 ویں آیت) یہ پوچھا کہ لوگ اس روز کہاں ہوں گے؟ آپ صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پل صراط پر۔'' (مشکوٰۃ 5290 بحوالہ صحیح مسلم)

البدور السافرہ میں علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے شروع میں قیامت کے حالات پر ایک بہت طویل حدیث ابن جریر کے حوالے سے نقل کی ہے۔اس حدیث کا وہ حصہ جو نفخہ اولیٰ کے بعد کے حالات پر ہے، اس کا ترجمہ یہ ہے:

''اور اس زمین اور آسمان کو دوسری زمین سے بدل کر بچھا دیا جائے گا اور اس کو عکاظی چمڑے کی طرح پھیلا دیا جائے گا۔نہ اس میں کوئی کجی نظر آئے گی نہ نشیب و فراز۔پھر اللہ تعالیٰ ایک دفعہ مخلوق کو صاعقہ (ڈانٹ یا سخت آواز) دیں گے۔تو یہ سب (انسان) بدلی ہوئی زمین میں اس حالت میں منتقل ہو جائیں گے جس حالت میں پہلی زمین میں تھے۔جو اس کے پیٹ میں ہوں گے (غالباً قبریں مراد ہیں) اس کے پیٹ میں، اور جو اس کی پشت پر ہوں گے اس کی پشت پر منتقل ہو جائیں گے۔پھر اللہ تعالیٰ ان پر عرش کے نیچے سے ان کے لیے پانی اتاریں گے۔پھر آسمان کو حکم دیں گے کہ بارش برسائے۔تو وہ چالیس دن تک برستا رہے گا۔حتیٰ کہ ان لوگوں سے بارہ ہاتھ اونچا ہو جائے گا۔پھر اللہ تعالیٰ اجسام کو حکم دیں گے کہ اگیں۔تو وہ اس طرح اگیں گے جس طرح سبزہ اگتا ہے جب ان کے اجسام پورے اگ جائیں گے تو اللہ حکم دیں گے کہ عرش کو اٹھانے والے (فرشتے) زندہ ہو جائیں۔تو وہ زندہ ہو جائیں گے۔پھر اللہ تعالیٰ اسرافیل کو حکم دیں گے تو وہ صور لے کر اپنے منہ پر رکھ لیں گے۔پھر اللہ تعالیٰ حکم دیں گے کہ جبرائیل و میکائیل زندہ ہو جائیں۔تو وہ زندہ ہو جائیں گے۔پھر اللہ تعالیٰ ارواح کو بلائیں گے۔تو وہ حاضر ہو جائیں گی۔مومنین کی روحوں کو حکم دیں گے کہ قبروں سے اٹھنے کا نفخہ پھونکیں۔وہ صور پھونکیں گے تو روحیں اس طرح

نکلیں گی گویا کہ شہد کی مکھیاں ہوں۔جنہوں نے آسمان وزمین کی فضا کو بھر دیا ہو۔اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میرے غلبے اور جلال کی قسم ہر روح اپنے اپنے جسم میں لوٹے۔ چنانچہ ہر روح زمین میں اپنے جسم میں داخل ہو جائے گی۔'' (''قیامت کے ہولناک مناظر'' ترجمہ البدور السافرہ صفحہ 44)

مذکورہ بالا تمام روایتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلی بار صور پھونکنے کے نتیجے میں موجودہ کائنات ریزہ ریزہ ہو کر ختم ہو جائے گی۔ تمام جاندار اور بے جان فنا ہو جائیں گے۔اس کے بعد ایک روایت کے مطابق چالیس سال کا عرصہ گزرے گا۔جس طرح اللہ تعالیٰ نے پہلی بار صور پھونکنے کے وقت اپنے مقرب فرشتوں کو اور حاملین عرش کو موت سے مستثنٰی کیا تھا دوسری بار صور پھونکنے سے پہلے ان کو اپنے حکم سے زندہ کریں گے۔ زمین تبدیل کر دی جائے گی اور یہ زمین بالکل دوسری زمین ہوگی جس پر نفخہ ثانیہ کے بعد لوگوں کے لیے محشر قائم کیا جائے گا، اور زمین سے دوبارہ اٹھنے والوں میں سب سے پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضہ اطہر سے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے ہمراہ اٹھیں گے اور بقیع کی طرف تشریف لے جائیں گے۔واللہ اعلم

کس حال میں حشر ہوگا؟

روایات حدیث سے صراحتاً اور قرآن کریم سے اشارتاً معلوم ہوتا ہے کہ حشر کے میدان میں تمام انسان بغیر لباس کے بالکل ننگے بدن جمع کیے جائیں گے اور حدیث میں صراحت ہے کہ سب بغیر ختنہ کے ہوں گے۔جس طرح وہ دنیا میں ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے۔ظاہر ہے کہ قبروں میں ہڈیاں تک بوسیدہ ہو کر خاک ہو جائیں گی اس لیے وہاں لباس کا نہ ہونا ظاہر ہے۔لیکن مومنین کے لیے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشخبری سنائی ہے کہ ان کو حشر میں لباس پہنایا جائے گا اور صحیح حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مومنین کے اعمال ہی ان کا لباس ہو جائیں گے۔ اس سلسلے میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی یہ روایت بالکل واضح ہے:

''حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ قیامت کے دن (مراد حشر کا دن ہے) تم کو اس حال میں جمع کیا جائے گا کہ تم ننگے پاؤں، ننگے بدن اور بغیر ختنہ کے ہو گے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: كَمَا بَدَأْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ وَعْدًا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فَاعِلِيْنَ (سورہ انبیاء 104)۔ یعنی'' جیسا کہ ہم نے پہلی بار پیدا کرنے کے وقت (ہر چیز کی) ابتدا کی تھی۔ اسی طرح اس کو دہرا دیں گے (دوبارہ پیدا کر دیں گے) یہ ہمارے ذمے وعدہ ہے ہم کو ضرور پورا کرنا ہے۔''

قرآن کریم کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم اس وعدے کو ضرور پورا کریں گے کہ ہم انسانوں کو دوبارہ اسی حالت میں پیدا کریں جس حالت میں پہلی بار ان کی ابتدا کی گئی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام لوگ سر سے پاؤں تک ننگے ہوں گے۔

''حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو ننگے پاؤں برہنہ جسم اور بے ختنہ جمع کیا جائے گا۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! تمام عورتیں اور مرد کیا ان میں سے ہر ایک دوسرے کو دیکھے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عائشہ! موقع اس سے زیادہ ہولناک ہوگا کہ لوگ ایک دوسرے پر نظر ڈالیں'' (مشکوٰۃ 5301 بحوالہ بخاری ومسلم)

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی جو روایت اوپر بیان کی گئی ہے اس میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ انبیاء کی آیت پڑھنے کے بعد ارشاد فرمایا، ''قیامت کے دن سب سے پہلے حضرت ابراہیم کولباس پہنایا جائے گا اور میرے دوستوں میں سے بہت سے لوگ ہیں جن کو بائیں جانب (دوزخ کی طرف) لے جایا جائے گا۔ میں (یہ دیکھ کر) کہوں گا اصحابی، اصحابی، یہ تو میرے اصحاب ہیں۔ یہ تو میرے اصحاب ہیں۔ (یعنی ان کو کہاں لیے جاتے ہو) اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ جب سے تم ان سے جدا ہوئے۔ یہ ہمیشہ دین سے برگشتہ اور پھرے رہے۔ میں وہی کہوں گا جو بندہ صالح (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) نے کہا تھا۔ پھر آپ نے قرآن کی یہ آیت پڑھی:

وَ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۭ (۱۱۷)

ترجمہ: ''جب تک میں ان میں رہا۔ ان کے حال سے واقف رہا۔ لیکن جب تو نے ان میں سے مجھ کو اٹھا لیا تو، تو ان کا نگہبان اور محافظ تھا۔''

(سورۃ المائدہ۔ آیت 117) (مشکوٰۃ 5300، بحوالہ بخاری و مسلم)

اس حدیث میں جن لوگوں کو بائیں جانب یعنی دوزخ کی طرف لے جائے جانے کا ذکر ہے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے وہ لوگ ہوں گے جو بعد میں دین سے پھر گئے یا مرتد ہو گئے اور قرآن کریم کی جو آیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت فرمائی وہ سورہ مائدہ کی آیت ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب نقل کیا گیا ہے جو وہ اللہ تعالیٰ کو ان کے خدا کے بیٹے بنائے جانے کے بارے میں ہوگا۔

حشر میں کفار اور مومنین کس طرح اٹھیں گے؟

قرآنِ کریم اور احادیث میں مرنے کے بعد زندہ ہونے کے مختلف مواقع پر

لوگوں کی مختلف کیفیات کا بیان بڑی کثرت اور تفصیل سے کیا گیا ہے۔ زندہ ہونے کے وقت مومنین کی کیا حالت ہوگی؟ کفار پر کیا گزرے گی؟ اس دن اٹھنے کے بعد لوگوں پر اس دن کی دہشت سے کیا حال ہوگا؟ گھبراہٹ اور خوف سے ان کے چہرے کیسے ہوں گے؟ ان کی زبان سے ادا ہونے والے کلمات کیا ہوں گے؟ قبروں سے اٹھنے کے وقت ننگے ہوں گے یا لباس میں؟ حشر کے میدان تک انہیں کیسے لایا جائے گا؟ پیدل ہوں گے، یا سوار، ان کی سواریاں کیا ہوں گی؟ حساب سے پہلے کیا ہوگا؟ مومنوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کن صورتوں میں انعام ہوگا؟ فرشتوں کا سلوک مومنوں سے اور کفار سے کیسا ہوگا؟ حساب کتاب کے وقت وزن اعمال کس طرح ہوگا؟

ان تمام تفصیلات کا مختصر بیان بھی ایک مشکل کام ہے۔ خاص خاص حالات اور واقعات پیش کئے جاتے ہیں۔

موضوع کی مناسبت سے پہلے قرآن کریم کی چند آیات پیش خدمت ہیں۔ ان آیات میں دوبارہ زندہ ہونے کے عقیدے کے بارے میں کفار کے اشکالات کا جواب بھی ہے اور حشر کے دن اٹھنے کا بیان بھی۔

وَقَالُوْٓا اَئِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا اَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا (۴۹) قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا (۵۰) اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِىْ صُدُوْرِكُمْ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا قُلِ الَّذِىْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا (۵۱) يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا (۵۲)

ترجمہ: ”اور (کفار) کہتے ہیں کہ جب ہم ہڈیاں اور چورا چورا ہو جائیں

گے۔ پھر اٹھیں گے گے نئے بن کر؟'' تم (اے رسولؐ) کہہ دو۔ کہ تم ہو جاؤ پتھر، یا لوہا، یا کوئی (اور) مخلوق جس کو تم اپنے دل میں مشکل سمجھو۔ پھر اب کہیں گے۔ کون لوٹا کر لائے گا ہم کو؟ کہہ دو۔ جس نے پیدا کیا، پہلی بار۔ پھر اب مٹکائیں گے تیری طرف اپنے سر اور کہیں گے، کب ہوگا یہ؟ کہہ دو۔ شاید نزدیک ہی ہوگا۔ جس دن تم کو پکارے گا۔ پھر (تعمیل میں) چلے آؤ گے اس کی تعریف کرتے ہوئے اور خیال کرو گے کہ تم بہت ہی کم (دنیا میں) رہے تھے'' (سورہ بنی اسرائیل، آیات 49 تا 52)

اس آیت میں کئی باتیں قابل ذکر ہیں۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کفار کے انکار کی وجہ بتائی کہ وہ اس بات کو ناممکن سمجھ رہے ہیں کہ جب وہ مرنے کے بعد ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو پھر نئے سرے سے کیسے زندہ ہو جائیں گے؟

اگر دیکھا جائے تو تمام عقل پرست اقوام کے ایمان نہ لانے کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے اپنے خالق کو پہچاننے کے لیے اپنی عقل کو معیار بنایا۔ بت پرستی کی جڑ بھی یہی ہے کہ وہ کسی ان دیکھے خالق کو ماننا عقل کے خلاف سمجھتے ہیں۔ اس کا جواب اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کسی دلیل کے ساتھ نہیں دیا۔ بلکہ ایک الزامی جواب دیا کہ تم بوسیدہ ہڈیوں اور ان کے چورا چورا ہو جانے کے بعد دوبارہ زندگی کو بعید از عقل سمجھ رہے ہو۔ تو پھر تم پتھر یا لوہا بن کر دیکھ لو۔ یا کوئی اور ایسی مخلوق ہو کر دیکھ لو۔ جو تمہارے ذہن میں زندگی کی صلاحیت سے ان سے بھی زیادہ بعید ہو۔ ہم تو اس پر قادر ہیں کہ ہم تم کو پھر بھی دوبارہ زندہ کر دیں۔ جن مادوں سے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا ان میں بھی زندگی کی صلاحیت کا کسی کو گمان بھی نہیں تھا۔

پتھر اور لوہے کو بعید از حیات کہنا اس لیے ظاہر ہے کہ ان میں کسی وقت بھی حیات حیوانی کے آثار پیدا نہیں ہوتے برخلاف ہڈیوں کے کہ ان میں عرصہ تک

حیات رہ چکی ہے۔ جو ذات پتھر اور لوہے میں بھی زندگی پیدا کرنے پر قادر ہو اس کے لیے ہڈیوں میں زندگی پیدا کرنا کیا مشکل ہوگا؟

معارف القرآن میں امام تفسیر حضرت سعید بن جبیرؒ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ کفار بھی اپنی قبروں سے نکلتے وقت سبحانک وبحمدک کے الفاظ کہتے ہوئے نکلیں گے۔ مگر اس وقت کا حمد وثنا کرنا ان کو کوئی نفع نہیں دے گا۔ کیونکہ یہ لوگ غیر متوقع طور پر جب حشر میں انسانوں کو زندہ دیکھیں گے تو غیر اختیاری طور پر یہ کلمات کہیں گے۔

لیکن بعض مفسرین نے حمد و ثنا کرنے کا معاملہ مومنین کے ساتھ مخصوص بتایا ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں کفار کے زندہ ہونے کے وقت ان کا ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ وہ کہیں گے۔ ''ہائے افسوس ہمیں کس نے ہماری قبروں سے زندہ کر اٹھایا ہے۔'' اور ایک جگہ ان کا یہ قول قرآن میں آیا ہے:

''اے حسرت وافسوس! میں نے اللہ کے معاملے میں بڑی کوتاہی کی ہے۔''

معارف القرآن میں لکھا ہے کہ ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں، ممکن ہے کہ شروع میں سب کفار اور مومنین حمد کرتے ہوئے اٹھیں، کیونکہ اس وقت حقیقت سامنے ہوگی اور بعد میں جب مومنین اور کفار کو الگ الگ کر دیا جائے گا۔ جیسا کہ سورہ یٰسین میں ہے کہ ''وامتاز والیوم ایھا المجرمون ۔'' (ترجمہ: ''اے مجرمو! تم سب الگ ہو کر جمع ہو جاؤ'') تو کفار افسوس اور حسرت کا اظہار کریں گے۔

سورہ یٰسین کی ذیل کی آیات میں اس موقع کے بارے میں کفار کا حال اور ان کا قول جو وہ قبروں سے اٹھ کر کہیں گے نقل کیا گیا ہے:

وَ نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰی رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ (۵۱) قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَ صَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ (۵۲) اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً

وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ (۵۳)

ترجمہ: ''اور پھونکا جائے گا صور۔ پس اس وقت وہ قبروں سے اپنے رب کی طرف پھیل چلیں گے۔ کہیں گے اے خرابی ہماری! کس نے ہم کو ہماری نیند کی جگہ سے اٹھا دیا۔ یہ وہ ہے جو وعدہ کیا تھا رحمٰن نے۔ اور سچ کہا تھا پیغمبروں نے۔ بس ایک چنگھاڑ ہوگی۔ پھر یکا یک سب جمع ہو کر ہمارے پاس حاضر کر دیے جائیں گے۔ (سورہ یٰسین آیات 51 تا 53)

اُن آیات میں کفار کا قبروں سے اٹھنے کا جو ذکر ہے۔ اس سے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ کفار تو عام طور پر قبروں میں دفن نہیں کیے جاتے۔ مثلاً ہندو اپنے مردوں کو جلا کر ان کی خاک کو ہوا میں اڑا دیتے ہیں۔ یا پانی میں بہا دیتے ہیں۔ اسی طرح بعض مذاہب اپنے مردوں کو گدھوں اور چیل کوّوں کو کھلا دیتے ہیں۔ تو پھر یہ قبروں سے کیسے اٹھیں گے؟

اس کا جواب پہلے تفصیل سے دیا جا چکا ہے کہ قبر اس گڑھے کا نام نہیں ہے جس میں مسلمان اپنے مردوں کو دفناتے ہیں۔ بلکہ عالم برزخ کا نام ہے۔ انسانی لاش زمین کی امانت ہے جو قبر کے گڑھے میں دبا کر اس کو لوٹا دی جاتی ہے۔ سمندر ہوں یا جانوروں کا پیٹ، یا ہوا میں بکھرے ہوئے ذرّات، سب اسی دنیا میں رہتے ہیں۔ ان کو جمع کرنا قادر و عظیم ذات کے لیے کچھ مشکل نہیں۔ لیکن اس کی روح عالم برزخ میں جاتی ہے جہاں اس کے ساتھ اس کے عقائد و اعمال کے مطابق سلوک کیا جاتا ہے۔ قیامت کے دن ان کے اجسام کو ان کے ذرات کے ذریعے مرکب کر دیا جائے گا اور پھر صور پھونکنے کے بعد ان میں روحیں لوٹا دی جائیں گی۔

دوسرا سوال یہ پیدا ہوسکتا ہے کہ کفار کا قول اس آیت میں یہ ذکر کیا گیا ہے۔ ''کس نے ہم کو ہماری نیند کی جگہ سے اٹھا دیا۔'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عالم

برزخ میں سو رہے ہوں گے۔ یہاں عربی کے لفظ ''مرقد'' کا ترجمہ نیند کی جگہ سے کیا گیا ہے۔ مرقد کے معنی سونے، آرام کرنے کے ہیں اور مرنے کے بھی آتے ہیں اس لیے مزار کو بھی مرقد کہا جاتا ہے۔ یعنی آرام گاہ، جبکہ بہت سی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کو قبر میں یعنی عالم برزخ میں عذاب ہوتا ہے۔ مفسرین نے یہاں لکھا ہے کہ اس دن کی سختی کو دیکھ کر وہ عالم برزخ کی تکلیف کو راحت اور آرام سمجھیں گے۔

مومنین کو اللہ تعالیٰ کا سلام

کفار کے اس حال کا ذکر کرنے کے فوراً بعد سورہ یٰسین میں مومنین کی حالت بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہے:

اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِىْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ (۵۵) هُمْ وَ اَزْوَاجُهُمْ فِىْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ (۵۶) لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ (۵۷) سَلٰمٌ قف قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ (۵۸)

''بیشک جنت کے لوگ آج ایک مشغلے میں ہیں، باتیں کرتے ہوئے وہ اور ان کی بیویاں۔ سایوں میں مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ ان کے لیے وہاں (ہر طرح کے) میوے ہوں گے۔ جو کچھ مانگیں گے۔ ان کو ملے گا۔ اور ان کو مہربان پروردگار کی طرف سے سلام فرمایا جائے گا۔'' (سورہ یٰسین آیات 55 تا 58)

بیان القرآن میں ابن ماجہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ''السلام علیکم یا اہل الجنہ'' (اے جنت والو! تم پر سلامتی ہو)

قارئین! غور فرمایئے کہ قیامت کے دن جب کفار پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ

رہے ہوں گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو فرشتوں کے ذریعے سلام کہہ کر انہیں سلامتی کی خوشخبری سنا رہے ہوں گے۔ یہ ایمان ہی ہر کڑے مرحلے پر ہمارے لیے سختیوں اور مصیبتوں کے سامنے ڈھال بن جائے گا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ''دوزخ کے سامنے اپنے لیے ڈھال حاصل کرلو۔ سبحان اللّٰہ والحمدللّٰہ ولا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ کہا کرو، کیونکہ قیامت کے دن یہ (کلمات دوزخ سے) نجات دینے والے اور (مومن کی) سامنے سے حفاظت کرنے والے اور پیچھے سے حفاظت کرنے والے ہیں اور باقیات صالحات میں سے ہیں۔'' (یعنی باقی رہنے والی نیکیاں ہیں۔)

(''قیامت کے ہولناک مناظر'' 117 بحوالہ نسائی، حاکم اور طبرانی وغیرہ)

قیامت کے دن یہ بظاہر چھوٹے چھوٹے کلمات ہمارے اچھے ساتھی ہوں گے۔ قرآن کریم کے مطابق یہ وہ دن ہوگا جب نہ باپ بیٹے کے کام آئے گا اور نہ ماں اور نہ کوئی رشتہ دار۔ زندگی کی اس مہلت میں ہی ہم اپنے لیے آخرت کی دائمی خوشیاں حاصل کرسکتے ہیں اور یہ مہلت کتنی باقی ہے۔ کسی کو معلوم نہیں ہے۔ انسان کی موت ہی اصل میں اس کی قیامت ہے۔ کیونکہ موت کی نیند سے وہ حشر ہی کے دن جاگے گا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد پہلے کسی مضمون میں نقل کرچکا ہوں کہ من مات فقد قامت قیامۃ۔ جو مرگیا۔ اس کی قیامت قائم ہوگئی۔

میرے والد ماجد مفتی محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ہم برف کے تاجر ہیں اور دھوپ میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ برف زندگی کا سرمایہ ہے اور دھوپ زندگی کی مدت۔ اپنے اس مال کو جتنی جلدی بیچ دوگے اتنا ہی منافع کماؤ گے۔ دیر کرو گے تو وقت کی دھوپ اس کو پگھلا کر ختم کردے گی اور تمہارے اس مال کو ایسا فیاض

اور سخی خریدنے والا موجود ہے جو تمہارے سرمائے کو سینکڑوں گناہ زیادہ منافع پر خریدنے کے لیے تیار ہے۔ قرآن کریم نے مومنین کو جہ جگہ مختلف اسلوب اور مختلف طریقوں سے خوشخبریاں سنائی ہیں کہ لوگو! غفلت سے باہر نکلو، اور اپنے ایمان کی قدر و قیمت پہچانو۔ یہی تمہاری دنیا کی کامیابی کا ذریعہ ہے اور یہی آخرت کا بہترین دوست۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (۳۰) نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ (۳۱) نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ (۳۲)

''جن لوگوں نے (دل سے) کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ (یعنی شرک چھوڑ کر توحید کا اقرار کرلیا اور پھر اس پر قائم رہے یعنی مرتے دم تک ایما کی حفاظت کی) ان پر (خوش خبری دینے والے) فرشتے اتریں گے (اور کہیں گے) نہ تم خوف کرو اور نہ غم کھاؤ اور خوش خبری سنو اس جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ہم تمہارے رفیق (تھے) دنیا میں اور آخرت میں (بھی رہیں گے) اور وہاں (جنت میں) تمہارے لیے (ہر وہ چیز موجود) ہے جس کو تمہارا دل چاہے اور تمہارے لیے وہاں (وہ سب کچھ) ہے جو تم مانگو۔ یہ مہمانی ہے غفور و رحیم کی طرف سے'' (حٰم السجدہ۔ 30 تا 32)

سبحان اللہ! جس کا میزبان رب العٰلمین ہو، اس مہمان کا مقدر کیا ہوگا؟

ابو نعیم نے حضرت ثابت بنانیؒ سے نقل کیا ہے کہ وہ تلاوت کرتے ہوئے جب

اس آیت پر پہنچے تو فرمایا کہ ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ مومن جس وقت اپنی قبر سے اٹھے گا تو دو فرشتے جو دنیا میں اسی کے ساتھ رہا کرتے تھے وہ ملیں گے اور اس کو کہیں گے کہ ''نہ تو تم خوف کرو اور نہ غم کھاؤ اور خوش خبری سنو جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔''

اس کے بعد مومنین کے لیے جنت میں جو نعمتیں ملیں گی ان کا تفصیل سے ذکر ہے کہ وہ کس عیش و عشرت کی زندگی گزاریں گے۔ جس کا ذکر ان شاء اللہ جنت کے ذکر میں آئے گا۔ اس کے بعد آگے چل کر بائیں والوں (اصحاب الشمال) یعنی کفار کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

وَ اَصۡحٰبُ الشِّمَالِ ۵ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الشِّمَالِ (۴۱) فِیۡ سَمُوۡمٍ وَّ حَمِیۡمٍ (۴۲) وَّ ظِلٍّ مِّنۡ یَّحۡمُوۡمٍ (۴۳)

بائیں والے۔ اور کیسے بائیں والے۔ تیز بھاپ میں ہوں گے اور جلتے پانی میں۔ (سورہ واقعہ۔ آیات 41 تا 43)

حشر کے بارے میں کفار کی ایک اور حالت یہ بیان کی گئی ہے کہ جب وہ حشر کے دن زندہ ہوں گے تو میدان حشر کی طرف انہیں چہروں کے بل چلایا جائے گا اور اندھے اور گونگے اور بہرے ہوں گے۔

سورہ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَنَحۡشُرُهُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ عَلٰی وُجُوۡهِهِمۡ عُمۡیًا وَّبُكۡمًا وَّصُمًّا مَّاۡوٰىهُمۡ جَهَنَّمُ كُلَّمَا خَبَتۡ زِدۡنٰهُمۡ سَعِیۡرًا (۹۷) ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمۡ بِاَنَّهُمۡ كَفَرُوۡا بِاٰیٰتِنَا (۹۸)

ترجمہ: ''اور حشر میں ان کو اٹھائیں گے۔ اندھے، گونگے اور بہرے۔ ٹھکانہ ان کا دوزخ ہے۔ جب (اس کی آگ) بجھنے لگے گی، اور بھڑکا دیں

گے ان پر۔ یہ ان کی سزا ہے اس واسطے کہ منکر ہوئے ہماری آیتوں سے۔''
(سورہ بنی اسرائیل، آیات 97-98)

اسی طرح سورہ فرقان میں فرمایا:

الَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ اُوْلٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضَلُّ سَبِيْلًا (۳۴)

''یہ لوگ ہیں جو اپنے چہروں کے بل حشر میں لے جائے جائیں گے۔ وہ بدترین مقام پر ہیں اور ان کا راستہ بدترین گمراہی کا راستہ ہے۔ (الفرقان 34)

کفار کے چہروں کے بل چلائے جانے کے بارے میں ایک صحابیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ چہروں کے بل کس طرح چل سکیں گے؟ حدیث کا ترجمہ یہ ہے:

''حضرت انسؓ کہتے ہیں ایک شخص نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! قیامت کے دن منہ کے بل چلا کر کافر کو کس طرح جمع کیا جائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے پاؤں سے لوگوں کو دنیا میں چلایا ہے۔ کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ قیامت کے دن کافر کو منہ کے بل چلائے؟'' (مشکوٰۃ 5302 از بخاری ومسلم)

مؤذنوں کی سواریاں

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے قرآن کی ایک آیت کے حوالے سے فرمایا کہ اللہ کی قسم موذن پیدل ہو کر نہیں اٹھیں گے اور نہ ان کو پیدل چلایا جائے گا۔ بلکہ ان کے پاس جنت کی اونٹنیوں میں سے اونٹنیاں لائی جائیں گی۔ مخلوقات نے ایسی حسین سواریاں کبھی نہیں دیکھی ہوں گی۔ ان پر سونے کے کجاوے ہوں گے۔ مہار زبرجد

کی ہوگی۔ یہ ان پر سوار ہوں گے۔ حتیٰ کہ جا کر جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے۔"
("قیامت کے ہولناک مناظر"، صفحہ 89 از حاکم وبیہقی ابن جریر)

ایک اور حدیث میں انبیائے کرام اور بعض صحابہ کرام کی سواریوں کا ذکر ملتا ہے۔ روایت کا ترجمہ یہ ہے:

"حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء کو قیامت کے دن سواری کے جانوروں پر حشر میں جمع کیا جائے گا۔ حضرت صالح علیہ السلام کو ان کی اونٹنی پر مبعوث کیا جائے گا اور میں (یعنی رسول اللہؐ) براق پر سوار ہو کر آؤں گا۔ میرے دونوں بیٹے (غالباً امام حسنؓ اور امام حسینؓ مراد ہیں) جنت کی اونٹنیوں میں سے دو اونٹنیوں پر سوار ہو کر پیش ہوں گے۔ حضرت بلالؓ جنت کی اونٹنیوں میں سے ایک اونٹنی پر سوار ہو کر محشور ہوں گے۔ اذان کی ندا کرتے ہوئے اور حق کی گواہی دیتے ہوئے آئیں گے۔ جب وہ اشھد ان محمد الرسول اللہ کہیں گے تو تمام اولین و آخرین مسلمان اس کی گواہی دیں گے، جنہوں نے دنیا میں اس کی گواہی کو قبول کیا ہوگا۔ اور جنہوں نے رد کیا ہوگا، ان کی رد ہو جائے گی۔" (البدور السافرہ صفحہ 92، از طبرانی فی الکبیر والصغیر)

اس حدیث میں ایک راوی ابو صالح عبداللہ کو ضعیف قرار دیا گیا ہے۔

حضرت بلالؓ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد البدور السافرہ میں حاکم اور طبرانی کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے کہ حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"بلال کتنا اچھا ہے۔ قیامت کے دن موذنین کا سردار ہوگا اور موذنین کی گردنیں قیامت کے دن باقی لوگوں سے لمبی ہوں گی۔ (یعنی ان کے اس

شرف سے موذنین کو پہچانا جائے گا)۔(''قیامت کے ہولناک مناظر'' صفحہ 98)

قیامت کے دن موٴذنوں کے خصوصی اعزاز کے بارے میں دوسری صحیح روایات سے بھی تائید ہوتی ہے۔صحیح مسلم کی ایک روایت میں موذنوں کی گردنوں کے لمبے ہونے کی خبر دی گئی ہے مگر اس میں حضرت بلال اور حضرات حسنینؓ کا ذکر نہیں ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ(۲۱)

ترجمہ:''اور ہر شخص اس طرح آئے گا کہ اس کے ساتھ ایک ہانکنے والا ہوگا اور ایک گواہی دینے والا ہوگا۔'' (سورہ ق۔آیت 21)

سائق اس شخص کو کہتے جو قافلے کے پیچھے ان کی حفاظت کے لیے چلتا ہے اور شہید اس کے اعمال کی گواہی دے گا۔یعنی ہر شخص کے ساتھ دو فرشتے ہوں گے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَوْمَ نَدْعُو كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ

''قیامت کے دن ہر آدمی کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔''

(سورہ بنی اسرائیل۔آیت 71)

اس کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ ہر شخص اپنے امام کے ساتھ ہوگا۔مثلاً احناف حضرت امام ابوحنیفہ کے ساتھ ہوں گے شافعی، حنابلہ اور مالکی بھی اسی طرح اپنے اپنے اماموں کے ساتھ ہوں گے۔یہ آیت محدثین کے لیے خاص طور پر ایک خوشخبری ہے کہ ان کے امام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے اور وہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حشر میں جمع ہوں گے۔

قارئین! مذکورہ بالا تمام روایتوں سے یہ بات بالکل واضح ہوکر سامنے آتی ہے

کہ اس دن جب انسان کے پاس نہ لباس ہوگا، نہ سائے کی کوئی جگہ، نہ کوئی شناسا ہوگا نہ رشتہ دار۔ کفار کو چہروں کے بل گھسیٹا جا رہا ہوگا۔ اس وقت صرف مومنین کی جماعت کو یہ شرف حاصل ہوگا کہ ان کا ایمان ان کا لباس، کھانا، سایہ دار ٹھنڈک بنے گا اور فرشتے ان کو جنت کی خوشخبری سنائیں گے اور اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچائیں گے۔ اس دنیا میں جو شخص جس کی اقتدا کرے گا۔ وہ اسی کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ اس میں یہ سبق ہے کہ ہمیں اس دنیا میں نیک لوگوں کی اقتدا اور صحبت اختیار کرنی چاہیے تاکہ ہمارا حشر بھی ان ہی کے ساتھ ہو۔

اسلام کا یہ مسلمہ اُصول ہے کہ آخرت میں خونی رشتے اور حسب نسب، کچھ کام نہیں آئیں گے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد، حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی، سب جنتی ہوتے اگر یومِ حشر میں ان رشتوں کی کوئی قیمت ہوتی۔

شیطان کے بہکانے کا عذر نہیں چلے گا

اللہ تعالیٰ نے لاکھوں انبیاء اور کتابیں بھیج کر اپنے بندوں پر حجت قائم کردی ہے۔ اب آخرت میں کوئی یہ نہ کہہ سکے گا کہ ہمیں شیطان نے بہکا دیا تھا، اس لئے ہم معذور تھے۔ روایات کے مطابق شیطان تو یہ کہہ کر دوزخیوں کے انتقام سے بچ جائے گا کہ میں تو صرف ایک ہی فرد تھا اور میرے بارے میں ہر نبی اور ہر کتاب نے یہ واضح کردیا تھا کہ میں انسانوں کا دشمن ہوں اور مکروفریب دے کر اپنے ساتھ تمہیں دوزخ میں لانا میرا مشن تھا۔ تم نے اگر ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کی بات نہیں مانی۔ اللہ کے کلام کے بار بار اس اعلان پر کان نہیں دھرے کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے تو اس میں کس کا قصور ہے؟ تمہارا یا میرا؟

جنت ان ہی کے لیے بنی ہے جو اس دنیا سے اپنے ساتھ ایمان لے کر قبروں میں چلے گئے۔ ہمارے آقا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ خوش خبری سنائی ہے کہ وہ حساب کے دن حق تعالیٰ سے اس امت کی شفاعت فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنے محبوب رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سفارش سے ہر اس شخص کو جہنم سے رہائی عطا فرمائیں گے جس کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان ہوگا۔

زمین گواہی دے گی

سورہ زلزال اکثر ہم نمازوں میں پڑھتے ہیں۔ اس سورت میں جہاں حشر میں قبروں سے اٹھائے جانے کا بہت موثر انداز میں بیان آیا ہے وہیں ایک اہم خبر دی گئی ہے:

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا (۱) وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا (۲) وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا (۳) يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا (۴) بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا (۵) يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۵ لا لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ (۶) فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ (۷) وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (۸)

اب اس کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

''جب زمین ہلا ڈالی جائے گی اس کے زلزلے سے اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال پھینکے گی۔ انسان کہے گا کہ اس کو کیا ہوگیا؟ اس روز زمین اپنی سب (اچھی بری) خبریں بیان کردے گی اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کا اس کو یہی حکم ہوگا (یعنی زمین پر جیسا عمل کیا ہوگا اچھا یا برا سب کہہ دے گی) اس روز مختلف جماعتیں ہوکر (حساب کی جگہ سے) واپس ہوں گی تاکہ اپنے

اعمال کو دیکھ لیں۔ سو جو شخص (دنیا میں) ذرہ برابر نیکی کرے گا۔ وہ اس کو دیکھ لے گا۔ اور جو شخص ذرہ برابر برائی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔"

اس سورت میں جس زلزلے کا ذکر ہے وہ بہت سخت زلزلہ ہوگا۔ یہ زلزلہ نفخہ اولیٰ سے پہلے ہوگا یا نفخہ ثانیہ کے بعد یا حشر کے وقت؟ اس پر پہلے گفتگو ہو چکی ہے۔ اس کے بعد والا جملہ کہ "زمین اپنے بوجھ باہر نکال پھینکے گی" اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ زلزلہ نفخہ ثانیہ کے بعد حشر کے موقع پر ہوگا۔ یہی راجح ہے۔ زمین کے بوجھ کیا ہیں؟ زمین کے بوجھ مردے اور زمین میں دبے ہوئے خزانے ہیں۔ اس زلزلے کے نتیجے میں زمین سے تمام مردے باہر نکل پڑیں گے اور انسان بے اختیار کہے گا کہ یہ اس زمین کو کیا ہو گیا کہ یہ اپنے پیٹ کے اندر کی چیزیں باہر پھینکنے لگے۔ بعض علما کا قول ہے کہ یہاں انسان سے مراد کافر ہیں کیونکہ اس کو قبر سے اٹھنے کی کوئی امید ہی نہ ہوگی۔ اس لیے قبر سے اٹھنے کے وقت وہ یہ بات تعجب سے کہے گا اور مومن کہے گا یہ وہی ہے جس کا اللہ نے وعدہ کیا تھا۔ (تفسیر مظہری) اس کے بعد فرمایا کہ "اس دن زمین اپنی خبریں بیان کر دے گی۔" اس جملے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ملاحظہ فرمایئے۔

"حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو پڑھا اور فرمایا تم کو معلوم ہے کہ زمین کی خبریں کیا ہیں؟ صحابہ کرام نے عرض کیا۔ اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں۔ فرمایا زمین کی خبریں یہ ہوں گی کہ زمین ہر عورت اور ہر مرد کی بابت یہ گواہی دے گی کہ اس نے اس کی پشت پر یہ یہ کام کیے۔ یعنی وہ اس طرح کہے گی کہ اس نے فلاں کام فلاں دن کیا اور یہی زمین کی خبریں ہیں۔" (مشکوٰۃ 5309 بحوالہ احمد، ترمذی)

اس کے بعد فرمایا کہ زمین یہ خبریں اس لیے دے گی کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب نے اس کو اس کا حکم دیا ہے'' یہاں زمین کو حکم دینے کے لیے وحی کا لفظ اختیار کیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں جہاں جہاں غیر نبی کے لیے وحی کا لفظ اختیار کیا گیا ہے وہاں اس کے لغوی معنی مراد ہیں۔ یعنی حکم بھیجنا، خفیہ اشارہ کرنا وغیرہ۔

اس کے بعد فرمایا ''تاکہ وہ اپنے اعمال کو دیکھ لیں۔ پس جو شخص دنیا میں ذرہ برابر نیکی کرے گا۔ وہ اس کو دیکھ لے گا اور جو شخص ذرہ برابر برائی کرے گا وہ (بھی) اس کو دیکھ لے گا۔''

یہی وہ آیت ہے جس میں ایک طرف تو ایک اہم اصول بیان کیا گیا ہے اور دوسری طرف مومنین کو ایک اہم خوش خبری دی گئی ہے۔ اس آیت میں نیکی کے لیے خیر اور برائی کے لیے شر کا لفظ اختیار کیا گیا ہے اور خیر ہر وہ عمل ہے جو شریعت کی نظر میں اچھا ہو۔ یعنی وہ اچھا عمل جو ایمان کے ساتھ ہو۔ بغیر ایمان کے کوئی عمل خواہ وہ دیکھنے میں کتنا ہی اچھا ہو۔ اللہ کے نزدیک نیک عمل نہیں ہے۔ یہیں سے یہ اصول نکلا کہ کفر کی حالت میں کیے گئے نیک عمل کا آخرت میں کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بہت سے غیر مسلم اس دنیا میں بہت سے نیک عمل کرتے ہیں۔ لوگوں کی مدد کرتے ہیں، فلاح و بہبود کے ادارے قائم کر کے انسانوں کی خیر خواہی کرتے ہیں تو ان کے ان نیک اعمال کا بدلہ انہیں کہاں ملے گا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کو اسی دنیا میں نیک اعمال کا بدلہ دے دیا جاتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نیکی اور برائی کے لیے فرمایا ہے کہ انسان اسے دیکھ لے گا۔ یعنی خیر و شر آنکھوں سے دکھائے جائیں گے۔ آج ہر عمل کی ویڈیو بنائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ہمارے جسم میں کیمرے فٹ کئے ہوئے ہیں۔ ہمارے عمل کا ہر ذرّہ ریکارڈ ہو رہا ہے۔ وہاں یہ فلم دکھا دی جائے گی۔

کوئی مومن ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا

اس لیے اس آیت سے علما نے استدلال کیا ہے کہ جس شخص کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی ایمان ہوگا اس کو بالآخر جہنم سے نکال لیا جائے گا۔ کیونکہ اس وعدہ کے مطابق مومن کو اپنی ذرہ برابر نیکی کا پھل بھی ضرور ملے گا اور اگر کوئی ایک بھی نیکی نہ ہوتو ایمان خود سب سے بڑی نیکی ہے اور کافر کے پاس اگر بہت نیکیاں بھی ہوں گی مگر ایمان نہیں ہوگا تو اس کی نیکیاں کالعدم ہوں گی۔

مذکورہ بالا تمام آیات اور روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نجات کی اصل کنجی ایمان ہے۔ایمان کا ایک ذرہ بھی اتنا قیمتی اور قدر و قیمت والا ہے کہ اس کی وجہ سے مومن اپنی بداعمالیوں کی سزا بھگتنے کے بعد دائمی عیش و عشرت کی جگہ یعنی جنت میں جائے گا۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لا الہٰ الا اللہ کہنے والوں پر (یعنی مومنین پر) نہ تو موت کے وقت وحشت ہوگی نہ قبر سے اٹھتے وقت اور نہ قبروں کے اندر گویا کہ میں ان کو چیخ (صیحہ) کے وقت دیکھ رہا ہوں (یعنی نفخہ ثانیہ کے بعد) وہ اپنے سروں سے مٹی کو جھاڑ رہے ہیں اور ''**الحمد للّٰہ الذی اذھب عنا الحزن** کہہ رہے ہیں'' (''قیامت کے ہولناک مناظر'' صفحہ 80 بہ حوالہ بیہقی شعب الایمان)

اس دعا کا ترجمہ ہے:

''سب تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے ہم سے غم کو دور کر دیا''

ایک اور خوش خبری

''حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت جبرئیل نے مجھے خبر دی ہے کہ مسلمان کے لیے اس کی موت کے وقت اور اس کی قبر میں اور قبر سے اٹھتے وقت لا الٰہ الا اللہ انس ہے (یعنی وحشت سے بچائے گا اور انس پیدا کرے گا) کاش کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ان کی قبروں سے اٹھتا ہوا دیکھیں۔ جب وہ اپنے سروں کو جھاڑ رہے ہوں گے۔ یہ لا الٰہ الا اللہ و الحمد للہ کہیں گے تو ان کا چہرہ سفید (منور) ہو جائے گا اور یہ (کافر) **یا حسرتا علیٰ مافرطت فی جنب اللہ** (ہائے افسوس! میں کوتاہی کرتا رہا۔ اللہ کی طرف سے)(سورہ زمر آیت 56) پکارے گا تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جائے گا۔ (''قیامت کے ہولناک مناظر'' صفحہ 80)

دنیا میں کتنے دن ٹھہرے؟

قرآن کریم میں حشر کے دن اٹھائے جانے کے بارے میں مختلف لوگوں کا مختلف حال بیان کیا گیا ہے۔ کہیں ذکر آتا ہے کہ کفار کو گونگے، بہرے اور اندھے بنا کر اٹھایا جائے گا اور کہیں ان کی اس دن کو دیکھ کر حسرت کے اظہار کا بیان ہے۔ مثلاً پہلے میں قرآن کریم ہی کے حوالے سے کفار کا یہ بیان نقل کر چکا ہوں کہ وہ کہیں گے، ''ہائے کمبختی! ہمیں قبروں سے کس نے اٹھا دیا۔ یہ وہی ہے جس کا ہم سب سے رحمٰن نے وعدہ کیا تھا'' اور قرآن کریم ہی کا یہ بیان اس کے برعکس ہمیں ملتا ہے۔ ''اور ہم ان کو قیامت کے روز اندھے، گونگے اور بہرے کر کے چہروں کے بل چلائیں

گے۔''(سورہ بنی اسرائیل آیت 97)

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر حشر کے دن کفار کی بصارت، سماعت اور گویائی سلب کر لی جائے گی جیسا کہ مذکورہ بالا آیات میں وضاحت ہے تو پھر وہ حشر کے دن اس دن کی شدت اور سختی کو دیکھ کر حسرت و افسوس کے جملے کس طرح کہیں گے؟ علما نے لکھا ہے کہ یہ حشر کے دن بالکل ابتدا کا حال ہے کہ وہ اندھے، بہرے اور گونگے اٹھائے جائیں گے۔ بعد میں ان کی یہ قوتیں ان کو واپس کر دی جائیں گی تا کہ وہ اس دن کی سختی کو دیکھ سکیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور حساب کتاب کے وقت ان سے سوال جواب کیا جائے اور جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ تمام کفار کے ساتھ یہ معاملہ ہو۔ حشر کا دن تو بالکل ہی الگ جہان ہوگا۔ وہاں تو ہر شخص اپنے اپنے عمل کے مطابق مختلف حالات کا سامنا کرے گا۔

کفار کو حشر میں کس حال میں اٹھایا جائے گا؟ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ سورہ طٰہٰ میں ارشاد فرماتے ہیں:

وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا (۱۰۲) يَتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا (۱۰۳)

''اور ہم حشر کریں گے (یعنی جمع کریں گے) مجرموں کو اس دن اس حال میں کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی۔ اور وہ آپس میں چپکے چپکے کہتے ہوں گے کہ تم دنیا میں بس دس دن رہے ہو'' (سورہ طٰہٰ۔ آیات 102 تا 103)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی آنکھوں کو سزا کے طور پر اور بدنمائی کے لیے حشر کے دن نیلا کر دیا جائے گا۔

ایک بات یہاں قابل ذکر ہے کہ قرآن کریم نے دنیا میں گزاری ہوئی زندگی کے لیے قیام کرنے، یا رہنے کا لفظ اختیار نہیں کیا۔ بلکہ ہر جگہ ٹھہرنے کا لفظ اختیار کیا

ہے۔اپنے گھر اور مستقل رہائش کی جگہ کے لیے رہنے کا لفظ اختیار کیا جاتا ہے جبکہ
کہیں مختصر قیام کرنے کو ٹھہرنا کہا جاتا ہے۔یہ اس حقیقت کی یاددہانی ہے کہ اس دنیا
میں تمہاری پوری زندگی قیام نہیں۔بلکہ ٹھہرنا ہے اور جس جگہ آدمی کچھ دنوں کے لیے
ٹھہرتا ہے وہاں رہتے ہوئے اپنے آپ کو مسافر سمجھتا ہے اور اس مقام پر اپنی ساری
پونجی نہیں لٹاتا۔حشر میں جو لوگ جمع ہوں گے تو وہاں دنیا کی زندگی کے بارے میں
بحث ہوگی کہ ہم دنیا میں کتنے دن ٹھہرے۔سورہ طٰہٰ میں ارشاد ہے:

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ
لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا(۱۰۴)

''ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ وہ کہتے ہیں۔جب ان میں کا اچھے طریقے والا
کہے گا کہ ہم دنیا میں ایک دن سے زیادہ نہیں رہے۔'' (سورہ طٰہٰ۔آیت 104)

ان میں سے کچھ لوگ اس شخص سے بھی زیادہ صحیح اندازہ کریں گے کہ وہ دنیا
میں کتنی دیر ٹھہرے۔سورہ نازعات میں ارشاد ہے:

كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا(۴۶)

''جب وہ قیامت کو دیکھیں گے تو ایسا معلوم ہوگا کہ دنیا میں بس ایک شام یا
اس کی صبح (کے برابر) ٹھہرے ہیں'' (النازعات 46)

اللہ تعالیٰ نے یہ جملہ کفار کے اس سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا جو وہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کرتے تھے۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ان کا سوال
بھی نقل کیا ہے۔ارشاد ہے۔''یہ لوگ (یعنی کفار) قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ
اس کا وقوع کب ہوگا؟ یعنی یہاں تو یہ اس دنیا کی زندگی کو بہت طویل اور اصل
زندگی سمجھے بیٹھے ہیں۔لیکن جب حشر میں جمع ہوں گے تو یہ ساری زندگی۔ان کو دن
کے پہلے حصے یا رات کے ایک حصے کے برابر معلوم ہوگی۔

مجرموں کا ایک گروہ دنیا کی اس زندگی کے بارے میں کیا کہے گا اس کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے،

وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ۵ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ (۵۵)

''اور جس دن قائم ہوگی قیامت۔ قسم کھا کر مجرمین کہیں گے کہ ہم دنیا میں ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے۔ (یہ لوگ) اسی طرح الٹے چلتے تھے۔'' (سورہ روم آیت 55)

اس آیت میں مجرموں کا کہنا ہے کہ وہ دنیا میں صرف ایک ''ساعت'' یعنی ایک گھڑی یا ایک گھنٹہ رہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ دنیا میں الٹے چلتے تھے۔ یعنی الٹی باتیں کرتے تھے۔ اچھائی کو برا سمجھنا اور برائی کو اچھا سمجھ کر اپنانا ان کا شیوہ تھا۔ حق کی طرف بلانے والوں کا مذاق اڑاتے تھے۔ اور حق پر چلنے والوں کو احمق اور پس ماندہ سمجھتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ ایک جگہ ان کفار و مشرکین کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ اَفَاَنْتَ تَهْدِى الْعُمْىَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ (۴۳)

ترجمہ: ''ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ آپ کو دیکھ رہے ہیں (یعنی آپ کے معجزات اور آپ کی پاکیزہ سیرت کو دیکھ رہے ہیں) تو پھر کیا آپ اندھوں کو راستہ دکھلانا چاہتے ہیں؟'' (سورہ یونس۔ آیت 43)

یہاں اللہ تعالیٰ نے ان کفار کو اندھا کہا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور کھلے دلائل دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے۔ یعنی آنکھیں ہوتے ہوئے بھی سورج کے وجود سے انکار کرتے ہیں۔ اس لیے آخرت میں بھی اندھے ہو کر اٹھیں گے۔ انہی کے بارے میں اگلی آیت میں ارشاد فرمایا کہ

وَیَوْمَ یَحْشُرُھُمْ کَاَنْ لَّمْ یَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّھَارِ یَتَعَارَفُوْنَ بَیْنَھُمْ قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰہِ وَمَا کَانُوْا مُھْتَدِیْنَ(۴۵)

''اور (ان کو وہ دن یاد دلایئے) جس میں اللہ تعالیٰ ان کو اس حال میں اٹھائیں گے کہ وہ ایسا سمجھیں گے کہ وہ (دنیا یا برزخ میں) دن کی ایک آدھ گھڑی ٹھہرے ہوں گے اور آپس میں ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔ اور واقعی خسارے میں پڑے وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے پاس جانے کو جھٹلایا اور وہ (دنیا میں بھی) ہدایت پانے والے نہ تھے۔'' (سورہ یونس 45)

اس مضمون پر قرآن کریم میں بعض دوسری آیات بھی موجود ہیں۔ لیکن مذکورہ بالا آیات میں اس دنیا کی حقیقت کو کھول کر بیان کر دیا گیا۔ ان آیات میں کفار و مجرمین کے مختلف اقوال ذکر کیے گئے ہیں۔ دس دن، ایک دن، صبح کا کچھ حصہ، شام کا کچھ حصہ، ایک گھنٹہ، یا ایک آدھ گھنٹہ۔ یہ ساری مدتیں لوگوں کے فہم کے مطابق بیان کی گئی ہیں اور اصل مقصود سب سے یہ حاصل ہوتا ہے کہ آخرت کی زندگی کے مقابلے میں اس دنیا کی زندگی کتنی مختصر ہے۔ زیادہ سے زیادہ جو مدت بیان کی گئی ہے وہ دس دن کی مدت ہے۔ لیکن عقلی اور سائنسی حقیقت یہ ہے کہ کبھی ختم نہ ہونے والی زندگی کے مقابلے میں 80,70 سال کا حساب لگایئے۔ تو کم سے کم مذکورہ مدت بھی نہیں بنے گی۔ مثلاً اگر ایک ارب سال سے دس دن کا حساب نکالیں گے تو شاید سیکنڈ بھی حاصل نہ ہوں۔ جبکہ آخرت کی زندگی کی کوئی حد نہیں۔ اس لیے اس دنیا کو قرآن کریم نے ''متاع الغرور'' کا نام دیا ہے۔ یعنی دھوکے کا سامان۔

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دن کفار سے ان کے ان اندازوں کے بارے میں کہیں گے

وَ قَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَ الْاِیْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِیْ کِتٰبِ اللّٰہِ اِلٰی یَوْمِ

الْبَعْثِ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَ لٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ(٥٦)

''اور کہیں گے علم والے۔ اور ایمان والے۔ تمہارا ٹھہرنا (دنیا میں) جی اٹھنے کے دن تک تھا، سو یہ ہے جی اٹھنے کا دن۔ لیکن تم جانتے نہ تھے۔''

(سورہ روم۔ آیت 56)

غور فرمایئے! یہاں اہل علم اور اہل ایمان نے دنیا کی زندگی کے بارے میں کسی مدت کا ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ کوئی مدت بھی خواہ کتنی چھوٹی ہو۔ منٹوں میں ہو یا سیکنڈوں میں حقیقی نہیں ہوگی۔ لامحدود کے مقابلے میں محدود کالعدم ہوتا ہے۔

اوپر جو روایات نقل کی گئی ہیں، ان کا تعلق مسلمانوں ہی سے ہے کہ حشر میں ان لوگوں کا کیا حشر، یا کیا مقام ہوگا۔ اس لیے یہ تصور غلط ہے کہ بس توحید کا کلمہ پڑھ کر بلا عمل جنت میں چلے جائیں گے۔ اگر چہ اللہ تعالیٰ کسی قانون کے پابند نہیں، وہ جسے چاہیں بلا عمل بھی بخش دیں گے اور حشر کے دن اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ایسے ایسے نمونے سامنے آئیں گے کہ لوگ حیران رہ جائیں گے۔ لیکن قانون الٰہی یہی ہے کہ ہر اچھے عمل کا ثواب اور ہر برے عمل پر سزا ملے گی۔ اس لیے عمل سے غفلت بڑی تباہ کن چیز ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا کتنی جامع ہے:

اَللّٰهُمَّ اجعَلِ الحَيَاتَ زِيَادَةً لِّي فِي كُلِّ خَير. وَاجعَلِ المَوتَ رَاحَةً لِّي مِن كُلِّ شَرّ.

''اے میرے اللہ! ہماری زندگی کو ہر خیر اور بھلائی میں اضافہ کرنے والا بنا اور ہماری موت کو ہر شر سے راحت کا ذریعہ بنا۔'' (آمین)

حشر میں حاضرین کی تین قسمیں

گزشتہ صفحات میں قیامت کے وقت مومنین اور کفار کے حالات کا ایک تقا
قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں اور حدیث کی وضاحتوں کے ساتھ پیش کیا
تھا۔ قرآن کریم کی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے روز تمام انسان
جماعتوں میں تقسیم ہو جائیں گے:

(1) اصحاب الیمین (داہنے ہاتھ والے، یعنی جن کا نامہ اعمال داہنے ہا
میں دیا جائے گا۔ ان کو اصحاب المیمنہ بھی فرمایا گیا ہے۔)

(2) مقربین (اللہ سے خاص قرب رکھنے والے، مثلاً انبیاء، صدیقین، شہ
اور متقی حضرات)

(3) اصحاب الشمال (بائیں ہاتھ والے، یعنی کفار و مشرکین جن کو نامہ اع
بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا)

قرآن کریم میں ان تینوں جماعتوں کے بارے میں مختلف تفصیلات آئی ہیں
پہلی دو جماعتیں جنت میں جائیں گی اور آخری جماعت دوزخ میں۔ جنت
داخل ہونے والی دونوں جماعتوں کے درجات میں فرق ہوگا۔ مقربین جنت
بڑے درجات اور مرتبے کے مستحق ہوں گے اور عام مومنین جن کو اللہ تعالیٰ
اصحاب الیمین فرمایا ہے اس سے کم درجے میں ہوں گے۔

سورۂ واقعہ میں سب سے پہلے مقربین کا ذکر فرمایا ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ(۱۰) اُولٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ(۱۱) فِیْ جَنّٰتِ
النَّعِیْمِ(۱۲) ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ(۱۳) وَقَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ(۱۴)

ترجمہ: ”اور سبقت لے جانے والے۔ وہ تو سبقت لے جانے والے ہیں۔

(سابقین) وہ ''مقربین'' (اللہ سے خاص قرب والے) ہیں یہ لوگ جنت النعیم (آرام والے) باغوں میں ہوں گے۔ ان کا ایک بڑا گروہ تو اگلے لوگوں میں سے ہوگا۔ اور تھوڑے پچھلے لوگوں میں سے ہوں گے۔ (سورۂ واقعہ۔ آیات 10 تا 14)

کیا جنت میں اس امت کی تعداد کم ہوگی؟

اس آیت میں جہاں مقربین کے فضائل اور نعمتوں کا ذکر ہے وہیں ایک بات قابل ذکر یہ ہے کہ اس آیت میں اولین کے لیے فرمایا کہ وہ بڑی جماعت ہوگی اور آخرین (یعنی پچھلے لوگ) کے لیے فرمایا کہ وہ قلیل یعنی تھوڑے ہوں گے۔ ''بڑی جماعت'' کے لیے قرآن کریم میں لفظ ''ثلہ'' استعمال ہوا ہے۔

یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ پہلے متعدد روایات گذریں جن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں سب سے بڑی تعداد آپ کی امت کی ہوگی۔

اس کے بارے میں معارف القرآن میں تفصیل سے وضاحت کی گئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب یہ آیت ''ثلتہ من الاولین و قلیل میں الآخرین'' (ایک بڑی جماعت پہلے لوگوں میں سے ہوگی اور تھوڑے پچھلے لوگوں میں سے ہوں گے) نازل ہوئی تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے تعجب کے ساتھ عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا پچھلی امتوں میں سابقین زیادہ ہوں گے اور ہم میں کم ہوں گے؟ اس کے بعد سال بھر تک اگلی آیت نازل نہیں ہوئی جب ایک سال بعد سورۂ واقعہ کی 39 اور 40 ویں آیات نازل ہوئیں جن میں فرمایا کہ ''اولین میں سے ایک بڑی جماعت اور آخرین میں سے ایک بڑی جماعت ہوگی۔'' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابن عمر الخطاب! سنو اللہ نے جو نازل فرمایا کہ اولین میں سے بھی بڑی جماعت

ہوگی اور آخرین میں سے بھی ایک بڑی جماعت ہوگی یادرکھو! کہ آدم علیہ السلام سے مجھ تک ایک ثلہ ہے اور میری امت دوسرا ثلہ ۔ (بہ حوالہ ابن کثیر)

اصحاب الیمین

ابن کثیر کے حوالے سے معارف القرآن میں لکھا ہے کہ تمام لوگ تین گروہوں میں تقسیم ہوجائیں گے (سورۂ واقعہ میں فرمایا کہ ''تم تین قسموں پر ہوجاؤ گے'' آیت 7) ایک قوم (حشر میں) عرش کے داہنی جانب ہوگی یہ وہ لوگ ہوں گے جو حضرت آدم علیہ السلام کی داہنی جانب سے پیدا ہوئے اور ان کے اعمال نامے ان کے داہنے ہاتھ میں دیے جائیں گے اور ان کو عرش کی داہنی جانب میں جمع کردیا جائے گا۔ یہ سب لوگ جنتی ہیں۔'' (معارف القرآن از ابن کثیر)

یہی اصحاب الیمین ہیں۔ ان کا ذکر قرآن میں کئی جگہ آیا ہے اور مقربین کے مقابلے میں یہ عام اہل جنت ہوں گے لیکن یہ مطلب نہیں ہے کہ جن نعمتوں کا ذکر مقربین کے بیان میں ہوا ہے ان سے اصحاب الیمین محروم رہیں گے یا اصحاب الیمین کے لیے جن نعمتوں کا ذکر ہوا وہ مقربین کو نہیں ملیں گی کیونکہ اہل جنت تو سب ہی نعمتوں میں ہوں گے کیونکہ خادم لڑکے (غلمان) جام شراب پھل میوے وغیرہ سب ہی کو ملیں گے ہاں قرب الٰہی کے اعتبار سے مقربین اور عام اہل جنت میں فرق ہوگا اور یہ فرق بھی بعض روایت میں واضح کیا گیا ہے کہ مقربین کو رویت باری تعالیٰ دوسروں سے زیادہ ہوگی۔

ایک نکتہ

اس دنیا میں بھی غیر مسلم اقوام بائیں جانب ہیں۔ دنیا کا نقشہ دیکھئے۔ شمال

اوپر ہے اور مغرب بائیں ہاتھ پر۔ دائیں ہاتھ والوں کی تمام زبانیں دائیں جانب سے بائیں جانب کی طرف لکھی جاتی ہیں ہر معاملے میں دائیں جانب کو ترجیح دی جاتی ہے ناپاک اور گھناؤنے جانور کھانے کا یہ لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے ان کو اللہ تعالیٰ نے پاک کھانے اور مشروبات عطا کیے ہیں ان کو وفادار اور پاک بیویاں عطا کی ہیں۔ ان کے یہاں رشتوں کا تقدس ہے خاندانی زندگی ہے جبکہ کفار کی تہذیبوں میں ماں باپ جیسے مقدس رشتوں کو ذلیل کر دیا گیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس دنیا میں بھی دائیں ہاتھ والوں اور بائیں ہاتھ والوں کی معاشرت میں نظر آنے والا فرق واضح ہے۔ اصحاب الشمال کے بارے میں سورۂ واقعہ کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے:

وَ اَصۡحٰبُ الشِّمَالِ ۬ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الشِّمَالِ (۴۱) فِیۡ سَمُوۡمٍ وَّ حَمِیۡمٍ (۴۲) وَّ ظِلٍّ مِّنۡ یَّحۡمُوۡمٍ (۴۳) لَّا بَارِدٍ وَّ لَا کَرِیۡمٍ (۴۴) اِنَّہُمۡ کَانُوۡا قَبۡلَ ذٰلِکَ مُتۡرَفِیۡنَ (۴۵) وَ کَانُوۡا یُصِرُّوۡنَ عَلَی الۡحِنۡثِ الۡعَظِیۡمِ (۴۶)

''جو بائیں والے ہیں۔ وہ بائیں والے کیسے برے ہیں۔ وہ لوگ آگ میں ہوں گے اور کھولتے ہوئے پانی میں اور سیاہ دھویں کے سائے میں جو نہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ فرحت بخش ہوگا (یعنی سائے سے ایک جسمانی نفع ہوتا ہے راحت اور ٹھنڈک اور ایک روحانی نفع ہوتا ہے لذت وفرحت وہاں دونوں نہ ہوں گے یہ ہی دھواں ہے جس کا ذکر سورۂ رحمٰن میں نحاس کے لفظ سے آیا ہے (بیان القرآن) وہ لوگ اس کے قبل بڑی خوش حالی میں رہتے تھے۔ (اور اس خوش حالی کی اکڑ میں) بڑے بھاری گناہ پر اصرار کیا کرتے تھے۔'' (سورۂ واقعہ آیات 41 تا 46)

اس سے آگے ان کفار ومشرکین کے آخرت کی زندگی سے انکار کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ(۴۹) لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰی مِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ(۵۰) ثُمَّ اِنَّکُمْ اَیُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُکَذِّبُوْنَ(۵۱) لَاٰکِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ(۵۲) فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ(۵۳) فَشٰرِبُوْنَ عَلَیْهِ مِنَ الْحَمِیْمِ(۵۴) فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِیْمِ(۵۵) هٰذَا نُزُلُهُمْ یَوْمَ الدِّیْنِ(۵۶)

ترجمہ: آپ کہہ دیجیے کہ سب اگلے اور پچھلے (اولین اور آخرین) جمع کیے جائیں گے ایک معین دن کے وقت پھر تم کو۔ اے گمراہو! جھٹلانے والو! زقوم کے درخت سے کھانا ہوگا پھر اس سے پیٹ بھرنا ہوگا پھر اس پر کھولتا ہوا پانی پینا ہوگا پھر پینا بھی پیاسے اونٹوں کا سا قیامت کے روز ان لوگوں کی یہ مہمانی ہوگی۔ (سورۂ واقعہ۔ آیات 49 تا 56)

گیارہواں باب

جنت اور اہل جنت

☆ قرآن کی ہر آیت جنت کا ایک درجہ ہے
☆ جنت کے چار بڑے دریا
☆ کیا جنت الفردوس چار ہیں؟
☆ چشمہ سلسبیل اور کافور؛ چشمۂ تسنیم
☆ سدرۃ المنتہٰی؛ شجرۂ طوبیٰ
☆ جنت کے انگور اور کھجوریں
☆ اہل جنت کا قد و قامت اور حسن
☆ مومنین کا اعزاز و اکرام
☆ معلق بالاخانے
☆ اہل جنت کی پاکیزہ بیویاں (ازواجِ مطہرۃ)
☆ جنت کی عورتوں کے ترانے اور گیت
☆ حضرت داؤد علیہ السلام کی حمد سرائی
☆ جنت کے پرندے اور ان کا گوشت

جنت میں داخلہ

اہل جنت کے داخلے کے وقت کا ایک منظر مشکوٰۃ کے حوالے سے ملاحظہ ہو:

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قیامت کے دن جنت کے اندر جو لوگ سب سے پہلے داخل ہوں گے ان کے چہرے چودھویں رات کی مانند ہوں گے اور دوسری جماعت جو ان کے بعد داخل ہوگی ان کے چہرے آسمان کے سب سے زیادہ چمکنے والے ستاروں کی مانند ہوں گے اور ہر جنتی کو دو بیویاں ملیں گی ہر بیوی کے جسم پر ستر جوڑے لباس کے ہوں گے (پھر بھی حسن و جمال کی وجہ سے) ان کی پنڈلیوں کے اندر کا گودا نظر آتا ہوگا۔ (مشکوٰۃ حدیث 5393 از ترمذی)

اہل جنت کے چہروں میں انوار کا یہ فرق بھی غالباً مقربین اور اصحاب الیمین کے مراتب کے لحاظ سے ہوگا۔ واللہ اعلم

جنت کے درجات کا کچھ ذکر پہلے کیا جاچکا ہے۔ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جنت میں سو درجے ہیں۔ اگر تمام جہان ان میں سے کسی ایک میں سما جائیں تب بھی وہ درجہ ان سے وسیع رہے'' (''جنت کے حسین مناظر'' از مسند احمد، ترمذی، صفتہ الجنہ ابونعیم وغیرہ)۔

ایک اور حدیث میں جنت کے 100 درجات کا ذکر فرمایا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت کے یہ سو درجات صرف فی سبیل اللہ جہاد کرنے والوں کے لیے ہیں۔ اس حدیث کا ترجمہ یہ ہے:

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ایمان لایا اور نماز قائم کی اور روزے رکھے۔ (ترمذی کی روایت میں حج اور زکوٰۃ کا بھی ذکر ہے) اللہ تعالیٰ اسے جنت

میں داخل فرمائیں گے۔ اللہ کے راستے میں ہجرت کرے یا اسی زمین میں قیام کرے جہاں پیدا ہوا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا ہم اس کی خوش خبری لوگوں کو سنا دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلاشبہ جنت میں سو درجے ہیں۔ جو اللہ نے فی سبیل اللہ جہاد کرنے والوں کے لیے تیار فرمائے ہیں۔ ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ آسمان اور زمین کے درمیان ہے۔ پس جب تم اللہ سے سوال کرو تو فردوس کا سوال کرو۔ کیوں کہ وہ جنت کا سب سے بہتر اور بلند درجہ ہے۔ اور اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور اس سے جنت کی (چاروں) نہریں پھوٹتی ہیں۔"

("مرنے کے بعد کیا ہوگا" از مشکوٰۃ بہ حوالہ بخاری)

بخاری کی اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ جنت کے سو درجے ان لوگوں کے لیے مخصوص ہیں جو اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں۔ چنانچہ اسی مقام پر فتح الباری کے حوالے سے مولانا عاشق الٰہی مہاجر مدنی رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ "اس (حدیث) میں اس کی نفی نہیں ہے کہ جو مجاہد نہیں ہیں ان کے لیے ان سو درجات کے علاوہ دوسرے درجات ہوں۔ جو مجاہدین کے درجات سے ادنیٰ ہوں۔" اس حدیث کو بخاری نے کتاب التوحید میں بھی ذکر کیا ہے۔ وہاں صاحب فتح الباری (اس حدیث کی شرح میں) فرماتے ہیں کہ "سو درجات جو فرمایا ہے۔ اس کا طرز بیان یہ نہیں ہے کہ جنت کے درجات سو ہی ہیں۔ کیونکہ سو درجات کے ذکر سے سو سے زیادہ کی نفی نہیں ہے۔ اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس کی روایت ابوداؤد، ترمذی اور ابن حبان نے کی ہے۔ ترجمہ یہ ہے:

"قرآن والے سے (قیامت کے روز) کہا جائے گا کہ پڑھتا جا اور چڑھتا جا اور اس طرح ترتیل کے ساتھ (آہستہ آہستہ اور صاف) تلاوت

کرتا جا۔ جس طرح دنیا میں ترتیل کے ساتھ تلاوت کرتا تھا۔ کیوں کہ تیری منزل وہی ہے جہاں تو آخری آیت پڑھ کر ختم کر لے۔'' (بہ حوالہ ترمذی)

اس کے بعد مولانا رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صاحب قرآن جتنی آیات پڑھتا جائے گا اسی قدر چڑھتا جائے گا۔ اور قرآن کریم کی آیات جن پر سب کا اتفاق ہے ان کی تعداد 6200 تو ضرور ہے.... بہر حال یہ معلوم ہوا کہ جنت کے درجات قرآن کریم کی آیات کے برابر تو ضرور ہیں۔ (بہ حوالہ فتح الباری)

اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ جنت کے درجات بہت ہیں۔ اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جنت کا سب سے اعلیٰ درجہ، جنت الفردوس ہے اور اس کا محل وقوع متصل عرش کے نیچے ہے۔ اور اسی حدیث سے ''صاحب قرآن'' کی ایک عظیم فضیلت معلوم ہوئی کہ وہ جتنی ترتیل کے ساتھ تلاوت کرتا جائے گا اسی مقدار سے وہ اعلیٰ درجات کی طرف ترقی کرتا جائے گا۔ صاحب قرآن کون ہے؟ اس کے بارے میں علما نے فرمایا ہے کہ اس میں وہ حفاظ ہیں جو قرآن پر عمل کرتے ہیں اور قرآن کے الفاظ اپنے سینوں میں محفوظ رکھتے ہیں۔

قرآن کی ہر آیت جنت کا ایک درجہ ہے

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی ہر آیت جنت کا ایک درجہ ہے۔ اور تمہارے گھروں کے لیے چراغ ہے۔ (جنت کے حسین مناظر 209 از ابن مبارک)

اس موقوف حدیث کو علما نے مرفوع کے حکم میں شمار کیا ہے۔ کیوں کہ اس کا مضمون دوسری مرفوع حدیث سے ثابت ہے جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں

گھروں سے مراد ہمارے اس دنیا کے گھر ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جس گھر میں قرآن کریم کی تلاوت کی جاتی ہے۔ اس میں ہر آیت نور کا ذریعہ ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جنت کے درجات آیات قرآن کے برابر ہیں اور اس سے زائد کوئی درجہ نہیں ہے۔

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''(ترجمہ) جنت کے درجات کی تعداد قرآن پاک کی آیات کی تعداد کے برابر ہے۔ اس سے زائد کوئی درجہ نہیں ہے۔'' (حوالہ مذکور از شعب الایمان، بیہقی)

علامہ قرطبی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے تمام قرآن ازبر (یاد) کرلیا۔ اس نے آخرت کے تمام درجات کو حاصل کرلیا اور جس نے اس سے کم پڑھا تو وہ جنت کے درجات میں بھی اسی قدر بلند ہو سکے گا۔'' (حوالہ مذکور، ازلبدور السافرہ)

یہاں یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ ''صاحب قرآن'' کی ان احادیث میں تلاوت کا لفظ اختیار کیا گیا ہے۔ جس میں قرآن کریم کے الفاظ کی ادائیگی کا مفہوم ہے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ تلاوت کرنے والا ان آیات کے معانی و مفہوم کو بھی جانتا ہو۔

قارئین وہ روایات پہلے پڑھ چکے ہیں جن میں صاف الفاظ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک حافظ (باعمل) کی شفاعت سے ایسے دس آدمیوں کو نجات ملے گی جن کے لیے جہنم واجب ہو چکی ہوگی۔

درجات بلند کرنے والے اعمال

جس طرح اس دنیا میں مختلف اسباب اختیار کرنے سے مختلف نتائج پیدا ہوتے

ہیں مثلاً آگ جلا کر کھانا پکانے سے کھانا تیار ہوتا ہے۔ نمک ڈالنے سے نمکین اور مرچوں کے ڈالنے سے چٹ پٹا ہوتا ہے۔ آدمی کا اصل مقصد تو اگرچہ بھوک مٹانا اور پیٹ بھرنا ہوتا ہے۔ یہ مقصد تو بغیر نمک مرچ کے، پھیکا کھانا کھانے سے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن ہر شخص ذائقے اور لذت کے لیے اپنے کھانوں اور مشروبات کو مختلف اشیا کے ذریعے ان کو لذیذ بناتا ہے۔ اسی طرح مختلف مذہبی اور دینی اعمال کے اندر بھی مختلف خصوصیات ہیں۔ اگرچہ تمام اعمال کی غرض و غایت اللہ تعالیٰ کی رضا و مغفرت حاصل کرنا ہے۔ عقائد اور فرائض تو ضروریات دین ہیں۔ جس طرح کھائے پیے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح عقائد اور واجبات کے بغیر روحانی زندگی کی بقا ممکن نہیں ہے۔ لیکن نوافل اور مستحبات ان اعمال کو لذیذ اور مرغوب بناتے ہیں۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے اعمال کا خصوصیت کے ساتھ یہ اثر ہوتا ہے کہ اس سے آخرت میں آدمی کے لیے جنت کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ ایسے بعض اعمال کا ذکر یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لوگ ان اعمال کے ذریعے جنت میں اپنے درجات بلند کرنے کی فکر کرلیں۔

''حضرت عوف بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جنت کے لیے ایک مخلوق پیدا کی ہے۔ (یعنی انسانوں میں سے ایک بڑی تعداد جنت میں جائے گی) ان کو اتنی (نعمتیں) عطا کریں گے کہ وہ سیر ہو جائیں گے۔ ان کے اوپر اعلیٰ درجات میں بھی لوگ ہوں گے۔ جب یہ ان کو دیکھیں گے تو ان کو پہچان لیں گے۔ اور عرض کریں گے۔ اے ہمارے پروردگار! یہ تو ہمارے بھائی ہیں۔ ہم ان کے ساتھ رہتے تھے۔ ان کو آپ نے (کیوں) فضیلت عطا فرمائی ہے؟ تو ان سے کہا جائے گا۔ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔ یہ لوگ بھوکے ہوتے تھے۔ جب تم سیر ہوتے

تھے۔ یہ پیاسے ہوتے تھے۔ جب تم سیراب ہوتے تھے۔ یہ کھڑے ہو کر (راتوں کو) عبادت کرتے تھے۔ جب تم سوئے ہوئے ہوتے تھے۔ اور یہ بے گھر ہوتے تھے۔ جب تم گھروں میں محفوظ ہوتے تھے۔'' (حوالہ بالا از ابن حبان، ابو نعیم، ترغیب، زید ابن مبارک البدور السافرہ)

اس روایت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جن کو قرآن و سنت میں ''مساکین'' کا نام دیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں ایک دعا یہ تھی کہ اَللّٰھُمَّ احشَرنِی فِی زُمرَۃ المَسَاکِین (یا اللہ! میرا حشر مساکین کے زمرے میں فرمائیے) اسی لیے روایات میں آیا ہے کہ مساکین اور فقرا سے محبت کرنا جنت کی چابی ہے۔ مسکین اور فقیر میں علما نے یہ فرق بیان کیا ہے مسکین وہ شخص ہے جس کی ملکیت میں کچھ نہ ہو۔ اور فقیر وہ ہے جس کے پاس زکوٰۃ کے نصاب سے کم مال ہو۔ جن مساکین کے اعلیٰ درجات کا ذکر اس حدیث میں آیا ہے۔ وہ ایسے مساکین ہیں جو راتوں کو عبادت میں کھڑے ہوتے ہیں۔ جو دنیا کی طلب میں نہیں پڑتے۔ اور روکھی سوکھی کھا کر قناعت کے ساتھ اپنے رب سے راضی ہیں۔

ایک اور روایت جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے اس کا ترجمہ یہ ہے:

''حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ''میں جنت کے دروازے پر کھڑا ہوں گا۔ اس سے اکثر طور پر گزرنے والے جو لوگ ہوں گے وہ فقیر اور مسکین ہوں گے۔ (حوالہ بالا ص 255، از بخاری، مسلم، احمد، نسائی وغیرہ)

اسی لیے کسی کو پھٹے پرانے کپڑوں اور خستہ حالی کی وجہ سے حقیر سمجھنا ایک سنگین غلطی ہے۔

دنیا کی تکالیف سے درجے بلند ہوتے ہیں

حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، (ترجمہ) ''کسی شخص کا اللہ کے نزدیک درجہ بڑا ہوتا ہے۔لیکن وہ اس مرتبے کو اپنے عمل سے نہیں پہنچ پاتا۔تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کی ناپسندیدہ تکلیف میں مبتلا کردیتے ہیں۔حتیٰ کہ وہ اس مرتبے پر فائز ہوجاتا ہے۔'' (حوالہ مذکور از ابویعلی بسند جید، ابن حبان، البدور السافرہ وغیرہ)

ایک روایت میں غمگین لوگوں کے بارے میں ارشاد ہے کہ جنت کا ایک درجہ خاص اہل غم کو حاصل ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، (ترجمہ) ''جنت میں ایک درجہ ایسا ہے جس کو غم واندوہ والے لوگوں کے سوا کوئی نہیں پاسکے گا۔'' (حوالہ بالا از البدور السافرہ از دیلمی)

عادل حکمران، صلہ رحمی کرنے والا اور صابر عیال دار کی روایت پہلے آچکی ہے کہ ان کے لیے جنت کا ایک خاص درجہ ہوگا۔

ایک روایت میں عابد کے مقابلے میں عالم کی فضیلت کا بیان ہے۔ترجمہ ہے:

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ، (ترجمہ) عالم کی عابد پر ستر درجہ فضیلت ہے۔اور ہر درجے کے درمیان گھوڑے کے ستر سال تک تیز دوڑنے کا فاصلہ ہے۔''

(بہ حوالہ اصبہانی، مجمع الزوائد، کنز العمال، الحاف السادہ وغیرہ)

اس کے علاوہ بھی بہت سے اعمال ہیں جن سے جنت کے درجات بڑھتے ہیں۔یہاں صرف چند اعمال کا ذکر کیا گیا ہے۔ایک روایت میں مرحوم والدین کی

اولاد کی دعا سے ان کے درجات میں ترقی ہونے کا وعدہ ہے۔ اس لیے اولاد کو چاہیے کہ وہ اپنے مرحوم والدین کے لیے دعا کا اہتمام کریں۔

جنت کے دریا اور نہریں

جنت کے چار بڑے دریا

ترمذی کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان نہروں کا منبع جنت الفردوس ہے۔ وہیں سے یہ تمام نہریں نکلتی ہیں۔ جس طرح ہماری دنیا میں نہریں بڑے دریاؤں سے نکل کر زمینوں کو سیراب کرتی ہیں، اسی طرح جنت الفردوس سے نکلنے والی چار نہریں جن کا ذکر ترمذی کی حدیث میں ہے۔ وہ بڑے دریا ہیں۔ اور ان چاروں دریاؤں کا ذکر قرآن کریم میں واضح الفاظ میں آیا ہے۔

سورہ محمدؐ کی ایک آیت مبارکہ میں ارشاد ہے:

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِیْهَاۤ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ؕ وَ لَهُمْ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِی النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ(۱۵)

''جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا جاتا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں بہت سی نہریں ایسے پانی کی ہیں جن میں ذرا تغیر نہ ہوگا۔ اور بہت سی نہریں دودھ کی ہیں جن کا ذائقہ ذرا بدلا نہ ہوگا۔ اور بہت سی نہریں شراب کی ہیں۔ جو پینے والوں کے لیے بہت لذیذ ہوگی۔ اور بہت سی نہریں شہد کی ہیں جو بالکل صاف ہوگا۔ اور ان کے لیے وہاں ہر قسم کے پھل ہوں گے۔

اور ان کے رب کی طرف سے بخشش ہوگی۔'' (سورہ محمد آیت 15)

قرآن کریم کی اس آیت میں پانی، دودھ، شراب اور شہد کی نہروں کا ذکر ہے۔اور ہر قسم کی نہر کا ذکر جمع کے صیغے یعنی ''انہار'' کے لفظ کے ساتھ ذکر فرمایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ چاروں قسم کی نہریں کثرت سے ہوگی۔ بعض حضرات نے ان نہروں کو مجازی معنیٰ میں لیا ہے۔لیکن معارف القرآن میں لکھا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ نہریں اپنے حقیقی معنیٰ میں ہیں۔ بلا وجہ مجازی معنی لینے کی ضرورت نہیں۔البتہ یہ بات کھلی ہوئی ہے کہ جنت کی چیزوں کو دنیا کی چیزوں پر قیاس نہیں کیا جاسکتا وہاں کی ہر چیز کی لذت و کیف کچھ اور ہی ہوگا۔(ماخوذ از معارف القرآن جلد 8)

مولانا عاشق الٰہی مہاجر مدنی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تالیف ''مرنے کے بعد کیا ہوگا'' میں ایک روایت نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت الفردوس کے یہ دریا وہاں مشک کے پہاڑوں سے نکلتے ہیں۔ترجمہ یہ ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ''جنت کی نہریں مشک کے پہاڑوں سے نکلتی ہیں'' یعنی نہروں کا مرکز اور منبع مشک کے پہاڑوں کی جڑ ہے۔(''مرنے کے بعد کیا ہوگا'' ص316)

یہاں متن کے حوالے کا نمبر تو دیا گیا ہے۔لیکن نیچے حاشیے میں حوالہ درج نہیں ہے۔غالباً یہ حدیث بھی مشکوٰۃ سے لی گئی ہے۔

حضرت سماک رضی اللہ عنہ جو حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں۔فرماتے ہیں کہ میں نے مدینہ منورہ میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی۔اس ملاقات میں انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے جنت کی زمین وغیرہ کے بارے میں کچھ سوال کیے۔ان میں ایک سوال جنت کی نہروں کے بارے میں بھی کیا۔وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا۔''اس کی (جنت

کی) نہروں کا کیا حال ہے۔ کیا وہ گڑھوں کے اندر چلتی ہیں؟ فرمایا۔ نہیں! بلکہ ہموار زمینوں پر چلتی ہیں۔ اور بغیر نشیب ہی کے اپنی جگہ پر اس طرح جاری ہیں (اپنی حد سے) ادھر اُدھر نہیں پھیلتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان نہروں سے فرمایا (تیار) ہو جاؤ! (کن) پس جاری ہو گئیں''۔ (حوالہ بالا ص 317 از ترغیب وابن الدنیا باسناد حسن)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کہ ''میں جنت میں گزر رہا تھا (معراج کی رات کو) ایک ایسی نہر سامنے آ جن کے دونوں کناروں پر موتیوں کے قبے تھے۔ میں نے پوچھا، اے جبریل! ہے؟ انہوں نے جواب دیا یہ کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کو عنایت فر ہے۔ اس کے بعد فرشتے نے، اس کی مٹی میں اپنا ہاتھ مار کر خوب تیز خوشبو والا م نکالا۔'' یہ روایت صحیح بخاری میں ہے۔ اور سنن ترمذی میں بھی ہے۔ اس میں آ یہ الفاظ بھی ہیں کہ پھر میرے سامنے سدرۃ المنتہیٰ بلند کیا گیا۔ پس میں نے اس پاس بڑا نور دیکھا۔'' (حوالہ، مذکور از سنن ترمذی)

کیا جنت الفردوس چار ہیں؟

سورہ رحمٰن میں چار جنتوں کا ذکر آیا ہے۔ سورہ رحمٰن کی 46 ویں آیت میں حق تعا ارشاد ہے:

وَ لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ (۴۶)

ترجمہ: ''جو اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہا اس کے لیے دا باغ (جنتان) ہیں۔''

اور پھر آگے آیت 62 میں ارشاد ہے:

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ (٦٢)

ترجمہ: ''اور ان دو باغوں (جنتوں) سے کم درجے کے دو باغ (جنتان) اور ہوں گے۔''

ان دونوں آیتوں میں لفظ ''جنتان'' استعمال ہوا ہے جو تثنیہ کا صیغہ ہے جو دو کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس سے بعض علما نے جنت الفردوس کی تعداد چار بتائی ہے۔

علامہ ابن قیم کے حوالے سے مولانا امداد اللہ انور نے ان آیات سے ان کا یہ استدلال نقل کیا ہے۔ اور اس کے بعد یہ روایت نقل کی ہے: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''دو جنتیں ایسی ہیں کہ ان کے برتن، ان کے زیور اور جو کچھ ان میں ہے سونے کا ہے۔ اور دو جنتیں ایسی ہیں کہ ان کے برتن، ان کے زیور اور جو کچھ ان میں ہے چاندی کا بنا ہوا ہے جنت والوں کے درمیان اور اس بات کے درمیان کے وہ اپنے رب کا دیدار کریں۔ صرف ایک کبریائی کی چادر ہوگی۔''

(''جنت کے حسین مناظر'' 216 از مسند احمد، طیالسی، دارمی، صفۃ الجنۃ وغیرہ)

اس کے ذیل میں مصنف نے فرمایا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت الفردوس کی تعداد چار ہے دو جنتیں سونے کی اور دو چاندی کی۔ اور یہ چاروں جنتیں اعلیٰ درجے کی ہیں کیوں کہ ان کے اور اللہ تعالیٰ کے دیدار کے درمیان صرف کبریائی کی چادر ہوگی۔ ان جنتوں والے جب چاہیں اللہ تعالیٰ کا دیدار کرسکیں گے۔ دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر جنتیں ایسی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کا ایک وقت مقرر ہوگا۔ (حوالہ مذکور)

سورہ رحمٰن کی ان دو آیتوں کے بارے میں مولانا عاشق الٰہی بلند شہری مہاجر مکی رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ سورہ رحمٰن میں دو باغوں کا ذکر ہے کہ خواص مقربین کے

لیے ہوں گے۔ یعنی ہر مقرب کے لیے دو دو باغ ہوں گے۔ پھر آگے دو باغوں کا ذکر ہے جو عامہ مومنین کے لیے ہوں گی اور ہر شخص کو دو دو باغ ملیں گے۔ مگر مقربین کے باغوں سے درجے میں کم ہوں گے۔ (''مرنے کے بعد کیا ہوگا'' 306)

جنت کی دوسری نہریں

روایات میں بعض دوسری نہروں کا بھی ذکر آیا ہے جن کی خصوصیات اور نام مختلف ہیں۔ ایک روایت میں جنت کی ایک نہر کا ذکر ہے جس کا نام ''ہرول'' ہے۔ صفۃ الجنہ، ابونعیم کے حوالے سے ایک روایت کا مضمون درج ذیل ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (ترجمہ) ''جنت میں ایک نہر ہے جس کا نام ہرول ہے۔ اس کے دونوں کناروں پر درخت اگے ہوئے ہیں۔ جب جنتی سماع (موسیقی یا نغموں کا سننا) کی خواہش کریں گے تو کہیں گے کہ ہمارے ساتھ ہرول کی طرف چلو تا کہ ہم درختوں سے (خوب صورت اور دلکش آوازیں) سنیں۔ چنانچہ وہ ایسی (خوب صورت) آوازوں میں بولیں گے کہ اگر اللہ عزوجل نے جنتیوں کے نہ مرنے کا فیصلہ نہ کیا ہوتا تو یہ ان آوازوں کے شوق وطرب سے مر جاتے۔ پس جب ان آوازوں کو (جنت کی) لڑکیاں سنیں گی تو وہ عربی زبان میں (دلکش آواز میں) پڑھیں گی۔''

آگے اس روایت میں ہے کہ اولیا اللہ ان لڑکیوں کے قریب ہو جائیں گے۔ اور جس کو وہ پسند کریں گے۔ وہ ان کو مل جائیں گی۔ اور ان کی جگہ دوسری لڑکیاں پیدا ہو جائیں گی۔ (حوالہ مذکور) واللہ اعلم۔

ایک اور نہر کا ذکر اسی مقام پر کیا گیا ہے جس کا نام نہر بارق ہے۔ روایت یہ ہے:

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (ترجمہ) ''شہدائے جنت کے دروازے پر واقع سبز قبے میں ایک نہر بارق ہے۔ ان کی طرف جنت سے صبح وشام رزق پہنچتا ہے۔'' (از مسند احمد، مجمع الزوائد، نہایہ ابن کثیر وغیرہ)

جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ جو روزہ داروں کے لیے مخصوص ہے اس کا نام ریان ہے ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت کی ایک نہر کا نام بھی ریان ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جنت میں ایک نہر ہے جس کا نام ریان ہے اس پر ایک شہر مرجان سے تعمیر کیا گیا ہے۔ جس کے ستر ہزار سونے چاندی کے دروازے ہیں۔ اور یہ حافظ قرآن کے لیے ہے۔''

دنیا میں جنت کی نہریں

صحیح مسلم کے حوالے سے اسی مقام پر ایک روایت نقل کی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں بہنے والے بعض دریا جنت سے نکلے ہیں (واللہ اعلم)۔ روایت یہ ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ترجمہ) ''سیحون جیحون، فرات اور نیل سب جنت کی نہریں ہیں۔'' (حوالہ مذکور از مسلم، احمد، مشکوۃ وغیرہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں پانچ دریاؤں کا ذکر ہے جو جنت سے نکلے ہیں۔ اور ان دریاؤں کا محل وقوع بھی

متعین کیا گیا ہے۔ اس میں عراق کے دریائے دجلہ کا نام بھی شامل ہے۔
جنت کی مذکورہ بالا نہروں کے متعلق روایات مولانا امداد اللہ انور کی تالیف
''جنت کے حسین مناظر'' سے لی گئی ہیں۔ (واللہ اعلم)

ایک اور روایت حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ ترجمہ:
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ''اللہ تعالیٰ نے جنت سے پانچ نہریں نازل فرمائی ہیں۔ 1۔ سیحون، اور یہ ہندوستان کی نہر ہے۔ 2۔ جیحون: یہ بلخ (روس) کی نہر ہے۔ (3 اور 4) دجلہ اور فرات: یہ دونوں عراق کی نہریں ہیں۔ 5۔ نیل: اور یہ مصر کی نہر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت کے چشموں میں سے ایک چشمے سے اتارا ہے۔ پھر ان نہروں کو اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے سپرد کیا۔ زمین پر جاری کیا۔ پھر ان میں ضروریات زندگی کے مطابق لوگوں کے لیے منافع رکھ دیے۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ (قرآن میں) ارشاد فرماتے ہیں۔

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ(۱۸)

(ترجمہ) ''اور ہم نے آسمان سے مقدار کے ساتھ پانی کو اتارا۔ پھر ہم نے اس کو زمین میں ٹھہرایا۔ اور ہم اس کو ختم کر دینے پر قادر ہیں۔ (سورہ مومنون۔ 18)

پھر جب یاجوج ماجوج کے نکلنے کا وقت ہوگا تو اللہ تعالیٰ جبریل، (علیہ السلام) کو نازل فرمائیں گے۔ تو وہ زمین سے قرآن پاک کو اور دین کے تمام علم کو، اور بیت اللہ کے کونے سے حجر اسود کو، مقام ابراہیم کو اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تابوت کو اس میں موجود تمام چیزوں کے ساتھ اور ان پانچ نہروں کو۔ ان سب کو وہ آسمان کی طرف اٹھا کر لے جائیں گے۔ یہی

مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا کہ ''اور ہم اس کو ختم کردینے پر قادر ہیں''
پس جب ان چیزوں کو زمین سے اٹھالیا جائے گا تو زمین پر بسنے والے لوگ
دنیا اور آخرت کی خیر و برکت سے محروم ہوجائیں گے۔ (''جنت کے حسین
مناظر'' 523، بحوالہ سنن دارمی، درمنشور، نہایہ ابن کثیر، تزکرۃ القرطبی وغیرہ)

دنیا میں بہنے والے یہ دریا دنیا کے بڑے دریاؤں میں شمار ہوتے ہیں۔ مولانا
محمد تقی عثمانی نے جہان دیدہ میں لکھا ہے کہ سائنس دانوں کی تحقیقات کے باوجود ان
دریاؤں کے نکلنے کی اصل جگہوں کو (یعنی ان کے منبع کو) دریافت نہیں کیا جاسکا۔
مذکورہ بالا حدیث میں سیحون کو ہندوستان کی نہر فرمایا ہے۔ راقم الحروف نے
ابتدائے جوانی میں اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ دریائے سندھ جنت کا دریا ہے۔
(واللہ اعلم)

جنت کے چشمے

قرآن کریم میں جنت کے چشموں کا ذکر بھی بہت سی آیتوں میں آیا ہے۔ اور
حدیث کی روایات میں ان کی تفصیل آئی ہے۔ قرآن کریم کی متعدد سورتوں میں
جنت کے چشموں اور باغات کا ذکر آیا ہے۔ سورہ رحمٰن میں باغات اور چشموں کا یہ
بیان ملاحظہ فرمائیں (سورہ رحمٰن میں اللہ تعالیٰ نے انسان اور جنات کو مخاطب کرکے
کلام فرمایا ہے):

وَ لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ(۴۶) فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ(۴۷) ذَوَاتَآ
اَفْنَانٍ(۴۸) فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ(۴۹) فِيْهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ(۵۰)
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ(۵۱)

(ترجمہ) اور جو ڈرا اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے اس کے لیے دو

باغ ہوں گے۔ پس (اے جن وانس) تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ وہ دونوں باغ کثیر شاخوں والے ہوں گے۔ پس اے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ان دونوں باغوں میں دو چشمے ہوں گے۔ جو بہتے چلے جائیں گے پس (اے جن وانس) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ اور ان دونوں (باغوں میں) ہر میوے کی دو دو قسمیں ہوں گی۔ (سورہ رحمٰن آیات 46 تا 51)

ان آیات میں جن دو چشموں کا ذکر فرمایا ہے ان کی صفت یہ بیان کی ہے کہ وہ بہنے والے (تجریٰن) ہیں۔ اس کے بعد اگلی آیات میں دو چشموں کا اور ذکر ہے اور ان کی صفت میں ''نضاختان'' کا لفظ ارشاد ہوا ہے۔ نضاختان کے معنی ابلنے۔ اور جوش مارنے کے ہیں۔ سورہ رحمٰن کی ان آیات کا ترجمہ یہ ہے۔

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ (۶۲) فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (۶۳) مُدْهَآمَّتٰنِ (۶۴) فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (۶۵) فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ (۶۶) فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (۶۷) فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّ رُمَّانٌ (۶۸)

''اور ان سے کم درجے کے دو باغ اور ہوں گے۔ پس اے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ان دونوں باغوں میں دو چشمے جوش مارنے والے ہوں گے۔ پس تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ان دونوں باغوں میں میوے (پھل) کھجوریں۔ اور انار ہوں گے۔ (سورہ رحمٰن۔ 62 تا 68)

پہلے جن دو باغوں کا ذکر کیا ہے ان میں چشموں کی صفت تجریان بیان کی ہے اور ان باغوں کے لیے ارشاد ہوا ہے کہ وہ بہت شاخوں والے ہوں گے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کا یہ لازمی اثر ہوگا کہ اس کا سایہ بھی گھنا ہوگا۔ اور پھل بھی

زیادہ ہوں گے۔ ان باغوں میں پھلوں کے بارے میں فرمایا کہ ہر پھل دو قسموں کا ہوگا۔ ان میں پھلوں کی تمام انواع کا بیان ہے۔ اس کے مقابلے میں دوسرے دو باغوں اور دونوں چشموں کے بیان میں فرق ہے۔ چشموں کے بارے میں یہ فرمایا کہ وہ ابلنے والے ہوں گے۔ یہ صفت ہر چشمے میں ہوتی ہے۔ جبکہ دور تک سطح زمین پر جاری رہنے کی صفت ان میں زیادہ ہے۔ اسی طرح دوسرے دو باغوں کے پھلوں میں یہ نہیں فرمایا کہ تمام قسموں کے پھل ہوں گے۔ اس لیے مفسرین نے فرمایا ہے کہ پہلے دو باغوں اور چشموں کی فضیلت اور نعمت اللہ تعالیٰ کے مقربین کے لیے ہیں۔ اور دوسرے دو باغوں اور چشموں کا تعلق اصحاب الیمین یعنی دائیں جانب والے۔ عام اہل جنت سے ہے۔

معارف القرآن کے خلاصہ تفسیر (بیان القرآن) میں درمنثور کے حوالے سے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(ترجمہ) ''دو باغ سونے کے بنے ہوئے ہیں مقربین کے لیے۔ اور دو چاندی کے اصحاب الیمین کے لیے۔''

نیز درمنثور میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے موقوفاً یہ روایت کیا ہے کہ

(ترجمہ) ''پہلے دو باغوں کے دو چشمے جن کے بارے میں تجریان (بہنے والے) فرمایا ہے وہ بہتر ہیں دوسرے باغوں کے چشموں سے جن کے متعلق ''نضاختان'' (ابلنے والے) فرمایا ہے۔

معارف القرآن جلد 8 میں یہ وضاحت ہے کہ مقربین اور اصحاب الیمین کے درجات میں فرق ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اصحاب الیمین ان نعمتوں سے محروم رہیں گے جو مقربین کو ملیں گی۔ ان چشموں اور باغوں کے فرق کی حقیقت میں کیا

کیفیت ہوگی۔ اس کا علم توان شاء اللہ وہاں پہنچ کر ہی ہوگا۔

یہ توان چار چشموں کا ذکر تھا جن کا ذکر سورہ رحمٰن میں آیا ہے۔ دوسری آیات میں دوسرے چشموں کا ذکر آیا ہے۔ مثلاً سورہ مرسلات میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي ظِلَالٍ وَعُيُونٍ (۴۱) وَفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُونَ (۴۲) كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (۴۳) إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ (۴۴)

(ترجمہ) ''بے شک متقی لوگ سایوں میں اور چشموں میں اور میووں میں جن کی وہ خواہش کریں رہیں گے (اور ان سے کہا جائے گا) اپنے اعمال کے صلے میں خوب کھاؤ پیو۔ ہم نیک لوگوں کا ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔''

(سورہ مرسلات آیات۔ 41 تا 44)

اس آیت میں مقربین، اور اصحاب الیمین کی تخصیص نہیں ہے۔ تمام اہل جنت اس میں شامل ہیں۔ اور چشموں کا ذکر جمع کے صیغے میں آیا ہے یعنی بہت سے چشمے ہوں گے۔ سورہ غاشیہ میں اہل جنت کے تروتازہ چہروں کا اور دوسری نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاعِمَةٌ (۸) لِسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ (۹) فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ (۱۰) لَا تَسْمَعُ فِيهَا لَاغِيَةً (۱۱) فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ (۱۲) فِيهَا سُرُرٌ مَرْفُوعَةٌ (۱۳) وَأَكْوَابٌ مَوْضُوعَةٌ (۱۴) وَنَمَارِقُ مَصْفُوفَةٌ (۱۵) وَزَرَابِيُّ مَبْثُوثَةٌ (۱۶)

ترجمہ: بہت سے چہرے اس روز بارونق (دمکتے اور تروتازہ اور اپنے نیک کاموں کی بدولت خوش ہوں گے اونچے باغ (جنت) میں۔ نہیں سنیں گے کوئی لغو بات۔ اور اس (بہشت) میں بہتے ہوئے چشمے ہوں گے۔ اور اس میں اونچے اونچے تخت بچھے ہیں۔ اور آبخورے چنے ہوئے موجود

ہیں۔اور برابر لگے ہوئے گدے تکیے ہیں۔اور سب طرف قالین ہی قالین بچھے پڑے ہیں۔(سورہ غاشیہ آیات 8 تا 16)

اس آیت میں چشموں کا ذکر واحد کے صیغہ میں مگر نکرہ میں آیا ہے۔ چنانچہ ابن کثیر نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ عَینٌ جنس ہے۔ یعنی کثیر تعداد میں چشمے ہوں گے۔اوپر بیان القرآن کا جو ترجمہ دیا گیا ہے اس میں بھی ''بہتے ہوئے چشمے'' ترجمہ کیا گیا ہے۔

یہاں ایک بات قابل توجہ ہے کہ جنت کے باغوں اور چشموں کے ذکر میں اللہ تعالیٰ نے جنت کی ایک ایسی نعمت کا ذکر فرمایا ہے جو حقیقت میں بڑی نعمت ہے۔ فرمایا کہ'' وہاں اہل جنت کوئی لغو اور فضول بات نہیں سنیں گے۔'' یعنی ایسا کوئی کلام نہیں سنیں گے جس سے تکلیف پہنچے۔ گالم گلوچ، الزام تراشی، لعن طعن، غیبت، بدگوئی اور تمسخر وغیرہ سب اس میں شامل ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ لغو کلام بہت سے جھگڑوں اور فسادات کے علاوہ لوگوں کی تکلیف کا سبب بنتے ہیں۔ اس میں گویا یہ اشارہ بھی ہے کہ ایسے کلام سے اگر ہر شخص اپنے آپ کو بچا لے تو اس دنیا میں لوگ بے شمار فتنوں سے امن میں آجائیں۔

چشمہ سلسبیل اور کافور

سورہ دہر میں اہل دوزخ اور اہل جنت کے حالات کا بہت تفصیل سے ذکر آیا ہے۔ اس میں جنت کے چشموں کا بھی ذکر ہے۔ اور بعض چشموں کے نام بھی دیے گئے ہیں۔ چنانچہ سورہ دہر کی دو آیات اور ان کا ترجمہ ملاحظہ کیجیے:

إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِنْ كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا (٥) عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا (٦)

''بے شک ابرار (نیک لوگ) ایسے جام سے (شرابیں) پئیں گے جس میں کافور کی آمیزش ہوگی۔ (ایک) ایسے چشمے سے جس سے اللہ کے (خاص) بندے نوش کریں گے۔ اور جس کو (وہ بندے جہاں چاہیں گے) بہا کر لے جائیں گے۔'' (سورہ دہر آیت 5، 6)

اس آیت میں اہل جنت کی شراب کا ذکر ہے جس میں کافور کی آمیزش ہوگی۔ اور وہ ایسے چشمے سے پئیں گے جس سے اللہ کے خاص بندے پیا کریں گے۔ بیان القرآن میں اس کی تشریح میں لکھا ہے کہ یہ دنیا کا، کافور نہیں ہے بلکہ جنت کا کافور ہے جو سفیدی، ٹھنڈک فرحت اور تقویت دل و دماغ میں اس کا شریک ہے۔

معارف القرآن میں ہے کہ ''بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ کافور جنت کے ایک چشمے کا نام ہے۔ اس شراب میں لذت و کیف بڑھانے کے لیے اس چشمہ کا پانی شامل کیا جائے گا۔''

اس آیت میں اس چشمے کی ایک خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ اللہ کے وہ خاص بندے اس چشمے کو جہاں چاہیں گے بہا کر لے جائیں گے۔

بیان القرآن میں ہے کہ ''یہ جنتیوں کی ایک کرامت ہوگی کہ انہار جنت (جنت کی نہریں) ان کے تابع ہوں گی۔ جیسا کہ در منثور میں ابن شوذب سے مروی ہے کہ جنتیوں کے ہاتھ میں سونے کی چھڑیاں ہوں گی وہ چھڑیوں سے جس طرف اشارہ کردیں گے۔ نہریں اسی طرف چلنے لگیں گی۔ (معارف القرآن جلد 8)

اس کے بعد ''ابرار'' کی صفات بیان کی گئی ہیں کہ یہ اپنی منتوں کو پورا کرتے ہیں۔ اور اس دن کی برائی سے ڈرتے ہیں جس کی برائی پھیل پڑے گی اور کھانا کھلاتے ہیں اس کی محبت پر مسکین کو، یتیم کو اور قیدی کو۔ (یعنی مال کی محبت کے باوجود اس کو فی سبیل اللہ خرچ کرتے ہیں۔) پھر ان لوگوں کی فکر آخرت کا بیان

کرنے کے بعد، ان کے لیے جنت کی نعمتوں کی ایک پوری فہرست بیان کی گئی ہے۔ ان کے لباس، ان کے چہروں کی خوب صورتی اور رونق، ان کے تخت اور جنت کے موسم کا بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنجَبِيلًا(١٧) عَيْنًا فِيهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيلًا(١٨)

ترجمہ: ''ان کو (علاوہ کافور ملائی ہوئی شراب کے) ایسا جام شراب پلایا جائے گا۔ جس میں زنجبیل (سونٹھ) کی آمیزش ہوگی۔ (یعنی منہ کا مزہ بدلنے اور لذت کو بڑھانے کے لیے سونٹھ ملی شراب سے مہمانی کی جائے گی) ایسے چشمے سے جس کا نام سلسبیل (مشہور) ہوگا۔'' (سورہ دہر آیات 18،17)

اس آیت میں سلسبیل کے چشمے کا بیان ہے۔ اس آیت اور پچھلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ پچھلے چشمے میں کافور کی آمیزش ہوگی اور اس آیت میں جس چشمے کا ذکر ہے اس میں سونٹھ کی آمیزش ہوگی۔ دونوں کی لذت و سرور اور طاقت و تازگی کے اثرات ایک دوسرے سے مختلف ہوں گے۔

چشمہ تسنیم

قرآن کریم میں جنت کے ایک اور خاص چشمے کا ذکر آیا ہے جس کا نام ''تسنیم'' ہے۔ مفسرین کا بیان ہے کہ تسنیم دراصل جنت کی سب سے زیادہ بہتر اور عمدہ شراب ہوگی اور اس شراب کا جنت میں ایک چشمہ ہوگا۔ اس چشمے سے مقربین شراب پئیں گے اور اصحاب الیمین کے لیے جو شراب پیش کی جائے گی اس میں اس چشمے کی شراب یعنی تسنیم کی آمیزش کی جائے گی۔ سورہ المطففین میں اس تفصیل کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ(۲۲) عَلَی الْاَرَآئِکِ یَنْظُرُوْنَ(۲۳) تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِیْمِ(۲۴) یُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِیْقٍ مَّخْتُوْمٍ(۲۵) خِتٰمُهٗ مِسْکٌ ط وَفِیْ ذٰلِکَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ(۲۶) وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِیْمٍ(۲۷) عَیْنًا یَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ(۲۸)

(ترجمہ) ''بلاشبہ نیک لوگ نعمتوں میں ہوں گے۔ مسہریوں پر (بیٹھے جنت کے عجائبات) دیکھتے ہوں گے (اے مخاطب!) تو ان کے چہروں میں۔ آسائش کی بشاشت پہچانے گا اور ان کو پینے کے لیے شراب خالص سر بہ مہر (سیل بند) ملے گی۔ جس پر مشک کی مہر ہوگی۔ اور حرص کرنے والوں کو ایسی چیز کی حرص کرنی چاہیے۔ اور اس شراب کی آمیزش تسنیم سے ہوگی۔ یعنی ایسے چشمے سے جس سے مقرب بندے پئیں گے۔'' (سورہ المطففین آیات 22 تا 28)

معلوم ہوا کہ تسنیم جنت میں سب سے اعلیٰ شراب کا چشمہ ہے۔

مذکورہ بالا تمام آیات میں شراب کے ساتھ مختلف آمیزشوں کا ذکر ہے۔ کافور کی آمیزش ہے۔ کہیں سونٹھ کی اور کہیں تسنیم کی۔ عربوں میں بھی یہ دستور تھا۔ دنیا میں جہاں شراب عام ہے وہاں بھی یہ دستور ہے کہ شراب کے ساتھ مقاصد کے لیے دوسری چیزیں ملائی جاتی ہیں۔ جنت میں بھی جو شراب دی جا... اس میں بھی کبھی کافور کی آمیزش ہوگی اور کبھی سونٹھ یا تسنیم کی۔ جس سے اس کی سرور و طاقت و توانائی میں اضافہ ہوگا۔ قرآن کریم میں پیش کی جانے والی شراب کی ایک صفت ''طہور'' بیان کی گئی ہے۔ یعنی پاک کرنے والی۔ روایات میں ہے کہ جنت کی شراب میں لذت و سرور تو مکمل ہوگا۔ مگر عقل و دماغ پر اس کا کو... اثر نہیں ہوگا۔ جو دنیا کی شرابوں کا خاصہ ہے۔

اس آیت میں اللہ رب العالمین نے اپنے بندوں کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ

''حرص کرنے والوں کو ایسی چیز کی حرص کرنی چاہیے''

اس آیت میں حرص کے لیے تنافس کا لفظ استعمال کیا ہے۔ تنافس کے معنی معارف القرآن میں یہ دیے گئے ہیں کہ کسی خاص مرغوب اور محبوب چیز کو حاصل کرنے کے لیے چند آدمیوں کا آپس میں جھپٹنا اور دوڑنا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس غفلت کی طرف متوجہ فرمایا ہے کہ آج تم جن چیزوں کو محبوب اور مطلوب سمجھ کر آپس میں حرص و مقابلہ کرتے ہو۔ یہ ناقص اور فانی نعمتیں اس قابل نہیں ہیں کہ ان کی حرص میں اپنی توانائیاں خرچ کرو۔ حرص کرنی ہی ہے تو پھر ایسی نعمتوں کی کرو جو نہ ناقص ہیں اور نہ فانی۔

صحابہ کرام اور اہل اللہ نے اس راز کو خوب سمجھا تھا۔ یہی وہ مقربین ہیں جن کے لیے قرآنی آیات میں ان عجیب وغریب نعمتوں کا ذکر بار بار آیا ہے۔ یا اللہ! یا غفور الرحیم! آپ کے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ہدایت کی ہے کہ ہم آپ سے جنت الفردوس مانگا کریں۔

اَللّٰھُمَّ اَنا نَسئَلُکَ الجَنَّۃِ وَمَا قَرّبَّ اَلَیھَا مِن قَولٍ او فِعلٍ

جنت کی تفصیلات اتنی عجیب وغریب ہیں کہ ان کو پڑھ کر آدمی حیرت وتعجب کی ایک ایسی کیفیت سے دوچار ہوتا ہے جو اس دنیا کے تمام مشاہدوں اور تجربوں کے خلاف معلوم ہوتے ہیں اور یہی حیرت بعض لوگوں کے ذہنوں میں تذبذب اور شکوک پیدا کر دیتی ہے۔ لیکن کیا کیجیے کہ قرآن کریم کی وضاحتیں ناقابل انکار بھی ہیں اور لاریب فیہ (اس میں کوئی شک نہیں ہے) کا اعلان بھی۔

اس سے پہلے کہ میں اہل جنت کے حسن و جمال، قد وقامت، ان کی رہائش گاہوں اور محلات، ان کی بیویوں اور خادموں، ان کے اہل وعیال اور ان کی پاکیزہ

عادتوں کا بیان کیا جائے، جنت کی سرزمین، وہاں کے مناظر اور ماحول کی تفصیلا
کا ذکر مکمل کرنا ضروری ہے۔ سورہ رحمٰن کی بعض آیات کے حوالے سے جنت
باغات اور چشموں کا بیان مختصراً گزر چکا ہے۔ اسی سورت میں جنت کی بہت
نعمتوں کا ذکر ہے۔ اور اس کے درختوں کی بعض صفات کا بیان آیا ہے۔ متعلق
آیات کا ترجمہ پہلے ملاحظہ فرمائیے۔ یہاں اختصار کے پیش نظر اس جملے کا ترجم
دہرانے کے بجائے صرف نعمتوں کی آیات کا ترجمہ پیش خدمت ہے:

''جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہا۔ اس کے لیے دو با
ہوں گے...... وہ دونوں باغ کثیر شاخوں والے ہوں گے...... ان دونوں باغو
میں دو چشمے ہوں گے۔ جو بہتے چلے جائیں گے...... ان دونوں باغوں میں ہر پھل
دو دو قسمیں ہوں گی...... وہ لوگ تکیہ لگائے اپنے بستروں پر بیٹھے ہوں گے۔ جن
استر کمخواب موٹے ریشم کے ہوں گے۔ اور ان دونوں باغوں کا پھل نزدیک
ہوگا...... ان میں نیچی نگاہ والیاں ہوں گی جن پر ان لوگوں سے پہلے (اہل جنت
پہلے) نہ کسی انسان نے تصرف کیا ہوگا۔ نہ کسی جن نے...... گویا وہ (عورتیں) یاقو
اور مرجان ہیں۔ پس اے جن وانس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منک
ہو جاؤ گے۔'' (سورہ رحمٰن آیت 45 تا 58)

جنت کے درخت

ان آیات میں اہل جنت کے لیے تیار جہاں دوسری نعمتوں کا ذکر ہے۔ وہاں کے درختوں کی ایک صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ ''ان دونوں باغوں کا پھل نزدیک ہو گا۔'' پھلوں کے نزدیک ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اس کی تفصیل روایات میں بھی آئی ہے اور قرآن کریم کی بعض آیات میں بھی اس کا بیان آیا ہے۔ معالم التنزیل کے حوالے سے مولانا عاشق الٰہی مہاجر مدنی رحمتہ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں یہ روایت نقل کی ہے۔

''حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جنت میں پھل کا درخت اللہ کے دوستوں (اہل جنت) کے قریب خود آ جائے گا۔ چاہیں گے تو کھڑے ہو کر پھل توڑیں گے۔ اور چاہیں گے تو بیٹھے ہی بیٹھے لے لیں گے۔'' (''مرنے کے بعد کیا ہوگا'' صفحہ 310) حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''جنتیوں کے ہاتھ نہ تو (درختوں کی) دوری کی وجہ سے پھلوں سے محروم ہوں گے۔ نہ کانٹوں کی وجہ سے (کیونکہ درخت خود قریب آ جائیں گے اور کانٹے دار بھی نہیں ہوں گے)۔''

سدرۃ المنتہیٰ

سدرۃ المنتہیٰ جنت میں بیری کا مشہور درخت ہے جس کا ذکر پہلے ضمنی طور پر ہو چکا ہے ''سدرۃ'' بیری کو کہتے ہیں اور ''منتہیٰ'' آخری حد کو کہتے ہیں۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عام فرشتوں کی رسائی کی یہ آخری حد ہے قرآن کریم میں اس کا بیان سورہ نجم میں واقعہ معراج کے تحت آیا ہے۔ اس کا مقام ساتویں آسمان پر

عرش رحمٰن کے نیچے ہے۔ مسلم کی ایک روایت میں اس کا مقام چھٹے آسمان پر بتایا ہے۔ مفسرین نے ان دونوں روایتوں میں مطابقت یہ کہہ کر فرمائی ہے کہ اس کی جڑ چھٹے آسمان پر اور شاخیں ساتویں آسمان پر ہیں۔ روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام عرش رحمٰن سے سدرۃ المنتہیٰ پر نازل ہوتے ہیں۔ یہاں سے متعلقہ فرشتوں کے سپرد ہوتے ہیں اور زمین سے آسمان پر جانے والے اعمال نامے بھی فرشتے یہیں تک پہنچاتے ہیں۔ وہاں سے حق تعالیٰ کے حضور پیشی کی کوئی اور صورت ہوتی ہے (ماخوذ از معارف القرآن بحوالہ مسند احمد)۔ قرآن میں ہے کہ اسی درخت کے قریب جنت الماویٰ ہے۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک صحابی آئے جو دیہات کے رہنے والے (اعرابی) تھے۔ انہوں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! (قرآن شریف میں) اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے درخت کے متعلق جو تکلیف دینے والا ہے یہ خبر دی ہے کہ وہ جنت میں ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا وہ کون سا درخت ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ بیری کا درخت (اس کا ذکر سورۃ واقعہ میں بھی آیا ہے) چونکہ بیری کے درخت میں کانٹے ہوتے ہیں۔ اس لیے تکلیف دیتا ہے۔ اور پھل توڑنے میں زحمت ہوتی ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فی سدر مخضود (بغیر کانٹوں کی بیریاں) نہیں فرمایا؟ بلاشبہ ان بیریوں سے ایسے پھل نکلتے ہیں جن کے پھل کے پھٹ جانے سے بہتر (72) رنگ کے کھانے نکل پڑتے ہیں۔ ایک رنگ دوسرے کے مشابہ نہیں ہوتا۔

(''مرنے کے بعد کیا ہوگا'' صفحہ 314 از تفسیر ابن کثیر)

سدرۃ المنتہیٰ کے سائز اور اس کی لمبائی کے بارے میں ترمذی کی ایک یہ

روایت ملاحظہ کیجیے:

حضرت اسما بنت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے سدرۃ المنتہیٰ کا ذکر کیا اور فرمایا، بہترین سوار اس کی شاخوں کے سائے تلے سو سال تک چلے گا۔ یا سو سال اس کے سایہ میں بیٹھے گا۔ اس کا فرش سونے کا ہے۔ اس کے پھل مٹکوں کی طرح ہیں۔ (''جنت کے حسین مناظر'' از ترمذی، تذکرۃ القرطبی، نہایہ ابن کثیر طبرانی وغیرہ)

اس کے علاوہ ایک اور روایت میں سدرۃ المنتہیٰ کے پھلوں اور اس سے نکلنے والی نہروں کا ذکر صحیح حدیث میں ملتا ہے۔ روایت یہ ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ''جب مجھے (معراج کی رات) ساتویں آسمان میں سدرۃ المنتہیٰ کی طرف لے جایا گیا۔ تو اس کے بیر ہجر کے مٹکوں کی طرح (بڑے اور موٹے) تھے۔ اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی طرح تھے۔ اس کے تنے سے دو ظاہری نہریں نکلتی ہیں اور دو باطنی نہریں۔ میں نے پوچھا، اے جبریل یہ (باطنی اور ظاہری نہریں) کیا ہیں؟ فرمایا باطنی تو جنت میں ہیں۔ اور ظاہری (نہریں دنیا میں) دریائے نیل اور دریائے فرات ہیں۔ (حوالہ بالا، از مسلم و بخاری فی بداء الخلق، تذکرۃ القرطبی وصفتہ الجنہ)

اس حدیث سے سدرۃ المنتہیٰ کے ساتویں آسمان پر ہونے کی تصدیق ہوتی ہے۔

جنت میں درختوں کی لکڑی نہیں ہوگی

پہلے کسی جگہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل ہو چکا ہے کہ جنت میں

درختوں کے تنے سونے کے ہوں گے۔ اور بعض درختوں کے تنوں کا چاندی کا ہونا بھی روایات میں آیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جنت میں کوئی درخت ایسا نہیں مگر اس کا تنا سونے کا ہے۔'' (حوالہ بالا، از ترمذی، ابن حبان وغیرہ)

درختوں کے تنوں اور شاخوں کا سونے چاندی یا زمرد و یاقوت کا ہونے کا لازمی نتیجہ یہی ہونا چاہیے کہ جنت میں لکڑی کا وجود نہ ہو۔ کیونکہ لکڑی درختوں ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ لیکن یہ بیان کہ جنت میں لکڑی نہیں ہوگی محض اس قیاس پر مبنی نہیں ہے بلکہ ایک روایت سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

حضرت جریر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ ہمارا قافلہ صفاح کے مقام پر اترا تو وہاں ایک شخص درخت کے نیچے سو رہا تھا۔ سورج کی دھوپ اس تک پہنچنے ہی والی تھی۔ میں نے غلام سے کہا تم اس کے پاس یہ چمڑے کا فرش لے جاؤ۔ اور اس پر سایہ کردو۔ چنانچہ وہ چلا گیا۔ اور اس پر سایہ کردیا۔ جب وہ شخص بیدار ہوا تو وہ حضرت سلمان فارسیؓ تھے۔ چنانچہ میں ان کو سلام کرنے کے لیے آیا انہوں نے فرمایا! اے جریر! اگر تم اتنی سی لکڑی بھی جنت میں طلب کرو تو تمہیں یہ بھی نہ ملے۔ میں نے کہا، اے ابو عبداللہ یہ کھجور اور درخت کہاں جائیں گے۔ فرمایا۔ ان کی جڑیں لُولُو اور سونے کی ہوں گی۔ جن کے اوپر کے حصے میں پھل لگے ہوں گے۔ (حوالہ مذکور از درمنثور، البدور السافرہ، البعث والنشور)

شجرۂ طوبیٰ

جنت کے ایک درخت کا نام طوبیٰ ہے۔ اس کی عجیب وغریب خصوصیات روایات میں آئی ہیں، حضرت عتبیٰ بن عبد اسلمیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دیہاتی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور آپؐ سے حوض کے متعلق اور جنت کے متعلق سوال کیا۔ پھر اس دیہاتی نے سوال کیا کہ کیا جنت میں میوے (پھل) بھی ہوں گے؟ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا، ہوں گے اور جنت میں ایک درخت ہوگا جس کو طوبیٰ کا نام دیا جاتا ہے۔ پھر آپ نے (اس کی) کچھ وضاحت فرمائی۔ مگر مجھے معلوم نہیں کہ وہ وضاحت کیا تھی۔ تو اس دیہاتی نے کہا، ہماری زمین میں کون سا درخت اس کے مشابہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا، یہ شام کے ایک درخت سے مشابہت رکھتا ہے۔ جس کو ناریل کا درخت کہا جاتا ہے۔ یہ ایک ہی تنے پر اٹھتا ہے۔ اس کا اوپر کا حصہ پھیل جاتا ہے۔ اس نے (دیہاتی نے) عرض کیا۔ اس کی جڑ کتنی موٹی ہے۔ فرمایا، اگر تمہارے رشتہ داروں کا پانچ سالہ (جوان) اونٹ (اس کے گرد) چلتا رہے تو اس کی جڑ کے گرد نہ گھوم سکے۔ بلکہ بوڑھا ہو جانے کی وجہ سے اس کی ہنسلی کی ہڈی بھی ٹوٹ جائے۔ (حوالہ مذکور از ابن حبان، صفۃ الجنۃ، ابن کثیر وغیرہ)

ایک روایت میں ہے کہ جنت کے درخت طوبیٰ کے شگوفوں سے اہل جنت کے لباس نکلیں گے روایت کا ترجمہ یہ ہے: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! اس آدمی کے لیے (طوبیٰ) خوشخبری ہو۔ جس نے آپ کی زیارت کی ہو۔ اور آپ پر ایمان لایا ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس شخص

کے لیے طوبیٰ ہو جس نے میری زیارت کی اور مجھ پر ایمان لایا۔ پھر طوبیٰ ہو۔ پھر طوبیٰ ہو۔ پھر طوبیٰ ہو۔ تو اس شخص نے عرض کیا۔ یہ طوبیٰ کیا ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا، جنت میں ایک درخت، جس کی مسافت سو سال کی ہے۔ جنت والوں کے کپڑے اس کے شگوفوں سے نکلیں گے۔

سورۂ رعد میں اہل ایمان اور عمل صالح کرنے والوں کے لیے طوبیٰ کے ساتھ اچھے ٹھکانے کا وعدہ فرمایا ہے:

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ(۲۹)

ترجمہ: ''جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے۔ ان کے واسطے طوبیٰ (خوش حالی) ہے اور اچھا ٹھکانہ ہے۔'' (سورۃ رعد آیات 29)

اس آیت کی تفسیر میں حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ (طوبیٰ) جنت کا ایک درخت ہے اس پر عورتوں کے سینوں کے برابر پھل ہوں گے۔ انہیں میں جنتیوں کی پوشاکیں ہوں گی۔ (از صفتہ الجنہ ابونعیم)

جنت میں محلات تعمیر کیجیے اور درخت لگایئے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ''ہر مومن مرد اور ہر مومن عورت کا جنت میں ایک وکیل مقرر ہے۔ اگر وہ قرآن پاک کی تلاوت کرتا (یا کرتی) ہے تو فرشتہ اس کے لیے محلات تعمیر کرتا ہے اور اگر تسبیح پڑھتا (یا پڑھتی) ہے تو اس کے لیے (جنت میں) درخت لگاتا ہے اور اگر وہ (تلاوت و تسبیح سے) رک جاتا ہے تو وہ (فرشتہ) بھی رک جاتا ہے۔''

(''جنت کے حسین مناظر'' از بخاری، تاریخ کبیر، کنز العمال، ابن حبان وغیرہ) اس حدیث کو بخاری کی تاریخ کبیر کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

ایک روایت میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ختم قرآن کے وقت دعا قبول ہوتی ہے اور (انعام) میں جنت کا ایک عظیم الشان درخت عطا کیا جاتا ہے۔'' (حوالہ مذکور از بیہقی شعب الایمان، بدور السافرہ، کنز العمال وغیرہ)

ایک اور روایت میں تلاوت قرآن کے انعام میں ایک خاص درخت ہونے کا بیان ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس شخص نے قرآن پاک کو دیکھ کر یا حافظے سے (بغیر دیکھے) تلاوت کیا تو اللہ تعالیٰ جنت میں اس کو ایک ایسا درخت عطا فرمائیں گے کہ اگر کوّا اس کی ٹہنیوں کو چھوڑ کر اڑتے تو اس کے پتے کا فاصلہ طے کرنے سے پہلے اس پر بڑھاپا طاری ہو جائے۔'' (حوالہ بالا حاکم، البزاد، مجمع الزوائد، کنز العمال وغیرہ)

جنت کے پھل

جنت میں اہل جنت کا کھانا پینا بھوک اور پیاس مٹانے کے لیے نہیں ہوگا۔ بلکہ لذت و سرور اور ذائقے کے لیے ہوگا۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ جنت کے پھلوں، کھانوں اور مشروبات کا ذکر آیا ہے، جو پہلے بیان ہو چکا ہے۔

سورہ واقعہ میں جنت کے پھلوں کی یہ صفت بیان فرمائی ہے:

وَّ فَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ(۳۲) لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّ لَا مَمْنُوْعَةٍ(۳۳)

(ترجمہ) ''اور کثرت سے میوے ہوں گے۔ جو نہ ختم ہوں گے۔ (جیسے دنیا میں فصل ختم ہونے سے پھل ختم ہو جاتے ہیں) اور نہ (ان پر) روک ٹوک

ہوگی۔'' یعنی ان کے حاصل کرنے میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ ہوگی۔ (سورہ واقعہ۔آیات 32،33)

سورہ محمد میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ

وَ لَهُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ (۱۵)

(ترجمہ) ''ان (اہل جنت) کے لیے وہاں ہر قسم کے پھل ہوں گے اور ان کے رب کی طرف سے بخشش ہوگی۔'' (سورہ محمد 15)

غرض قرآن کریم میں جنت کے پھلوں کا ذکر کثرت سے آیا ہے اور بعض پھلوں کا نام لے کر بھی ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً قرآن کریم میں جنت کے انگوروں، کھجوروں، اناروں اور بیروں کا ذکر تو نام لے کر کیا گیا ہے۔ لیکن دوسری آیات میں وضاحت سے فرمایا ہے کہ وہاں اہل جنت کے لیے ہر قسم کے پھل ہوں گے۔ بعض پھلوں کی خصوصیات بھی احادیث میں بیان فرمائی گئی ہیں۔

جنت کے انگور اور کھجوریں

صحیح بخاری اور مسلم کے حوالے سے مشکوٰۃ شریف میں نقل کیا گیا ہے کہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سورج گرہن ہوگیا۔ آپ نے صلوٰۃ الخسوف (گرہن کی نماز) پڑھائی۔ جو بہت لمبی نماز تھی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا تو سورج صاف ہو چکا تھا۔ سلام کے بعد فرمایا ''بلاشبہ سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ کسی کے مرنے جینے کی وجہ سے ان کو گرہن نہیں ہوتا بس جب تم چاند، سورج کا گرہن دیکھو تو اللہ کا ذکر کرو۔ صحابہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ہم نے دیکھا کہ (نماز کے دوران) آپ نے اپنی اسی جگہ (کھڑے کھڑے) کچھ لینا

چاہا۔ پھر ہم نے دیکھا کہ آپ پیچھے ہٹے؟ (یہ کیا بات تھی؟) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا میں نے (یہیں کھڑے کھڑے) جنت دیکھی۔ لہٰذا میں نے اس میں سے ایک خوشہ لینے کا ارادہ کیا اور اگر میں ایک خوشہ لے لیتا تو جب تک دنیا باقی رہتی تم اس میں سے کھاتے رہتے۔

(''مرنے کے بعد کیا ہوگا'' ص312، از مشکوٰۃ بحوالہ بخاری و مسلم)

اس حدیث سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جنت کے پھل کتنے بڑے بڑے ہیں۔ اس حدیث میں خوشے سے مراد انگور کا خوشہ ہے۔ چنانچہ اس کی وضاحت دوسری حدیث سے ہوتی ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میرے سامنے جنت پیش کی گئی تو میں نے تم کو دکھانے کے لیے انگوروں کا ایک خوشہ لینا چاہا۔ پس (اللہ کی حکمت ایسی ہوئی کہ) میرے اور خوشے کے درمیان آڑ لگا دی گئی۔ لہٰذا میں نہ لے سکا۔ ایک شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ! (جنت کے) انگور کے ایک دانے کا رس کتنا ہوگا۔ فرمایا کہ تیری والدہ نے سب سے بڑا ڈول (جو کبھی) چمڑہ کاٹ کر بنایا ہو۔ (حوالہ مذکور از الترغیب والترہیب، اسناد حسن کے ساتھ)

اس حدیث سے بھی جنت کے انگوروں کے سائز کا اندازہ ہوتا ہے کہ صرف انگور کے ایک دانے کا رس اتنا ہوگا کہ اس سے چمڑے کا ایک بڑا ڈول بھر جائے گا۔

ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن ابی الہذیل رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ ملک شام میں یا عمان میں تھے۔ آپس میں جنت کا ذکر ہونے لگا تو حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ بلاشبہ جنت کے انگوروں میں سے ایک انگور اتنا بڑا ہے جتنی دور یہاں سے صنعاء ہے۔ (حوالہ بالا 313)

الترغیب والترہیب عن ابی الدنیا)۔

جنت کی کھجوروں کے بارے میں یہ روایت نقل کی گئی ہے:

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جنت کی کھجوروں کی لمبائی بارہ ہاتھ ہے(اور) ان میں گٹھلی نہیں ہے۔(حوالہ مذکور)

جنت کے انار

سورہ رحمٰن میں اللہ تعالیٰ نے جنت کی کھجور اور انار کا نام لے کر بیان فرمایا ہے۔ارشاد ہے:

فِيهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّ رُمَّانٌ(٦٨)

ترجمہ: ''ان دونوں باغوں میں میوے اور کھجوریں اور انار ہوں گے۔''

(سورہ رحمٰن آیت 68)

انار کی بڑائی اور خوبی کا ذکر ایک روایت میں آیا ہے۔ترجمہ یہ ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنت کے اناروں میں سے ایک انار کے گرد بہت سے لوگ بیٹھ کر اس سے تناول کریں گے جب ان میں سے کسی کے سامنے کسی چیز کا ذکر چھڑے گا جس کی اس کو خواہش ہوگی۔تو وہ اس کو اپنے ہاتھ میں موجود پائے گا۔جہاں سے وہ کھا رہا ہوگا۔

(''جنت کے حسین مناظر'' 558 از ابن ابی الدنیا، صفۃ الجنہ، درمنثور بدور السافرہ)

جنت کے انار کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

''میں نے جنت میں دیکھا تو اس کے اناروں میں سے ایک انار پلان کسے ہوئے اونٹ کی طرح (موٹا) تھا۔ (حوالہ مذکور از ابن ابی حاتم،

بدو السافرہ، درمنثور)

صحیح سند کے ساتھ طبرانی کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے انار کے ایک دانے کو اٹھایا اور اس کو کھایا۔ ان سے کہا گیا آپ نے ایسا کیوں کیا؟ فرمایا مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ زمین کے ہر انار میں جنت کے دانوں میں سے ایک دانہ ڈالا جاتا ہے۔ شاید کہ یہ وہی ہو۔ (حوالہ مذکور، از طبرانی البدور السافرہ، کنز العمال) واللہ اعلم۔

سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

وَ بَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَ اُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَ لَهُمْ فِیْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙۗ وَّ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ (۲۵)

ترجمہ: ''اور آپ خوش خبری سنا دیں ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے اس بات کی کہ ان کے لیے بہشتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ جب بھی کوئی پھل ان جنتوں میں سے ان کو کھانے کو ملے گا تو ہر بار کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو اس سے پہلے ہم کو مل چکا ہے اور ان کے پاس (شکل و صورت میں) ملتے جلتے پھل لائے جائیں گے اور ان کے لیے وہاں پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔'' (سورہ بقرہ آیت 25)

ابن کثیر نے اس کی تفسیر میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ سے یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ جنتی پھل کی صورت دیکھ کر کہیں گے کہ یہ پھل تو ہم نے دنیا میں دیکھا تھا۔ لیکن جب اس کو کھائیں گے تو معلوم ہوگا کہ صرف شکل و صورت میں مشابہ ہے جبکہ مزہ کچھ اور ہی ہے۔ اس کے علاوہ ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ کا یہ قول بھی نقل ہے کہ ''جو کچھ

(پھل) جنت میں ہیں اس میں سے دنیا میں صرف نام ہی ہیں۔" (''جنت کے حسین مناظر'' از البدور السافرہ بحوالہ ابن جریر)

خلاصہ یہ ہے کہ جنت کے پھل اگرچہ شکل وصورت میں دنیا کے مشابہ ہوں گے لیکن اپنے سائز، ذائقے اور لذت میں ان کا دنیا کے پھلوں سے کوئی مقابلہ نہیں۔ اس دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک سے ایک لذیذ پھل عطا فرمایا ہے پھلوں کی عام انواع واقسام ہر جگہ پیدا نہیں ہوتیں۔ بہت سے پھل ایسے ہیں کہ ایک ملک کے لوگ ان کے ناموں تک سے واقف نہیں ہیں اور دوسرے ملک میں کثرت سے ہوتے ہیں اس دنیا میں پیدا ہونے والے پھل بھی حقیقت میں جنت کے پھلوں کا شوق دلانے کے لیے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہیں۔ چنانچہ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے پھلو کی اصل بھی جنت سے آئی ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، (ترجمہ) ''اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب آدم (علیہ السلام) کو جنت سے باہر نکالا تو ان کو جنت کے پھلوں کا توشہ عطا فرمایا، اور ہر شے کی صنعت کی تعلیم دی پس تمہارے یہ پھل جنت کے پھلوں میں سے ہیں سوائے اس کے کہ یہ (دنیا کے پھل) خراب ہو جاتے ہیں اور جنت کے خراب نہیں ہوں گے۔'' (حوالہ مذکور از نہایہ ابن کثیر، البدور السافرہ، درمنثور وغیرہ)

جنت میں کھیتی باڑی

قرآن کریم نے ایک بہت ہی مختصر سے جملے میں جنت کی تمام نعمتوں کو بیان فرما دیا ہے ارشاد فرمایا

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيٓ اَنفُسُكُم

(ترجمہ) ''اور تمہارے لیے اس (جنت) میں وہ سب کچھ ہے جس کو تمہارے دل چاہیں۔'' (سورہ حٰم السجدہ۔آیت 31)

لیکن صحابہ کرام اکثر اپنے اپنے ذوق کے مطابق جنت میں مختلف نعمتوں کے بارے میں سوال فرمایا کرتے تھے۔ مثلاً ایک صحابی نے سوال کیا تھا کہ کیا جنت میں گھوڑے ہوں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تجھے یاقوت کے گھوڑے پر سوار کیا جائے گا۔ اسی طرح جنت میں ایک شخص اللہ تعالیٰ سے کھیتی باڑی کرنے کی اجازت طلب کرے گا۔ روایت کا ترجمہ یہ ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک دیہاتی صحابی بیٹھے ہوئے تھے اور آپ یہ بات بیان فرما رہے تھے کہ جنتیوں میں سے ایک شخص اپنے پروردگار سے کھیتی کرنے کی اجازت طلب کرے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کیا تو ان نعمتوں میں نہیں (رہتا) ہے جو حسب خواہش تجھے ملی ہوئی ہیں۔ وہ کہے گا۔ ہاں (سب کچھ ہے) مگر میرا دل چاہتا ہے (چنانچہ اس کو اجازت دی جائے گی) اور وہ زمین میں بیج ڈالے گا تو پلک جھپکنے سے پہلے ہی سبزہ اگ جائے گا اور بڑھ جائے گا اور کھیت تیار ہو کر کٹ بھی جائے گا اور پہاڑوں کے برابر انبار لگ جائیں گے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اے آدم کے بیٹے یہ لے لے۔ تیری حرص کا پیٹ کوئی چیز نہیں بھرتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر ایک گاؤں والے صحابی نے عرض کیا: خدا کی قسم! وہ شخص قرشی یا انصاری ہوگا۔ اس لیے کہ یہی لوگ زراعت پیشہ ہیں ہمارا پیشہ تو زراعت نہیں ہے۔ (بھلا) ہم کیوں ایسی درخواست کرنے لگے۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسی آ گئی۔ (''مرنے کے بعد کیا ہوگا'' از مشکوٰۃ بہ حوالہ بخاری)

اس اعرابی کی صاف گوئی اور سادہ لوحی میں ظرافت کا پہلو بھی نمایاں ہے۔
خلاصہ یہ ہے کہ جنت میں ہر شخص کو وہ سب کچھ بھی ملے گا جس کی وہ خواہش کرے گا اور وہ نعمتیں بھی ملیں گی جو اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے مزید عطا فرمائیں گے قرآن و حدیث میں ان نعمتوں کے بیان کا مقصد ہی یہ ہے کہ انسان میں شوق آخرت پیدا ہو اور وہ اس دنیا میں جس کو آخرت کی کھیتی کہا گیا ہے عمل کا بیج بو کر جائے تا کہ آخرت میں پہنچ کر لازوال نعمتوں کی فصل کاٹ سکے۔ (واللہ اعلم)

اہل جنت کا قد وقامت اور حسن

جنت کے بارے میں اب تک جو گفتگو ہوئی وہ ان چیزوں سے متعلق تھی جو جنت کا ایک نقشہ پیش کرتی ہیں۔ مثلاً دروازے، دیواریں، نہریں، دریا، پہاڑ، موسم، درخت اور ان کے پھل وغیرہ۔ اہل جنت کے قد وقامت، ان کی خوبصورتی، جنت میں ان کے عیش وعشرت اور ان کے کھانوں اور مشروبات کا ذکر ضمنی طور پر آیا ہے۔ قرآن کریم اور روایات میں اہل جنت کی معاشرتی زندگی کے بہت سے پہلوؤں کا ذکر بھی آیا ہے۔

صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ہے کہ ''جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان کا قد ساٹھ ہاتھ کا تھا۔ اور جنت میں جو بھی داخل ہوگا اس کا قد ساٹھ ہاتھ کا ہوگا۔'' (''مرنے کے بعد کیا ہوگا'' ص 302 از بخاری باب خلق آدم)

ساٹھ ہاتھ کا مطلب ساٹھ فٹ سے زیادہ ہوگا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس دنیا میں سات ساڑھے سات فٹ لمبا قد ہی اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ بلکہ برا لگتا ہے اور لوگ تعجب سے اس کو دیکھتے ہیں تو اتنا لمبا قد ہونا تو خوب صورتی میں داخل نہیں

ہوگا۔علما نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ جب تمام اہل جنت کا قد اتنا ہی ہوگا تو وہ عجیب اور غیر مانوس نہیں ہوگا۔اور نہ ہی وہ اعتدال کے خلاف ہوگا۔حقیقت بھی یہ ہے کہ کسی شے کا اچھا یا برا لگنے کا تعلق عام معیار سے ہٹ کر کم یا زیادہ ہونے سے ہے۔یعنی اعتدال کے خلاف ہونا۔جنت میں عام معیار ہی اتنا قد ہوگا تو وہی معتدل اور حسین نظر آئے گا۔اور قد کے ساتھ جسم بھی اسی مناسبت سے بڑا ہوگا تو خوبصورت بھی ہوگا۔(واللہ اعلم)

ایک روایت میں، جو مشکوٰۃ شریف میں بخاری اور مسلم کے حوالے سے نقل کی گئی ہے، اہل جنت کی خوب صورتی اور ان کی سیرت اور دوسری نعمتوں کے ساتھ اہل جنت کے قد و قامت کا بھی ذکر ہے۔روایت کا ترجمہ یہ ہے:

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پہلا گروہ جو جنت میں داخل ہوگا ان کی صورتیں چودھویں رات کے چاند کی طرح (چمکتی دمکتی) ہوں گی اور جو لوگ ان کے بعد (دوسری نمبر پر) داخل ہوں گے ان کے صورتیں بہت زیادہ روشن ستارے کی طرح (منور) ہوں گی۔سب جنتیوں کے دل ایک ہی دل پر ہوں گے۔(یعنی آپس میں ان کے درمیان ایسی محبت ہوگی جیسے قالب بہت ہوں اور قلب ایک ہو) ان میں آپس میں نہ اختلاف ہوگا۔نہ بغض ہوگا۔ہر ایک کے لیے (حورعین میں سے کم از کم) دو بیویاں ہوں گی۔ان میں سے ہر بیوی کی پنڈلی کا گودا حسن کی وجہ سے (ہڈی اور) گوشت کے باہر سے نظر آئے گا۔یہ لوگ صبح و شام اللہ کی تسبیح بیان کریں گے۔نہ بیمار ہوں گے۔نہ پیشاب پاخانہ کریں گے۔نہ ناک سے رینٹ آئے گی اور نہ تھوکیں گے۔ان کے برتن سونے چاندی کے ہوں گے اور ان کی کنگھیاں سونے کی

ہوں گی۔ ان کی انگیٹھیوں میں خوشبو پھیلنے کے لیے جو چیز جلے گی وہ عود ہوگی۔ اور ان کا پسینہ (مشک کی طرح خوشبودار) ہوگا۔ سب اپنے باپ آدم علیہ السلام کی صورت پر ہوں گے۔ اور ان کا قد بلندی میں ساٹھ ہاتھ ہوگا۔
(حوالہ مذکور ص 302)

اس حدیث سے اہل جنت کے حسن و جمال قد و قامت اور صحت و تندرستی کا کچھ حال معلوم ہوا۔ جنت کے بیان میں پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ وہاں ہر چیز بڑی ہوگی۔ درختوں کے تنوں اور مذکورہ لمبائی چوڑائی کے درمیان اگر قد و قامت بڑے نہ ہوں گے تو وہ اس ماحول میں غیر معتدل ہونے کی وجہ سے برے لگیں گے۔

جنت چونکہ نہایت صاف ستھری جگہ ہے اس لیے وہاں اہل جنت کی غذاؤں اور مشروبات کے فضلات نہیں بنیں گے بلکہ پسینہ آئے گا جو مشک کی طرح خوشبودار ہوگا۔ اور بعض روایات میں ہے کہ ایک خوشبودار ڈکار آئے گی اور غذا ہضم ہو جائے گی۔ اس دنیا میں فضلات اس لیے بنتے ہیں کہ غذاؤں میں فاضل چیزیں ہوتی ہیں جن کا اخراج ضروری ہے۔ جنت میں تمام غذائیں اور مشروبات خالص اور فاضل اجزا سے پاک ہوں گے۔ اس لیے فضلات بھی نہیں بنیں گے۔ (واللہ اعلم)۔

اس حدیث میں بہت سی ایسی چیزوں کا ذکر ہے جو اس دنیا میں ہم استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً انگیٹھی، عود، مشک وغیرہ۔ یہ چیزیں جنت کی ہوں گی۔ ان کو یہاں کی چیزوں پر قیاس نہ کریں۔ وہاں کی ہر چیز ایسی ہوگی جس کا قریبی اندازہ کرنا بھی یہاں ممکن نہیں محض سمجھانے کے لیے یہاں کی ان چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

ایک اور روایت کا ترجمہ ملاحظہ کیجیے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ''اللہ عزوجل نے حضرت آدم

علیہ السلام کو ان کی (بہترین) صورت پر پیدا فرمایا ان کا قد ساٹھ ہاتھ تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا تو فرمایا آپ جا کر اس جماعت کو سلام کیجیے یہ فرشتوں کی ایک جماعت تھی جو بیٹھی ہوئی تھی۔ اور ان سے سنیے یہ آپ کو کیا جواب دیتے ہیں۔ یہی آپ کا اور آپ کی اولاد کا سلام ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، چنانچہ (حضرت آدم) تشریف لے گئے اور فرمایا، ''السلام علیکم''۔ انہوں نے جواب میں کہا السلام علیک و رحمۃ اللہ و برکاتہ ان فرشتوں نے جواب میں رحمۃ اللہ و برکاتہ کا اضافہ کیا۔ پس جو بھی جنت میں داخل ہوگا وہ آدم کی صورت پر ہوگا اس کی لمبائی ساٹھ ہاتھ ہوگی۔ لیکن ان کے بعد سے اب تک قد کاٹھ کم ہی ہوتا جا رہا ہے۔ (''جنت کے حسین مناظر'' ص 283، از بخاری، باب الانبیا، مسلم 2841، مسند احمد وغیرہ)

اس مقام پر مؤلف کتاب نے یہ صراحت فرمائی ہے کہ جنتی مردوں کی لمبائی تو ساٹھ ہاتھ ہوگی۔ اور چوڑائی سات ہاتھ ہوگی۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً ابو نعیم نے روایت کیا ہے۔ (حوالہ مذکور از صفۃ الجنہ، ابو نعیم، احمد نہایہ ابن کثیر وغیرہ)

اہل جنت کی داڑھی نہیں ہوگی

اہل جنت کے بارے میں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے جسم پر بال نہ ہوں گے اور بے داڑھی کے ہوں گے۔ ایک روایت کا ترجمہ یہ ہے:

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جنت اجرد، اور امرد ہوں گے۔ ان کی آنکھیں (ایسی حسین ہوں گی کہ بغیر سرمہ لگائے ہی) سرمگیں ہوں گی۔ نہ ان کی جوانی

فنا ہوگی۔ نہ کپڑے بوسیدہ ہوں گے۔ (''مرنے کے بعد کیا ہوگا'' از مشکوٰۃ بہ حوالہ ترمذی ودارمی)

مولانا عاشق الٰہی مہاجر مدنی رحمتہ اللہ علیہ نے اس حدیث کونقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اہل جنت اجرد اورامرد ہوں گے یعنی ان کے جسم پر بال نہ ہوں گے۔اور (مرد) بے داڑھی کے ہوں گے۔جسم پر بال نہ ہونے کے دو مطلب ہوسکتے ہیں ایک تو یہ کہ سر کے بالوں کے علاوہ (جسم پر) کسی بھی جگہ بال نہ ہوں۔اور دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ جن جگہوں کے بالوں کو دور کرنا پڑتا ہے (مثلاً زیرناف، اور بغلیں) وہاں تو بالکل ہی بال نہ ہوں گے۔اور سینہ اور پنڈلیوں وغیرہ پر جو بال ہوں گے بہت ہلکے ہوں گے۔خوب بھرے ہوئے نہ ہوں گے۔جن سے کھال کی خوب صورتی دب جائے۔

سر کے بالوں کا علیحدہ مستقل ذکر کسی روایت میں نہیں پایا گیا۔لیکن بخاری شریف کی روایت میں (جو اس مضمون کے شروع میں نقل کی گئی ہے) جو یہ فرمایا گیا کہ ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی۔اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے سر پر بال ہوں گے۔ہمارے ایک بزرگ سے کسی نے سوال کیا کہ داڑھی نہ ہونے سے کیا فائدہ ہوگا؟ فرمایا، اس کا جواب ان سے طلب کرو جو داڑھی منڈاتے ہیں۔بہرحال جنت میں تو ہر چیز حسین ہوگی۔داڑھی نہ ہونے پر بھی مردوں کا حسن دوبالا رہے گا۔ (حوالہ مذکور)

اہل جنت کی صحت اور عمر

جنت کے رہنے والوں کی صحت وتندرستی بھی ہر بیماری سے پاک اور مکمل ہوگی۔اس دنیا میں ایسی مکمل صحت کا کوئی تصور نہیں ہوسکتا۔ایک حدیث میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خبر دی ہے کہ جب مومنین جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اہل جنت کے لیے باقاعدہ اعلان کیا جائے گا کہ اب تم ہمیشہ تندرست رہو گے۔ کبھی بیمار نہ ہو گے۔ جوان رہو گے۔ کبھی بوڑھے نہ ہو گے۔ قرآن کریم میں اور احادیث میں ان کی صحت اور عمر وغیرہ کا بیان آیا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ایک (اللہ کا) منادی (جنتیوں میں) پکار کر اعلان کرے گا کہ اے جنت والو! تمہارے لیے یہ بات طے شدہ ہے کہ تم ہمیشہ زندہ رہو گے کبھی موت نہیں آئے گی۔ ہمیشہ جوان رہو گے۔ کبھی بوڑھے نہ ہو گے۔ اور ہمیشہ نعمتوں میں رہو گے۔ کبھی محتاج نہ ہو گے۔ (حوالہ مذکور از مشکوٰۃ بحوالہ مسلم)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان سن کر اہل جنت کس قدر خوش ہوں گے۔ یہ خوشی بھی جنت کی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہوگی۔ بعض روایات میں اس کا بھی بیان آیا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ تینوں نعمتیں جن کا اس اعلان میں ذکر ہے اتنی عظیم نعمتیں ہیں کہ وہ اس دنیا میں کسی انسان کو بھی نصیب نہیں خواہ وہ کتنا ہی خوش نصیب، مالدار، اور صاحب اقتدار ہو۔ جونی کا زمانہ، انسان کی زندگی کا بہترین زمانہ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن یہ زمانہ بھی مختلف افکار اور پریشانیوں سے خالی نہیں ہوتا۔ حصول معاش کی جدوجہد، بیماریاں، اختلافات اور ناچاقیاں اس زمانے کے عیش کو مکدر کرتی رہتی ہیں۔ پھر بڑھاپا آجاتا ہے جو بیماریوں کی ماں ہے۔ جس کے تمام اعضا تھک کر سست اور اکثر ناکارہ ہو جاتے ہیں۔ اور آخر پھر موت کی آغوش کھل جاتی ہے۔ اس کے برعکس اس اعلان کے بعد اہل جنت ہر قسم کے اندیشوں اور بیماریوں سے نجات پا جائیں گے۔ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کا محتاج نہیں ہوگا۔ ہر

شخص خود کفیل ہو گا۔

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد
کسے رابا کسے کارے نباشد

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اہل جنت کو حضرت آدم علیہ السلام کی شکل میں 33 سال کی عمر میں بغیر جسمانی بالوں اور بغیر داڑھی کے اٹھایا جائے گا۔ پھر ان کو جنت میں ایک درخت کے پاس لے جایا جائے گا۔ جس سے وہ لباس کو پہنیں گے پھر نہ تو ان کے کپڑے پرانے ہوں گے۔ نہ جوانی میں فرق آئے گا۔" (حوالہ مذکور، از البعث ابن ابی داؤد، صفتہ الجنہ، ابونعیم، نہایہ وغیرہ)

جنتی لوگوں کی عمر کے بارے میں ایک اور حدیث بھی سن لیجیے، ترجمہ یہ ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، "جنتیوں میں سے جو شخص بھی چھوٹی عمر کا یا بڑی عمر کا فوت ہوتا ہے ان کو 30 سال کی عمر میں جنت میں داخل کیا جائے گا۔ ان کی عمر اس سے زیادہ کبھی نہ بڑھے گی۔ دوزخیوں کی عمر بھی ایسی ہی ہوگی۔"

(حوالہ بالا، از سنن ترمذی وغیرہ)

اس حدیث میں اہل جنت اور اہل دوزخ کی عمروں کو 30 سال کا بتایا گیا ہے۔ علما کا خیال ہے کہ 33 سال کی عمر والی احادیث صحیح ہیں۔ اور جن روایات میں 30 سال کا بیان ہے ان میں کسر کو چھوڑ کر تین دہائیوں کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ اور بعض علما کی تشریحات سے 30 سال کو ترجیح معلوم ہوتی ہے۔

لیکن دونوں کا حاصل یہ ہے کہ اہل جنت کو ایسی عمر عطا کی جائے گی جس میں

شباب مکمل ہوتا ہے۔ اس میں نہ اٹھتی جوانی کا جوش اور دیوانگی ہوتی ہے اور بچکانہ قسم کی نادانیوں کا اظہار ہوتا ہے۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں اپنے عروج پر ہوتی ہیں۔ یہی وہ زمانہ ہے جس میں انسان نعمتوں سے بھرپور لطف اٹھاتا ہے۔ نہ بڑھاپے کے آثار ہوں گے۔ نہ بینائی میں فرق ہوگا۔ نہ ہوش وحواس میں خلل واقع ہوگا۔

جنتی اپنے مکانوں کو پہچانیں گے

مذکورہ بالا اقوال میں ایک قول یہ ہے کہ جنت میں ایک چشمہ ہے جس سے وضو اور غسل کرنے کے بعد اہل جنت کے چہرے تروتازہ، حسین اور پر رونق ہو جائیں گے۔ اس قول کی بنیاد بھی بعض روایات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل جنت کو جنت میں داخل ہونے سے پہلے ایک چشمے کی طرف لے جایا جائے گا جہاں وہ غسل کریں گے تو ان کے حسن اور خوبصورتی میں اضافہ ہو جائے گا۔

جنت جیسی وسیع کائنات میں، جہاں ادنیٰ جنتی کے لیے اس دنیا سے دس گنی اور بعض روایات کے مطابق گیارہ گنی جگہ ملے گی۔ وہاں داخلے کے بعد اپنے گھروں اور مکانات تک پہنچنا اور ان کو پہچاننے کا مرحلہ بھی پیش آئے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کا بھی انتظام فرما دیا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے شہدا کے بیان میں فرمایا ہے:

وَ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ (۴) سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ (۵) وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ (۶)

(ترجمہ) جو لوگ اللہ کی راہ (جہاد) میں مارے گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کو (منزل) مقصود تک پہنچا دے گا۔ اور ان کی حالت کو (قبر میں، حشر میں، پل صراط پر اور آخرت کے

تمام مراحل میں) درست رکھے گا اور ان کو جنت میں داخل کرے گا۔ جس کی ان کو پہچان کرادے گا (یعنی ہر جنتی اپنے اپنے مکان پر بغیر کسی تلاش اور تفتیش کے بے تکلف جا پہنچے گا'' (سورہ محمد آیت 4 تا 6)

حضرت مجاہدؒ مذکورہ آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جنت والے اپنے گھروں کو، اور اپنے محلات کو اس طرح پہنچانیں گے کہ بھولیں گے نہیں۔ گویا جب سے پیدا کیے گئے ہیں ان ہی محلات میں رہ رہے تھے۔ کسی سے پوچھنا نہیں پڑے گا۔ اور حضرت مقاتل بن حیان فرماتے ہیں کہ وہ فرشتہ جو انسانوں کے اعمال کی حفاظت کا ذمے دار ہے۔ وہ جنت میں آگے آگے چلے گا۔ اور جنتی اس کے پیچھے پیچھے چلے گا۔ حتیٰ کہ وہ جنتی اپنی آخری منزل تک پہنچ جائے گا۔ اور فرشتہ اس کو ہر چیز کی پہچان کرادے گا جو اس کو اللہ تعالیٰ نے جنت میں عطا کی ہوگی۔ پھر جب وہ اپنی منزل میں اور اپنی بیویوں کے پاس داخل ہوگا تو یہ فرشتہ واپس آجائے گا۔'' (''جنت کے حسین مناظر'' از درمنثور بہ حوالہ ابن ابی حاتم) اس تفسیر کے بارے میں مؤلف کتاب مولانا امداد اللہ انور نے آخر میں لکھا ہے کہ یہ تفسیر ضعیف درجے کی ہے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں داخلے کے وقت مومنین کے اعزاز و استقبال کے لیے فرشتے مقرر ہوں گے۔ اور ہر جنتی کے لیے ایک فرشتے کو اس کی ضروریات اور اس کے کاموں کے لیے مقرر کیا جائے گا۔ اور وہ اس کو اپنے مکان تک پہنچائے گا۔

اس دنیا میں جس طرح وزرا اور اہل اقتدار کے ساتھ ان کی ضروریات کی دیکھ بھال کے لیے پرسنل سیکریٹری وغیرہ ہوتے ہیں۔ ہر جنتی کے لیے وہاں اس کام کے لیے فرشتے مقرر ہوں گے۔ اسی سے مومنین متقین اور شہدا و صالحین کی فرشتوں پر فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

مومنین کا اعزاز واکرام

قرآن کریم میں ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے متقین کے بارے میں ارشاد فرمایا:

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا(۸۵)

''جس دن ہم متقین (یعنی نیک لوگوں) کو وفد کی صورت میں جمع کر کے رحمان کا مہمان بنائیں گے'' (سورہ مریم 85)

وفد معزز لوگوں کی جماعت کو کہا جاتا ہے جن کے ساتھ خصوصی عزت واکرام کا معاملہ کیا جاتا ہے۔ جس طرح اس دنیا میں بھی جب کسی صاحب اقتدار کے پاس ملکی اور غیر ملکی وفود آتے ہیں تو ان کا عزت واکرام کے ساتھ استقبال کیا جاتا ہے پھر یہ مومنین ومتقین کا وفد تو ''رحمان'' کا وفد ہوگا۔ اس کا اعزاز واکرام کس طرح کیا جائے گا۔ اس کا حال حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی زبانی سنئے۔ اہل جنت کو پہلے غسل دیا جائے گا۔ جس سے وہ ہر گندگی اور برائی سے پاک ہو کر تروتازہ ہو جائیں گے۔

اس آیت کی تفصیل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ بیان فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اختیار کیا، ان کو جنت کی طرف گروہ در گروہ لایا جائے گا۔ جب یہ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر پہنچیں گے تو وہاں پر ایک درخت دیکھیں گے۔ جس کی جڑ سے دو چشمے جاری ہو رہے ہوں گے۔ تو یہ لوگ ان میں سے کسی ایک کی طرف ایسی تیزی سے جائیں گے گویا کہ ان کو وہاں جانے کا حکم کیا گیا ہے۔ وہ اس سے پئیں گے تو جو کچھ ان کے پیٹوں میں تکلیف، گندگی یا بیماری ہوگی ختم ہو جائے گی۔ پھر یہ دوسرے چشمے کی طرف جائیں گے اور اس سے غسل کریں گے تو ان پر نعمتوں کی بہار آجائے گی۔ اور ان کے جسموں میں اس کے بعد کوئی تغیر وتبدل نہیں ہوگا اور نہ ہی ان کے بال پراگندہ ہوں گے۔ گویا کہ انہوں نے

تیل لگا (کر بالوں کو سلجھا) رکھا ہے۔ پھر یہ جنت کے دربانوں تک پہنچیں گے تو (وہ ان کی تعریف اور اکرام کے طور پر) کہیں گے۔

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ(۷۳)

سلام علیکم! تم مزے میں رہو۔ اس (جنت) میں ہمیشہ رہنے کے لیے داخل ہو جاؤ۔ (سورہ زمر 73)

پھر ان کا استقبال لڑکے کریں گے اور وہ اس طرح سے ان کے گرد گھومتے ہوں گے جس طرح سے دنیا والوں کے بچے (خوشی سے) اس دوست کے گرد گھومتے ہیں جو کافی عرصے کے بعد واپس آیا ہو۔ اور یہ کہیں گے کہ آپ خوش ہو جایئے اس انعام و اکرام سے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے تیار کیا ہے۔ پھر ان لڑکوں میں سے ایک لڑکا اس جنتی کی حورعین بیویوں میں سے کسی ایک بیوی کے پاس جا کر کہے گا کہ وہ فلاں آ گیا ہے۔ وہ اس جنتی کا وہ نام لے گا جس سے وہ دنیا میں پکارا جاتا تھا۔ تو وہ کہے گی۔ کیا تو نے اس کو دیکھا ہے؟ تو وہ کہے گا (ہاں) میں نے اس کو دیکھا ہے۔ وہ میرے پیچھے آ رہا ہے۔ چنانچہ ان حوروں میں سے ایک خوشی سے اچھل کر اٹھے گی یہاں تک کہ وہ اپنے دروازے کی چوکھٹ تک آ جائے گی۔

جب یہ جنتی اپنے (ایک) محل تک پہنچے گا تو اس کی تعمیر کی بنیاد پر نگاہ دوڑائے گا تو وہ قیمتی موتی کی چٹان ہوگی۔ جس کے اوپر سبز، زرد، اور سرخ رنگ کا ایک محل قائم ہوگا۔ پھر وہ اپنی نگاہ محل کی چھت پر ڈالے گا تو وہ بجلی کی طرح (منور) ہوگی۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو دیکھ کر برداشت کرنے کی قوت عطا نہ کی ہوتی تو وہ اپنی آنکھوں کے اندھے ہونے کی تکلیف سے دوچار ہو جاتا پھر وہ اپنا سر گھمائے گا تو اپنی بیویوں کو دیکھے گا۔ اور چنے ہوئے آبخوروں کو دیکھے گا۔ اور برابر بچھے ہوئے غالیچوں کو دیکھے گا اور جگہ جگہ پھیلے ہوئے ریشم کے بستروں کو دیکھے گا۔ پھر یہ ان نعمتوں کو دیکھ

کر۔اور ٹیک لگا کر کہے گا

وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ

''بڑا شکر ہے اللہ تعالیٰ کا جس نے ہم کو یہاں تک پہنچا دیا۔ اگر اللہ تعالیٰ ہدایت نہ کرتے تو ہم یہاں تک نہ پہنچ سکتے تھے۔'' (سورہ اعراف۔43)

پھر (جنتیوں کے داخلے کے بعد اور اپنے اپنے مقام پر پہنچ جانے کے بعد) ایک منادی اعلان کرے گا کہ تم یہاں زندہ رہو گے۔ کبھی نہیں مرو گے۔ تم ہمیشہ جوان رہو گے۔ کبھی بوڑھے نہیں ہو گے۔ تم ہمیشہ تندرست رہو گے۔ کبھی بیمار نہیں ہو گے۔ (''جنت کے حسین مناظر'' 172 از صفتہ الجنہ ابو نعیم، تفسیر ابن کثیر، حادی الارواح)

اہل جنت کی سواریاں

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس بیان کے اکثر حصے قرآن کریم کی آیات پر مبنی ہیں اور بعض حصے حدیث کی مختلف روایات کا خلاصہ ہیں۔ گویا مختلف آیات قرآنی اور احادیث کے مضامین کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ترتیب کے ساتھ بیان فرما دیا ہے۔ ایک اور روایت میں اس آیت کے متعلق جس میں متقین کو وفد کی صورت میں رحمان کی طرف لے جانے کا ذکر ہے۔ یہ منقول ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ وفد تو سوار لوگوں کو کہا ہو جاتا ہے تو اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل جنت کے متعلق بہت سی تفصیلات بیان فرمائیں جن میں سے اکثر اوپر والی روایت میں شامل ہیں۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے جب یہ جنتی لوگ اپنی قبروں سے اٹھیں گے تو ان کے استقبال میں سفید اونٹ پیش کیے

جائیں گے۔ جن کے پر لگے ہوں گے۔ اور ان پر سونے کے کجاوے ہوں گے۔ ان کے جوتوں کا تسمہ نور سے چمکتا ہوگا۔ ان اونٹوں کا ہر قدم حد نظر پر پڑتا ہوگا۔ اس طرح سے یہ جنت تک پہنچیں گے تو سرخ یاقوت کا کنڈا (ہینڈل جنت کے) کواڑوں پر نظر آئے گا...... (اس کے بعد ان دو چشموں کا ذکر ہے جو اوپر بیان کیے گئے) پھر یہ جنت کے کنڈے کو کواڑ پر ہلائیں گے۔ کاش اے علی! تم اس کواڑ کے کنڈے کے بلنے کی آواز کو سن لو (جو نہایت حسین اور سرور سے لبریز ہوگی) اس کنڈے کی آواز ہر حور تک پہنچے گی جس سے اس کو معلوم ہوگا کہ اس کا شوہر اب آیا ہی چاہتا ہے تو وہ جلدی میں پھرتی کے ساتھ اٹھے گی اور اپنے متولی (نگہبان) فرشتے کو بھیجے گی" (حوالہ مذکور)

اس کے بعد جنت کی دیگر تفصیلات اس ارشاد میں موجود ہیں۔ جن میں جنت کی نعمتوں کا بیان ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے متقی اور نیک بندوں کو نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ جنت تک پہنچائیں گے۔ اس آیت میں اہل جنت کی سواریوں یعنی سفید اونٹوں کی ایک خصوصیت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ اتنے تیز رفتار ہوں گے کہ ان کا ہر قدم وہاں پڑے گا جہاں تک نظر جائے گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی شب جس براق پر سوار کرایا گیا تھا۔ اس کا ہر قدم حد نظر پر پڑتا تھا۔ خود براق کا لفظ بھی غالباً برق سے ہی مشتق ہے۔ ظاہر ہے کہ جنت کے وسیع و عریض کائنات میں فاصلے یقیناً بہت زیادہ ہوں گے جن کے لیے برق رفتار سواریوں کی ضرورت ہوگی۔ اگرچہ اس روایت میں ان سواریوں کا ذکر قبروں سے اٹھنے کے بعد جنت کے فاصلے کا ذکر ہے۔ لیکن جنت کے اندر کی دنیا میں بھی فاصلے بہت زیادہ ہوں گے۔ جنت کے مکانات اور بالا خانوں کے ذکر میں روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل جنت کے محلات و مکانات اس طرح نظر آئیں گے جس طرح

ہم آسمان پر ستاروں کو دیکھتے ہیں۔ (واللہ اعلم)

سورہ مریم کی اسی آیت کی تفسیر میں حضرت نعمان بن سعد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''تمہیں معلوم ہونا چاہیے اللہ کی قسم ان حضرات کو وفد کی شکل میں پیدل نہیں چلایا جائے گا۔ بلکہ ان کے پاس ایسے اونٹ لائے جائیں گے جن کی مثل کبھی کسی مخلوق نے نہیں دیکھی۔ ان پر کجاوے سونے کے ہوں گے۔ اور لگا میں زبرجد کی ہوں گی۔ ان پر سوار ہو کر آئیں گے اور (اپنی اپنی) جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے

(حوالہ مذکور از حادی الارواح در منثور از ابن مردویہ)

جنت کے اندر اہل جنت کے لیے سواریاں ہوں گی یا نہیں۔ اس بارے میں اب تک نظر سے کوئی روایت نہیں گزری۔ سوائے اس روایت کے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کے اس سوال پر کہ جنت میں گھوڑے ہوں گے یا نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یاقوت کے گھوڑے کا ذکر فرمایا تھا۔ اوپر جو روایت ذکر کی گئی کہ جنتیوں کو جنت کے دروازے سے ان کے مکانات تک ایک فرشتہ لے کر چلے گا۔ اس روایت میں بھی یہ وضاحت نہیں ہے کہ دروازے سے محل تک کا یہ چلنا سواری پر ہوگا یا پیدل۔

خلاصہ یہ ہے کہ متقین اور نیک لوگ رحمٰن کے وفد کی صورت میں بصد عزت و احترام اور اعزاز و اکرام جنت میں داخل ہوں گے۔ اس خوش نصیب اور معزز وفد میں شامل ہونا ہر شخص کے اپنے اختیار میں ہے۔ اس دنیا میں تھوڑی سی فکر اور تھوڑی سی محنت کر کے ہم اس وفد کے ممبر بن سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے مہمانوں کو ان کے ابدی ٹھکانوں تک لانے سے پہلے ان کے مکانوں کو جہاں ہر قسم کی خارجی نعمتوں سے آراستہ فرمائیں گے۔ وہیں ان تمام داخلی رکاوٹوں کو بھی دور فرما دیں گے جو عیش کو مکدر کرتی ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں

معارف القرآن میں صحیح بخاری کی یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ مومنین جب پل صراط سے گزر کر جہنم سے نجات حاصل کرلیں گے تو ان کو جنت و دوزخ کے درمیان ایک پل پر روک لیا جائے گا۔ اور ان کے آپس میں اگر کسی کو کوئی رنجش تھی یا کسی پر کسی کا حق تھا تو یہاں پہنچ کر ایک دوسرے سے انتقام لے کر معاملات صاف کرلیں گے اور اس طرح حسد، بغض کینہ وغیرہ سے پاک ہو کر جنت میں پہنچیں گے اور اس مقام پر حقوق کی آدائیگی ظاہر ہے کہ مال اور پیسے سے نہ ہو سکے گی۔ کیونکہ وہاں انسان کے پاس اعمال کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ بخاری اور مسلم کی روایت مطابق یہ ادائیگی اعمال سے ہوگی۔ حقوق کے بدلے میں اس کے عمل صاحب حق کو دے دیے جائیں گے۔ اور اگر اس کے اعمال اس طرح سب ختم ہو گئے اور لوگوں کے حقوق باقی رہے تو صاحب حق کے گناہ اس پر ڈال دیے جائیں گے۔

یہ گفتگو مذکورہ بالا آیت کی ایک تفسیر کے مطابق تھی۔ تفسیر ابن کثیر اور مظہری کی روایت کے مطابق، اہل جنت کے دلوں کی کدورتیں اس موقع پر انتقام پر موقوف نہیں ہوں گی بلکہ پل صراط سے گزر کر جب مومنین ایک چشمے پر پہنچیں گے تو اس کا پانی پئیں گے۔ اس پانی کی خصوصیت یہ ہوگی کہ سب کے دلوں سے آپس کی سب کدورتیں دھل جائیں گی۔ ان چشموں کا ذکر پہلے تفصیل سے کیا جا چکا ہے۔

بالا خانے کیسے ہوں گے

مفسرین نے ان بالا خانوں کی خوب صورتی ان کے نقشے اور ان کی تعمیر کے بارے میں روایات نقل فرمائی ہیں جو بہت دلفریب اور حیرت انگیز ہیں۔

چنانچہ سورہ فرقان کی آیت جس میں صبر کرنے والوں (مشکلات میں ثابت قدم رہنے والوں) کے لیے بالا خانوں کا وعدہ ہے اس کی تفسیر میں حضرت سہیل بن

سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(ترجمہ) ''یہ غرفہ (بالا خانہ) سرخ یاقوت اور سبز زبرجد اور سفید چمکدار موتی کا ہوگا۔ ان میں نہ کٹاؤ ہوگا نہ جڑاؤ ہوگا۔ (بلکہ یہ سب موتی ایک ہی معلوم ہوں گے) (بحوالہ جنت کے حسین مناظر از نوادر الاصول تذکرہ قرطبی، البدور السافرہ)

یعنی جس طرح اس دنیا کے مکانات اور عمارتیں اینٹوں اور بلاکوں کو جوڑ کر بنائی جاتی ہیں۔ جنت کے یہ بالا خانے مختلف رنگوں کے موتیوں سے بنائے جائیں گے اور ان میں کہیں جوڑ نظر نہیں آئے گا۔ ایک اور حدیث میں حضرت عتبہ بن عمیر رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں:

(ترجمہ) ''ادنیٰ درجے کا جنتی وہ شخص ہوگا۔ جس کا ایک گھر ہوگا۔ اور ایک موتی سے اس کے بالا خانے اور دروازے بنے ہوں گے۔''

ایک اور روایت میں ان بالا خانوں کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(ترجمہ) ''جنت میں یاقوت کا ایک ستون ہوگا۔ اس پر زبرجد کا ایک غرفہ (بنا ہوا) ہوگا۔ اس کے دروازے کھلے ہوئے ہوں گے۔ وہ ایسا چمکتا ہوا ہوگا۔ جیسے چمکدار ستارہ چمکتا ہے۔ ہم نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اس میں کون رہے گا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ وہ لوگ جو اللہ کے لیے آپس میں محبت کرتے ہوں گے۔ اللہ کے لیے آپس میں خرچ کرنے والے ہوں گے۔ اور آپس میں اللہ کی رضا کے لیے ملاقات کرتے ہوں گے۔ (حوالہ مذکور، از مشکوٰۃ، ترغیب وترہیب، کنز العمال وغیرہ)

یاقوت کے ستون پر بنے ہوئے بالا خانوں کے بارے میں ایک اور حدیث

میں ہے کہ ایک ستون پر ستر (70) ہزار بالا خانے ہوں گے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(ترجمہ) ''اللہ کی رضا جوئی کے لیے آپس میں محبت کرنے والے سرخ یاقوت کے ایک ستون پر فائز ہوں گے (یعنی وہ ان کا مقام ہوگا) اس ستون کے سرے پر ستر (70) ہزار بالا خانے غرفات ہوں گے۔ ان کا حسن جنت والوں کے لیے ایسا روشن ہوگا جیسے دنیا والوں کے لیے سورج چمکتا ہے۔ جنتی ایک دوسرے سے کہیں گے ہمارے ساتھ چلوتا کہ ہم اللہ عز و جل کے لیے آپس میں محبت کرنے والوں کی زیارت کرائیں۔ پس جو یہ لوگ ان کو جھانک کر دیکھیں گے تو ان کا حسن جنت والوں کے سامنے ایسے چمکے گا جس طرح سورج دنیا والوں کے لیے چمکتا ہے۔ ان پر سندس کا سبز لباس ہوگا۔ ان کی پیشانی پر لکھا ہوگا۔ یہ لوگ اللہ عز و جل کی رضا اور محبت کی تلاش میں آپس میں محبت کرتے تھے۔''۔ (حوالہ بالا، ازتذکرۃ القرطبی، زید ابن مبارک حلیۃ الاولیا)

معلق بالا خانے

حدیث میں بعض ایسے بالا خانوں کا بیان بھی آیا ہے جو جنت کے زمین اور آسمان کے درمیان ہوں گے۔ نہ اوپر سے لٹکائے گئے ہوں گے اور نہ زمین پر کسی ستون وغیرہ پر ان کی بنیاد ہوگی۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(ترجمہ) ''جنت میں کچھ غرفات ایسے ہیں جو نہ تو اوپر سے کسی چیز کے ساتھ لٹکائے گئے ہیں۔ اور نہ ان کے نیچے سے کوئی ستون ہوگا۔ عرض کیا

گیا، یا رسول اللہ! ان غرفات والے ان میں کیسے داخل ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنتی ان میں پرندوں کی طرح داخل ہوں گے۔ (پھر) عرض کیا گیا۔ یا رسول اللہ! یہ کن لوگوں کے لیے ہوں گے۔ ارشاد فرمایا۔ بیماریوں والے۔ درد والے اور مصیبتوں والے (لوگوں) کے لیے۔'' (حوالہ مذکور 341 از البدور السافرہ، صفتہ الجنہ ابن کثیر، درمنثور وغیرہ)

یہ تو بالا خانوں کا ذکر تھا۔ جن کے بارے میں علما کی دو رائے پیش کی گئیں کہ یہ اللہ کے مقرب اور خاص بندوں کے لیے ہوں گے۔ جبکہ دوسری جماعت کا خیال ہے کہ یہ ان تمام نیک بندوں کے لیے ہوں گے جن کے اعمال ایسے ہوں گے جن کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بالا خانوں کا وعدہ فرمایا ہے۔

جس قادر مطلق نے اس پوری کائنات کو عقلوں کو حیران کردینے والے قوانین فطرت سے بھر دیا ہے اور اس کی کہکشاؤں، ستاروں اور سیاروں کو فضا میں معلق کر دیا ہے اور ہم جس زمین پر رہتے ہیں اس کو بغیر کسی ستون اور اوپر سے لٹکائے ہوئے فضا میں لاکھوں سال سے معلق کر رکھا ہے۔ اور جن کی قدر و قیمت اس کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہے۔ وہ اپنے بندوں کی میزبانی کے لیے وہاں معلق بالا خانے اور نہ جانے کیا کچھ عطا فرمائے گا۔ اس کا مفصل بیان ممکن ہی نہیں ہے۔ اور یہ سب کچھ اس عارضی دنیا میں رہ کر تھوڑی سی توجہ اور محنت کا صلہ ہے۔ اور قرآن کریم کے مطابق وہی اصل عقلمند ہیں جو آخرت کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔ اور وہ لوگ عقل سے محروم ہیں جو اس دنیا کے عارضی مفاد کے لیے ابدی زندگی کی نعمتوں کا سودا کر رہے ہیں۔

اہل جنت کی پاکیزہ بیویاں (ازواجِ مطہرۃ)

قرآن کریم اور حدیث کی روایات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل جنت کو پاکیزہ بیویاں بھی عطا کی جائیں گی اور ان بیویوں کے علاوہ حورعین ہوں گی جو حسن جمال میں یکتا ہوں گی اور ان کو اللہ تعالیٰ نے جنتیوں کے لیے خاص طور پر پیدا فرمایا ہے۔ پہلے اہل جنت کی بیویوں کا ذکر ملاحظہ فرمائیے۔

سورہ آل عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ(۱۵)

(ترجمہ) ''ایسے لوگوں کے لیے جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔ ان کے رب کے پاس ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ (اور ان کے لیے وہاں) پاکیزہ بیویاں ہیں۔ اور اللہ کی خوشنودی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بندوں کو دیکھتے ہیں۔'' (سورہ آل عمران 15)

اس آیت میں پاکیزہ بیویوں کے لیے ازواج مطہرہ کا لفظ اختیار کیا گیا ہے۔ یعنی ایسی بیویاں جو ظاہری میل کچیل اور اندرونی برائیوں مثلاً کج خلقی، مکروفریب اور حیض ونفاس وغیرہ سے بالکل پاک صاف ہوں گی۔ (تفسیر ابن کثیر)

دنیا والی مومن عورتیں جس حال اور جس عمر میں بھی دنیا سے انتقال کر گئی ہوں۔ جنت میں جواں عمر اور کنواری بنا دی جائیں گی۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کی ان بیویوں کے بارے میں ارشاد فرمایا:

اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً(۳۵) فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا(۳۶) عُرُبًا اَتْرَابًا(۳۷)

لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ(۳۸)

ترجمہ: ''ہم نے ان عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے اور ان کو کنواریاں بنایا ہے (شوہروں کے لیے) پیاری ہیں اور (ان کی) ہم عمر ہیں۔ (یہ سب) اصحاب الیمین کے لیے ہے۔'' (سورہ واقعہ آیات 35 تا 38)

اس آیت میں ان عورتوں کی تین صفات بیان کی گئی ہیں۔ اول، ابکار، یہ بکر کی جمع ہے جس کے معنیٰ کنواری کے ہیں۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں شوہر اور بیویوں کے درمیان ازدواجی تعلقات اور مقاربت اور مباشرت بھی ہوگی۔ اور جب بھی ان کے شوہر ان کے پاس آئیں گے تو ان کو کنواری پائیں گے۔ بیان القرآن کے حوالے سے اسی مقام پر لکھا ہے کہ یہ عورتیں مقاربت کے بعد پھر کنواری ہو جائیں گی۔ دوسری صفت اس آیت میں عُرباً بیان کی گئی ہے۔ عُرب، عروب کی جمع ہے جس کے معنی حسین وجمیل اور پیاری کے ہیں۔ مطلب یہ ہے وہ شوہروں کو بہت پیاری ہوں گی۔ اور دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے ان بیویوں کے لیے ان کے شوہر بہت محبوب ہوں گے۔ تیسری صفت اترابا بیان فرمائی۔ یہ ترب کی جمع ہے۔ ہم عمر اور ہم جولی عورتیں مراد ہیں۔

اسی موقع پر مولانا عاشق الٰہی رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے ''مفسر سدی رحمتہ اللہ علیہ نے اترابا کی تفسیر بتاتے ہوئے فرمایا ہے کہ'' وہ (جنت کی بیویاں) آپس میں محبت والفت کے اعتبار سے برابر ہوں گی۔ بہنوں کی طرح میل (ملاپ) سے رہیں گی۔ آپس میں حسد، جلن اور بغض وغیرہ نام کو نہ ہوگا۔ سوکنوں والی کشیدگی اور لڑائی دشمنی نہ ہوگی'' (حوالہ مذکور، از تفسیر ابن کثیر) یعنی ہم عمر اور صاف دل ہونے کی وجہ سے آپس میں سہیلیوں کی طرح ایک دوسرے سے پیار اور محبت کرنے والی ہوں گی۔''

قرآن کریم میں ایک اور جگہ ہم عمر عورتوں کا بیان آیا ہے۔ سورہ ص میں حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

وَعِندَهُمْ قَٰصِرَٰتُ ٱلطَّرْفِ أَتْرَابٌ (۵۲)

ترجمہ ''اور ان کے پاس (یعنی اہل جنت کے پاس) نیچی نگاہ والی ہم سن عورتیں ہوں گی۔'' (سورہ ص آیت 52)

معارف القرآن میں لکھا ہے کہ ''ان سے مراد جنت کی حوریں ہیں۔ اور ہم سن کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ سب آپس میں ہم عمر ہوں گی اور یہ بھی کہ وہ اپنے شوہروں کے ساتھ عمر میں مساوی ہوں گی۔'' (معارف القرآن جلد 7)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کی ایک اور صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ ''قاصرات'' (نیچی نگاہ والی) ہوں گی۔ یعنی ان کی نظر صرف شوہروں پر ہی پڑے گی۔ اور دل شوہروں ہی سے لگا ہوا ہوگا۔ شوہر کے علاوہ کسی اور کی طرف ذرا نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھیں گی۔ جنت کی حوریں ہوں یا اس دنیا کی عورتیں ان میں ہم عمر ہونے کی صفت مشترک ہوگی۔

اوپر کی روایات میں جنت کی عام عورتوں کی صفات بیان کی گئی ہیں۔ ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل جنت کی یہ پاکیزہ بیویاں، حوروں کے علاوہ ہوں گی۔ حور بالکل الگ مخلوق ہے۔

معارف القرآن میں سورہ واقعہ کی مذکورہ آیات (35 تا 38) کی تفسیر اس طرح بیان کی گئی ہے:

''معنی آیت کے یہ ہیں کہ ہم نے جنت کی عورتوں کی پیدائش وتخلیق ایک خاص انداز سے کی ہے۔ یہ خاص انداز حوران جنت کے لیے تو اس طرح ہے کہ وہ جنت ہی میں بغیر ولادت کے پیدا کی گئی ہیں۔ اور دنیا کی عورتیں جو جنت میں

جائیں گی۔ ان کی خاص تخلیق سے مطلب یہ ہوگا کہ جو دنیا میں، بدشکل، سیاہ رنگ یا بوڑھی تھی۔ اب اس کو حسین شکل وصورت میں جوان رعنا کر دیا جائے گا۔

(معارف القرآن جلد 8)

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی اس آیت کا تعلق دنیا والی عورتوں سے بھی ہے اور جنت کی مخلوق حورعین سے بھی۔ اور ان تمام روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حورعین کی یہ مخلوق پیدا کی جاچکی ہے اور وہ اپنے مومن شوہروں کو جانتی بھی ہیں۔

چنانچہ ذیل کی دو روایتوں میں اس کی تصریح موجود ہے:

''حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا میں جو کوئی عورت اپنے شوہر کو تکلیف دیتی ہے تو حورعین میں سے اس کی بیوی دنیا کی بیوی سے کہتی ہے کہ تیرا برا ہو۔ اس کو تکلیف نہ دے کیونکہ وہ تیرے پاس چند دن کا مہمان ہے۔ عنقریب تجھ سے جدا ہو کر ہمارے پاس پہنچ جائے گا۔'' (مشکوٰۃ از ترمذی)

دوسری روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

(ترجمہ) ''بلاشبہ رمضان کے لیے شروع سال سے ختم سال تک جنت کو سجایا جاتا ہے۔ جب رمضان کا پہلا دن ہوتا ہے تو عرش کے نیچے حورعین پر جنت کے پتوں کی ہوا چلتی ہے جس سے متاثر ہو کر وہ یوں دعا کرتی ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! اپنے بندوں سے ہمارے لیے ایسے شوہر مقرر فرما جن سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور ہم سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔'' (''مرنے کے بعد کیا ہوگا'' از مشکوۃ بہ حوالہ بیہقی فی شعب الایمان)

جنت میں کثرت ازواج اور اولاد

اہل جنت کے لیے حورعین جنت کی حسین وجمیل مخلوق ہوگی۔ اور دنیا والی بیویاں بھی اہل جنت کو ملیں گی۔ ایک خاتون نے فون کر کے سوال کیا کہ اگر کسی عورت کے دو شوہر ہوں اس کو جنت میں ان دو شوہروں میں سے کونسا شوہر ملے گا؟ اور کیا یہ ضروری ہے کہ جو شخص دنیا میں کسی عورت کا شوہر تھا تو وہی جنت میں بھی اس کا شوہر ہوگا؟ اور کیا یہ بات جو مشہور ہے کہ عورتوں کو جنت میں غلمان ملیں گے۔ کیا یہ بات درست ہے اور غلمان کون ہیں؟

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں جو شوہر اور بیوی تھے وہ جنت میں بھی شوہر اور بیوی کی حیثیت سے رہیں گے۔ اور جس عورت نے ایک سے زیادہ مردوں سے نکاح کیا ہوگا ایک روایت کے مطابق اس کو اختیار دیا جائے گا کہ وہ جس شوہر کے ساتھ رہنا چاہے رہے۔ اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں ایسی عورت اپنے آخری خاوند کی بیوی بنے گی۔

''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو شخص کسی عورت سے شادی کرتا ہے جنت میں بھی وہ عورت اس کی بیوی ہوگی۔'' (بشرطیکہ وہ دنوں حالت اسلام پر فوت ہوئے ہوں۔ اور بیوی نے شوہر کے مرنے کے بعد کسی اور مرد سے نکاح نہ کیا ہو۔ جیسا کہ بعض دوسری روایات اس کی تائید ہوتی ہے۔) (جنت کے حسین مناظر از ابن وھب۔ البدور السافرہ)

اس قول سے معلوم ہوا کہ دنیا میں جو کسی کا شوہر تھا جنت میں بھی وہ اس کا شوہر ہوگا۔ لیکن وہاں ان کے درمیان انتہائی محبت اور الفت کا تعلق ہوگا۔

علامہ قرطبی نقل کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ام درداء

رضی اللہ عنہا کو اپنے ساتھ نکاح کا پیغام بھجوایا تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ''میں نے (اپنے مرحوم شوہر) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کو نقل کرتے ہوئے فرمایا:

(ترجمہ) ''جنت میں عورت اپنے آخری شوہر کی بیوی بنے گی۔ لہٰذا تو میرے بعد کسی سے نکاح نہ کرنا۔''

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی بیوی سے فرمایا تھا کہ ''اگر تمہیں یہ بات پسند آئے کہ تو جنت میں میری بیوی بنے۔ اور اللہ تعالیٰ ہم دونوں کو جنت میں ملا دیں۔ تو تم میرے (مرنے کے بعد) اور نکاح نہ کرنا۔ کیونکہ (جنت میں) عورت اپنے آخری شوہر کی بیوی بنے گی۔'' (حوالہ مذکور از تذکرۃ القرطبی)

مذکورہ بالا دونوں روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا آخری شوہر جنت میں بھی اس کا شوہر ہوگا۔ لیکن ذیل کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو جنت میں سب سے بہتر اخلاق والا اس کا شوہر ملے گا۔ ترجمہ یہ ہے:

''حضرت ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ عورت جس کے دنیا میں دو خاوند ہوتے ہیں۔ وہ عورت بھی فوت ہو جاتی ہے اور وہ (شوہر) بھی فوت ہو جاتے ہیں۔ پھر یہ سب جنت میں داخل ہوں تو یہ عورت کس خاوند کی بیوی بنے گی؟ (پہلے کی یا دوسرے کی)۔''

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو دنیا میں اس کے پاس ان دونوں میں سے زیادہ اخلاق کے ساتھ اس سے پیش آتا تھا۔ حسن اخلاق دنیا اور آخرت کی دونوں خوبیاں لے اڑا۔'' (حوالہ مذکور از مسند بزار۔ مکارم الاخلاق خرائطی)

مذکورہ بالا روایتوں سے تین صورتیں سامنے آتی ہیں۔ (1) دنیا میں جو عورت

جس کی بیوی تھی جنت میں بھی اس کی بیوی ہوگی بشرطیکہ دونوں کی موت ایمان واسلام پر ہوئی ہو۔ (2) جس عورت کے ایک سے زیادہ شوہر تھے وہ آخری شوہر کی بیوی بنے گی۔ (3) سب سے بہتر اخلاق والا شوہر اس کے حصے میں آئے گا۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اہل جنت (خواہ مرد ہوں یا عورت) کے لیے ایک عام اعلان فرمادیا ہے کہ ''وہاں تمہارے لیے وہ سب کچھ ہوگا جس کی تمہیں خواہش ہوگی۔'' یعنی کسی جنتی کو اس کی خواہش اور مرضی کے خلاف وہاں کوئی بات پیش نہ آئے گی۔ اس لیے ممکن ہے مختلف عورتوں کو ان کی مرضی کے مطابق یہ تینوں صورتیں پیش آئیں۔ (واللہ اعلم)

مولانا عاشق الٰہی مہاجر مدنی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے تالیف ''مرنے کے بعد کیا ہوگا'' میں ترغیب وترھیب کے حوالے سے نقل کیا ہے:

''ام المومنین حضرت ام مسلمہ سے (ترغیب وترھیب میں) ایک طویل روایت نقل کی ہے۔ جس میں یہ بھی ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (جنت میں) دنیا والی (مومنہ) عورتیں افضل ہوں گی یا حور عین؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ دنیا والی (مومن) عورتین حور عین سے اس قدر افضل ہوں گی۔ جیسے (لحاف کا) اوپر کا کپڑا اس کے اندر والے استر سے بہتر ہوتا ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہ کس وجہ سے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس لیے کہ دنیا والی عورتیں نمازیں پڑھتی ہیں۔ اور روزے رکھتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتی ہیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! بعض مرتبہ ایک عورت دو۔ یا تین یا چار مردوں سے نکاح کرلیتی ہے۔ پھر اسے موت آجاتی ہے۔ وہ

جنت میں داخل ہوگی۔ اور اس کے شوہر (بھی) اس کے ساتھ جنت میں داخل ہوں گے۔ (تو اس صورت میں) ان میں سے اس کا شوہر کون ہوگا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اے ام سلمہ۔ اس کو اختیار دے دیا جائے گا جس کے ساتھ چاہے رہے۔ لہٰذا وہ اس کو اختیار کرلے گی جو ان میں اخلاق کے اعتبار سے زیادہ اچھا تھا۔ اور کہے گی۔ اے رب! دنیا کے اندر یہ ان سب سے زیادہ با اخلاق تھا۔ اسی کو میرا جوڑ بنا دیجیے۔ یہ فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے ام سلمہ! خوش خلقی دنیا اور آخرت کی بھلائی لے اڑی۔''

اس کے بعد مولانا نے وضاحت کی ہے کہ یہ روایت سند کے اعتبار سے قوی نہیں ہے۔

مردوں کے لیے کثرت ازواج

جنت میں ایک مرد کو کتنی بیویاں ملیں گی؟ اس کے متعلق بہت سی روایات ملتی ہیں۔ ان روایتوں میں دو بیویوں سے لے کر ایک ہزار سے زائد بیویوں کی تعداد کا ذکر آیا ہے۔ بخاری کی ایک روایت ہے کہ ''(جنت میں) ہر مرد کے لیے حور عین میں سے دو بیویاں ہوں گی۔''

اہل جنت کی مردانہ قوت

چونکہ اہل جنت کی بیویاں کثیر تعداد میں ہوں گی۔ اس لیے ان کی مردانہ قوت بھی بڑھا دی جائے گی۔ بعض روایات میں اہل جنت کی اس قوت کا ذکر واضح الفاظ میں آیا ہے۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل کتاب (یعنی یہودیوں میں) سے ایک شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اس نے سوال کیا کہ اے ابوالقاسم (یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ہے) کیا آپ فرماتے ہیں کہ جنت والے کھائیں گے اور پئیں گے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں! قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ ایک جنتی کو کھانے پینے اور مباشرت کرنے میں 100 مردوں کی طاقت دے دی جائے گی۔

یہ سن کر اس یہودی نے سوال کیا کہ جو کھاتا پیتا ہے اس کو (قضائے) حاجت (کی ضرورت) ہوتی ہے؟ (حالانکہ جنت ایسی جگہ نہیں ہے جہاں نجاست اور تکلیف دینے والی ہو) اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو پیشاب، پاخانے کی حاجت نہ ہوگی۔ بلکہ بھرے ہوئے پیٹ کو خالی کرنے کی ضرورت پسینے سے (پوری) ہوجایا کرے گی۔ (یعنی) ان کے کھانوں سے مشک کی طرح پسینہ بہے گا جس سے پیٹ ہلکا ہوجائے گا۔'' (مرنے کے بعد کیا ہوگا۔ از مسند احمد، نسائی، ترغیب وترھیب)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر جنتی کو 100 مردوں کے برابر قوت عطا فرمائیں گے۔ اس کے علاوہ ترمذی شریف میں بھی اس مضمون کی ایک حدیث روایت کی گئی ہے۔ جس کو امام ترمذی نے حدیث صحیح فرمایا ہے اور ساتھ ہی مذکورہ بالا حدیث کا حوالہ بھی دیا ہے۔

کیا جنت میں اولاد ہوگی؟

اوپر ایک حدیث حضرت لقیط بن عامر رضی اللہ عنہ کی سند سے نقل کی گئی ہے

جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جنت میں مباشرت تو ہوگی مگر توالد وتناسل نہیں ہوگا۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اہل جنت کے اولاد نہیں ہوگی۔ لیکن دوسری روایات میں اہل جنت کے اولاد ہونے کی خبر بھی دی گئی ہے۔ اور علماء میں یہ مسئلہ زیر بحث رہا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: (ترجمہ) جب کوئی جنتی جنت میں اولاد کی خواہش کرے گا تو اس کا حمل، اور ولادت اور عمر کا بڑھنا اسی وقت ہوجائے گا جس طرح وہ چاہے گا۔'' (حوالہ مذکور، از ترمذی، 2563، ابن ماجہ، مسند احمد بیہقی وغیرہ)

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اہل علم نے اس مسئلے میں اختلاف فرمایا ہے۔ حضرت لقیط والی حدیث کی بنا پر علما کی ایک جماعت کا موقف ہے کہ جنت میں مقاربت تو ہوگی مگر اولاد نہیں ہوگی۔ جب کہ بعض علماء کا موقف یہ ہے کہ اگر کوئی جنتی خواہش کرے گا کہ اس کے یہاں اولاد ہو تو اس کے اولاد ہوگی۔ اور حمل، ولادت اور جوانی کی عمر تک پہنچنا ایک ہی وقت میں ہوجائے گا۔

اسحٰق بن ابراہیم نے مندرجہ بالا حدیث نقل کرکے فرمایا کہ جنتی اولاد کی خواہش نہ کرے گا۔

جنت کی عورتوں کے ترانے اور گیت

اسی حدیث کے آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں کے بارے میں فرمایا کہ وہ یہ گیت گائیں گی۔

الا نحن الخالدات فلا نموت ابدا

الا نحن الناعمات فلا نباس ابدا

الا نحن المقیمات فلا نظمن ابدا

الا نحن الراضیات فلا نسخط ابدا

طوبی لمن کنا له و کان لنا

(ترجمہ) ''یاد رکھو! ہم ہمیشہ رہنے والی ہیں کبھی نہیں مریں گی، ہم نعمتوں میں پلنے والی ہیں، کبھی خستہ حال نہ ہوں گی، سن لو! ہم جنت میں ہی رہیں گی کبھی نکالی نہ جائیں گی، ہم (اپنے شوہروں سے) راضی رہنے والی ہیں کبھی ناراض نہ ہوں گی، سعادت ہے اس شخص کے لیے جس کے لیے ہم ہیں، اور وہ ہمارے لیے ہے۔''

(حوالہ مذکور، از البدور السافرہ، ابن جریر، حادی الارواح، ترغیب وترہیب وغیرہ)

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث میں جنت کی عورتوں کے حسن کا تفصیلی بیان آ گیا ہے۔ جو حوروں اور دنیا کی عورتوں کی خوبیوں کو حاوی ہے۔ اس میں بعض تشبیہات ایسی آئی ہیں جن کی حقیقت کا اندازہ کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی معیار نہیں ہے۔ مثلاً یہ ارشاد ''اپنی رقت جلد سے نظر کو حیران کر دینے والی'' یا یہ ارشاد کہ ''ان کی لطافت انڈے کے اندر کے چھلکے کی طرح ہوگی''، یعنی اس جھلی کی طرح جو انڈے کے چھلکے کے اندر ہوتی ہے ان ارشادات کی اصل حقیقت تو وہاں پہنچنے کے بعد ہی معلوم ہوگی۔ لیکن شفافیت اور صاف رنگ کا اندازہ کسی حد تک ہو سکتا ہے۔

مختلف روایات میں جنت کے اندر عورتوں کے گیتوں اور درختوں کی خوبصورت آوازوں کا ذکر آیا ہے۔ حضرت سعید ابن جبیر فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم سے سوال کرو۔ کیونکہ تم ہم سے ایسی چیز کا سوال نہیں کرو گے اِلّا یہ کہ ہم نے اس کے بارے میں پوچھ رکھا ہے۔ تو ایک شخص نے عرض کیا۔ کیا جنت میں نغمہ سرائی ہوگی؟ آپ نے فرمایا کستوری

(مشک) کے کوزے ہوں گے۔ جن کے پاس لڑکیاں ہوں گی۔ جو اللہ تعالیٰ کی ایسی (دلکش) آواز میں بزرگی بیان کریں گی کہ ان کی مثل کانوں نے کبھی نہ سنی ہوگی۔'' (حوالہ مذکور، از البدور السافرہ)

حضرت داؤد علیہ السلام کی حمد سرائی

حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نہایت ہی دلکش ترنم اور آواز سے نوازا تھا۔ جو آپ کے معجزوں میں سے ایک معجزہ تھا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی آواز سن کر پرندے اور دوسرے جانور بھی سحر زدہ ہو جاتے تھے۔ اسی لیے لحن داؤدی مشہور ہے۔ قرآن کریم کی آیت (حضرت داؤد کے لیے ہمارے پاس قرب کا مرتبہ ہے اور لوٹ جانے کی بہترین جگہ ہے) کی تفسیر میں حضرت مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن حضرت داؤد علیہ السلام کو عرش کے پائے کے پاس کھڑا کیا جائے گا اور ان کو حکم دیا جائے گا کہ اے داؤد! اس حسین آواز میں میری بزرگی بیان کرو جس طرح سے دنیا میں بیان کیا کرتے تھے۔ وہ عرض کریں گے۔ اے رب کیسے حمد کروں۔ آپ نے تو میری خوش الحانی واپس لے لی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ میں اس کو آج پھر واپس کرتا ہوں۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام ایسی آواز کے ساتھ حمد بیان کریں گے کہ جنت کی نعمتوں کو بھی بھلا دیں گے۔
(حوالہ مذکور، از زہد امام احمد، وحکیم ترمذی) (واللہ اعلم)

آخر میں ایک اور روایت سن لیجیے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا جنت میں گیت ہوگا؟ کیونکہ میں گیت کو پسند کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ اللہ تعالیٰ جنت کے درخت کی طرف پیغام بھیجیں گے کہ

میرے ان بندوں کو جنہوں نے اپنے آپ کو باجوں اور گانوں کی بجائے میرے ذکر کے ساتھ مصروف رکھا تو ان کو ایسی آوازوں میں تسبیح وتقدیس سنا کہ ایسی مخلوقات نے کبھی نہ سنی ہوں۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک اور روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں۔

''جنت میں ایک درخت جس کے تنے سونے کے اور شاخیں زبرجد اور لُولُو کی ہوں گی۔ اس پر ہوا چلے گی تو وہ حرکت میں آئیں گی۔ سننے والے اس سے زیادہ لذیذ کوئی آواز نہیں سنیں گے۔'' (حوالہ مذکور، صفۃ الجنہ ابو نعیم البدور السافرہ وغیرہ)

غرض معلوم ہوا کہ جنت میں موسیقی اور نغمگی بھی اعلیٰ درجے کی ہوگی۔ (واللہ اعلم)

جنت کے پرندے اور ان کا گوشت

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے سورۂ واقعہ میں اہل جنت کی مخصوص نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَحۡمِ طَيۡرٍ مِّمَّا يَشۡتَهُوۡنَ (۲۱)

ترجمہ ''اور پرندوں کا گوشت ہوگا جو ان کو مرغوب ہوگا'' (سورۂ واقعہ - 21)

تفسیر مظہری کے حوالے سے معارف القرآن میں اس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ''حدیث میں ہے کہ اہل جنت جس وقت کسی پرندے کے گوشت کی طرف رغبت کریں گے تو اس کا گوشت جس طرح کھانے کی رغبت دل میں آئے گی۔ یعنی کباب کی صورت ہو یا دوسری کسی قسم کا پکا ہوا ہو، اسی طرح کا تیار ہو کر فوراً اس کے سامنے آجائے گا۔'' (معارف القرآن جلد 8)

اس مضمون کی تائید دوسری صحیح احادیث سے ہوتی ہے کہ جنت میں اہل جنت پرندوں کا گوشت کھائیں گے اور گوشت کی جس قسم کی رغبت ان کو ہوگی وہ پکا پکایا ان کے سامنے بلا انتظار پیش کیا جائے گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

(ترجمہ) ''بلاشبہ جنت میں لمبی لمبی گردنوں والے اونٹوں کے برابر (بختی اونٹ) پرندے ہیں جو جنت کے درختوں میں چرتے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! وہ تو بڑی ہی اچھی زندگی میں ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے کھانے والے ان سے زیادہ بہترین زندگی میں ہوں گے۔ تین مرتبہ یونہی فرمایا (پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خوشخبری دیتے ہوئے ارشاد فرمایا) میں امید کرتا ہوں کہ تم ان لوگوں میں سے ہوگے جو ان پرندوں کو کھائیں گے'' (مرنے کے بعد کیا ہوگا۔ از مسند احمد)

اس حدیث میں پرندوں کے سائز اور ان کے گوشت کے لذیذ ہونے کا بیان بھی ہے۔ یہاں لوگ سوچ سکتے ہیں کہ اس دنیا میں اونٹوں جیسے پرندوں کے گوشت کا کوئی اچھا تصور ذہن میں نہیں آتا۔ کیونکہ بہت بڑے جانوروں کا گوشت عام طور پر پسندیدہ نہیں سمجھا جاتا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ بیان سن کر فرمایا کہ ''وہ تو بڑی ہی اچھی زندگی میں ہیں'' ان کے ذہن میں یہ سوال نہیں پیدا ہوا۔ بلکہ ان کی جنت کی زندگی پر رشک آیا۔ کیونکہ ان سے زیادہ ان نعمتوں کی حقیقت کو جاننے والا کون ہوسکتا ہے۔ اس کے علاوہ یہاں ہمارے جسم کے قد و قامت۔ اور اس کی صلاحیتیں ناقص اور بہت کم ہیں وہاں کے قد و قامت اور پھر وہاں کے پرندوں اور ان کے

گوشت کی کیفیت کو ہم اس دنیا پر قیاس نہیں کر سکتے۔ دوسرے اس حدیث میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کی زندگی ہی میں جنت کی بشارت اور ان کے خاص درجے کی خبر بھی دی گئی ہے۔

''حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے جب کسی جنتی کو پرندے کی اشتہا ہوگی تو پرندہ اس کے سامنے آ کر گر جائے گا۔ جو پکا ہوا ہوگا اور اس کے ٹکڑے بنے ہوئے ہوں گے''۔ (حوالہ مذکور)

اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(ترجمہ) جنت میں تو کسی پرندے کی طرف دیکھے گا۔ اور اس کی طلب کرے گا تو وہ تیرے سامنے بھن بھنا کر پیش ہو جائے گا۔'' (جنت کے حسین مناظر۔ از بیہقی۔ صفتہ الجنہ ابونعیم کامل ابن عدی۔ تفسیر ابن کثیر وغیرہ)

اس حدیث میں عربی کا لفظ مشویا استعمال ہوا ہے جس کا ترجمہ آج کی اصطلاح میں ''روسٹ'' کیا جا سکتا ہے۔ گویا یہ جنت کا چکن روسٹ ہوگا۔

جنت کا فاسٹ فوڈ

اسی مقام پر ابن ابی الدنیا کے حوالے سے حضرت میمورنہ رضی اللہ عنہما کی یہ روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی گئی ہے

''یہ پرندہ اس حالت میں روسٹ ہو کر پیش ہوگا کہ نہ تو اس کو دھواں پہنچا ہوگا اور نہ ہی آگ'' (حوالہ مذکور)

ہمارے یہاں بلکہ پوری دنیا میں فاسٹ فوڈ کا رواج عام ہے۔ یہ فاسٹ فوڈ بھی فاسٹ نہیں ہوتا البتہ روایتی کھانوں کے مقابلے میں ضرور فاسٹ ہوتا ہے۔

جنت میں تمام کھانے فاسٹ ہوں گے۔ خواہ وہ روایتی کھانے ہوں۔ یا رواجی۔ لیکن اس حدیث سے یہاں کے فاسٹ فوڈ (روسٹ وغیرہ) میں اور جنت کے "برڈ فوڈ" (Bird Food) میں ایک بڑا فرق یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنت کے یہ روسٹ آگ پر نہیں پکے ہوں گے اور اس لیے ان پر دھویں کا اثر نہیں ہوگا۔ کیونکہ جنت میں آگ نہیں ہوگی۔ اور اس لیے دھواں بھی نہیں ہوگا۔ یہ کھانے کس چیز سے پکائے جائیں گے اس کی تو کوئی وضاحت نہیں ہے لیکن روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پرندے جنتی کی خواہش کے مطابق خود بخود گوشت کی وہ صورت اختیار کرلیں گے جس کی اہل جنت کو خواہش ہوگی۔ چنانچہ حضرت ابوالدردا رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(ترجمہ) "جنت میں بختی اونٹ (لمبی گردن والے) کی طرح اونچے اونچے پرندے ہوں گے۔ جو اللہ کے ولی (جنتی) کے سامنے آکر بیٹھیں گے۔ ان میں سے ایک کہے گا۔ اے والی اللہ! میں عرش کے نیچے جنت میں چرتا رہا ہوں اور تسنیم کے چشموں سے پیتا رہا ہوں۔ آپ مجھ سے تناول فرمائیے۔ پھر وہ ولی اللہ کے سامنے (اپنی) تعریف کرتا رہے گا۔ حتیٰ کہ جنتی کے دل میں ان پرندوں میں سے کسی ایک کے کھانے کا ارادہ ہوگا۔ تو وہ پرندہ اس جنتی کے سامنے مختلف ذائقوں کے ساتھ گر پڑے گا۔ اور وہ اس سے اپنی طلب کے مطابق کھائے گا اور جب سیر ہوگا تو پرندے کی ہڈیاں جمع ہو جائیں گی اور وہ اڑ کر جنت میں جہاں چاہے گا۔ چرنا شروع ہو جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہ پرندہ تو بڑے مزے میں ہوگا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اس پرندے کو تناول کرنا۔ اس سے بھی زیادہ عیش ونشاط رکھتا ہے (حوالہ مذکور۔ از احمد۔ صفۃ الجنۃ۔ ترمذی۔ ابن ابی شیبہ وغیرہ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنت کا یہ فاسٹ فوڈ کس طرح تیار ہوگا۔ اگرچہ یہ بات عجیب اور خلاف عادت ضرور ہے کہ ایک زندہ پرندہ خود بخود مطلوبہ قسم کے کھانے میں تبدیل ہوگا۔ اور پھر دوبارہ ویسا ہی پرندہ بن کر اڑ جائے گا۔ لیکن عقلاً ایسا ہی ہونا بھی چاہیے۔ کیونکہ جنت میں موت نہیں ہوگی۔ اور اس دنیا کے قانون کے مطابق گوشت کھانے کا لازمی مطلب یہ ہے کہ کسی جاندار کو ذبح کرکے اس کو زندگی سے محروم کیا جائے۔ اس لیے یہ بات خلاف عادت تو ہے۔ خلاف عقل نہیں۔

ان روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جنت کے پرندے اس بات کے حریص ہوں گے کہ اہل جنت ان کے گوشت تناول کریں اور اس کے لیے وہ اہل جنت کے سامنے اپنے گوشت کی خصوصیات اور لذت بیان کریں گے کہ ان کی پرورش جنت کے پھلوں اور جنت کے چشموں کا پانی پی کر ہوئی ہے۔

ایک اور روایت میں جنت کے ایک خاص پرندے کا ذکر آیا ہے جو اہل جنت کو مختلف قسم کے کھانے اور میٹھے پیش کرے گا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(ترجمہ) ''جنت میں ایک پرندہ ہوگا۔ جس کے ستر پر ہوں گے یہ اگر جنت کے صفحہ (طباق یا دسترخوان) پر بیٹھے گا۔ پھر حرکت کرے گا تو اس کے ہر پر سے برف سے بھی زیادہ سفید قسم کا کھانا نکلے گا۔ جو جھاگ سے زیادہ ملائم اور شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا۔ اس میں کوئی کھانا ایسا نہیں ہوگا جو دوسرے (پر والے) کھانے سے ملتا ہو۔ پھر وہ پرندہ اٹھ کر چلا جائے گا''۔

(حوالہ مذکور۔ از البدور السافرہ۔ صفتہ الجنہ ابونعیم۔ درمنشور۔ ابن کثیر وغیرہ)

معلوم ہوا کہ پرندوں کے ذریعے پیش ہونے والے کھانے مختلف اقسام اور ذائقوں کے ہوں گے ایک دوسری روایت میں جنت کے درخت طوبیٰ کے ایسے ہی

ایک پرندے کا ذکر آیا ہے۔

حضرت مغیث بن سمی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طوبیٰ جنت میں ایک درخت ہے۔ جنت میں کوئی محل ایسا نہیں ہے جس پر اس کی ٹہنیوں سے کوئی ٹہنی سایہ نہ کرتے ہو۔ اس پر مختلف قسم کے پھل لگے ہوئے ہیں۔ اس پر بختی اونٹ کے برابر بیٹھتے ہیں جب کوئی شخص پرندے کا گوشت کھانا چاہے گا تو اس کو بلائے گا۔ تو وہ اس کے دسترخوان پر آگرے گا اور وہ جنتی اس کی ایک جانب سے بھنا ہوا گوشت کھائے گا اور دوسری جانب سے شوربے والا۔ پھر یہ پرندہ اپنی اصلی حالت میں واپس آکر اڑکر چلا جائے گا۔ (حوالہ مذکورہ از۔ البدور السافرہ۔ صفتہ الجنہ۔ ابن ابی شیبہ وغیرہ)

قرآن کریم کی ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے کھانوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ:

وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا(٦٢)

(ترجمہ) ''اور ان کے لیے (اہل جنت کے لیے) رزق ہوگا صبح۔ شام''

(سورۂ مریم آیت 62)

اس آیت میں صبح اور شام رزق دیئے جانے کا ذکر ہے۔ جبکہ جنت میں نہ سورج ہوگا اور نہ یہ نظام شمسی جو صبح وشام کی تبدیلیوں کا ذریعہ ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت حسنؒ اور حضرت ابو قلابہ دونوں بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا۔ یارسول کیا جنت میں رات بھی ہوگی؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں کہ جنتیوں کے لیے جنت میں رزق ہوگا صبح وشام'' (یعنی یہ آیت تلاوت کی) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''وہاں پر کوئی رات نہیں ہوگی۔ بلکہ وہاں ایک روشنی اور نور ہوگا۔ صبح شام پر طاری ہوگی۔ اور شام صبح پر۔ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے

نماز کے اوقات میں ہدایا آیا کریں گے اور ان پر فرشتے سلام کرتے ہوں گے۔ معارف القرآن میں لکھا ہے کہ صبح وشام کے امتیازات کسی خاص انداز سے ہوں گے۔ صبح وشام کی تخصیص۔ انسانی عادت وفطرت کی بنا پر ہے کہ وہ صبح شام کھانے پینے کا عادی ہوتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت کر کے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مومنین کا کھانا دن میں دو مرتبہ ہوتا ہے۔ صبح اور شام۔ اور بعض حضرات کا قول ہے کہ صبح وشام کا لفظ بول کر عموم مراد ہے۔ یعنی بلا تخصیص تمام اوقات میں۔ جسے ہم اکثر رات دن بول کر اور رات کے اکثر حصے مراد لیتے ہیں۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ان کا رزق ان کی خواہش کے موافق ہر وقت موجود رہتا ہے۔ واللہ اعلم (ماخوذ از معارف القرآن جلد 6)

بارھواں باب

جہنم اور احوالِ جہنم

☆جہنم سے آزاد ہونے والا آخری شخص

☆دوزخ سے بچو اور بچاؤ/جہنم سے ڈرو اور ڈراؤ

☆کیا جہنم آسمان پر ہے؟

☆دوزخ کی گہرائی

☆بدکار حکمراں کتنی گہرائی میں ہوگا

☆ضریع: آگ کے کانٹے

☆غسلین: زخموں کا دھوون

☆جہنم سے نجات اور پناہ

جہنم سے آزاد ہونے والا آخری شخص

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے علاوہ دوسری کتابوں میں ایک ایسے شخص کا واقعہ کافی تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے جو سب سے آخر میں جنت میں داخل ہوگا۔ یہ واقعہ دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ سبق آموز بھی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(ترجمہ) ''میں اس شخص کو اچھی طرح جانتا ہوں جو سب سے آخر میں دوزخ سے نکلے گا۔ اور جنت میں جانے والوں میں سب سے آخری ہوگا۔ یہ شخص پیٹ کے بل گھسٹتا ہوا دوزخ سے نکلے گا۔ بس حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ جا! جنت میں داخل ہو جا۔ وہ جنت کے پاس آئے گا تو اس کو معلوم ہوگا کہ (جنت) بھری ہوئی ہے۔ (کہیں جگہ نہیں ہے) لہٰذا وہ عرض کرے گا کہ اے رب! میں نے (تو) اس کو بھرا ہوا پایا ہے۔ حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ جا! جنت میں داخل ہو جا۔ (تجھے) دنیا کی برابر جگہ دی گئی اور اسی قدر دس گنی جگہ اور دی گئی۔ یہ سن کر وہ (اللہ تعالیٰ سے) عرض کرے گا کہ کیا آپ مجھ سے مذاق فرماتے ہیں؟ حالانکہ آپ (سب کے) بادشاہ ہیں۔

(راوی یعنی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ (یہ فرمانے کے بعد) آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے۔ حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں۔ (کہ یہ بے چارہ اتنی کثیر عطا کو جس کا اس کو تصور بھی نہیں تھا مذاق سمجھا) حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان یہ بات کہی جاتی تھی کہ یہ شخص سب سے کم درجے کا جنتی ہوگا۔ جو

سب سے آخر میں داخل ہوگا۔ اور پوری دنیا اور دنیا جیسی دس گنی جگہ کا مالک ہوگیا۔'' (مرنے کے بعد ہوگا۔ص 361، از مشکوٰۃ، حوالہ بخاری و مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گناہ گار اور فاسق و فاجر مسلمان دوزخ میں اپنے اعمال کی سزا بھگتنے کے لیے ڈالے جائیں گے۔ اس لیے جنت کے بیان میں آنے والی وہ روایات جن سے ہر ادنیٰ ایمان والے کے لیے بھی جنت کا وعدہ ہے۔ ان کی بنا پر اس دنیا میں اعمال صالحہ سے غفلت برتنے۔ یا گناہوں کو معمولی سمجھنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس دنیا میں کون جان بوجھ کر انگارے کو ایک لمحے کے لیے بھی ہاتھ پر رکھنے کی طاقت رکھتا ہے۔ پھر جہنم کی آگ کا اس دنیا کی آگ سے کیا مقابلہ؟ اور کس کو معلوم ہے کہ کون (اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھے) اپنے گناہوں کی وجہ سے کتنا عرصہ جہنم میں گزارے گا۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ یہ شخص جس کو اس دنیا جیسی گیارہ دنیاؤں کے برابر جگہ ملے گی۔ سب سے کم درجے کا جنتی ہوگا۔ اعلیٰ درجے والوں کو کیا کچھ عطا ہوگا۔ اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔

رہا یہ سوال کہ ایک شخص اتنی جگہ لے کر کیا کرے گا؟ اس کا جواب پچھلے مضامین میں تفصیل سے دیا جا چکا ہے کہ اس کے لیے مخلوق پیدا کی جائے گی اور وہ اس مخلوق کا بادشاہ ہوگا۔

اللہ سے آخری جنتی کا عہد و پیمان

صحیح مسلم میں آخری جنتی کا واقعہ بعض دوسری تفصیلات کے ساتھ بھی ذکر کیا گیا ہے اور اس شخص کے جہنم سے نکلنے سے لیکر جنت میں داخل ہونے تک کے سفر کی تفصیل دی گئی ہے۔ جس میں اس شخص کے اور اللہ رب العالمین کے درمیان جو گفتگو

ہو گی اس کا بھی ذکر ہے۔ یہ حدیث بھی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(ترجمہ) ''سب سے آخری شخص جو جنت میں جائے گا۔ جو دوزخ سے نکلنے کی ہمت کر کے (کبھی) پیدل چلے گا اور (کبھی گر پڑے گا، یعنی گرتا پڑتا چلے گا) اور کبھی اس کو آگ کی لپٹ جھلسے گی۔ پس جب (گرتا پڑتا) دوزخ سے نکل کر آگے بڑھ جائے گا۔ تو وہ اس کی طرف (دوزخ کی طرف) دیکھ کر کہے گا۔ بابرکت ہے (حق تعالیٰ کی ذات) جس نے مجھے تجھ سے نجات بخشی۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ نعمت دی ہے جو اولین وآخرین میں سے کسی کو بھی نہیں دی۔ اس کے بعد ایک درخت اس کی نظر کے سامنے کیا جائے گا۔ وہ کہے گا۔ اے میرے رب! مجھے اس درخت کے قریب کر دیجیے تاکہ اس کا سایہ حاصل کروں۔ اور پانی نوش کروں۔ (جو اس کے نیچے بہہ رہا ہے) حق تعالیٰ فرمائیں گے۔ عجب نہیں۔ اگر میں تجھے یہ نعمت دے دوں تو اس کے بعد تو اور کوئی درخواست کرنے لگے۔ وہ کہے گا۔ اے رب نہیں ایسا نہیں کروں گا۔ اور عہد کرے گا کہ اس کے بعد اور کچھ نہ مانگوں گا۔ اور رب العالمین اس کو معذور قرار دے گا۔ (کیونکہ اس وقت اس کی نیت یہی ہے مگر نباہ نہ سکے گا) کیونکہ اس کو وہ چیز نظر آئے گی جس کے بغیر صبر کر ہی نہ سکے گا۔ چنانچہ اس کو درخت کے قریب کر دیا جائے گا۔ وہ اس کے سایہ میں بیٹھے گا اور پانی پیئے گا۔''

''اس کے بعد اسکے سامنے (ایک) دوسرا درخت بلند کر دیا جائے گا جو پہلے درخت سے بہت اچھا ہو گا۔ پس (اس پر نظر پڑے گی تو) عرض کرے گا۔ اے رب! مجھے اس کے نزدیک پہنچا دیجیے۔ تاکہ اس کے نیچے

بہنے والا پانی پیوں۔ اور اس کے سائے میں بیٹھوں۔ اور اس کے علاوہ آپ سے کچھ نہ مانگوں گا۔ ارشاد ہوگا۔ اے ابن آدم! کیا تو نے مجھ سے عہد نہیں کیا تھا کہ اور کچھ نہ مانگوں گا۔ اور عجب نہیں۔ اگر میں تجھے اس کے قریب کر دوں تو۔ تو پھر کچھ اور مانگنے لگے۔ پس وہ عہد کرے گا کہ اس کے سوا اور کچھ نہ مانگوں گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو معذور قرار دے گا۔ کیونکہ اس کے بعد اس چیز پر نظر پڑے گی جس کے بغیر صبر ہی نہ کر سکے گا۔ پس اللہ تعالیٰ (اس کو) اس درخت کے پاس پہنچا دے گا اور وہ اس کا سایہ لے گا اور پانی پیے گا۔''

''اس کے بعد جنت کے دروازے کے قریب ایک درخت اس کے سامنے کر دیا جائے گا۔ جو پہلے دونوں درختوں سے زیادہ خوش نما ہوگا۔ پس وہ عرض کرے گا۔ اے رب! مجھے اس درخت کے قریب پہنچا دیجیے۔ تاکہ اس کا سایہ لوں، اور پانی پی لوں، اس کے سوا آپ سے کچھ نہ مانگوں گا۔ ارشاد ہوگا۔ تو نے مجھ سے پختہ عہد نہ کیا تھا کہ اور کچھ نہ مانگوں گا۔ وہ کہے گا۔ بے شک اے رب! عہد تو کیا تھا (مگر اس مرتبہ اور اپنے فضل سے میرا سوال پورا کر دیجیے) اس کے سوا آپ سے کچھ نہ مانگوں گا اور حق تعالیٰ اسے معذور قرار دیں گے۔ کیونکہ اسے وہ چیز نظر آئے گی۔ جس کے بغیر صبر کر ہی نہ سکے گا۔ چنانچہ (اس کو) اس درخت کے قریب کر دیا جائے گا تو (وہاں) جنتیوں کی آوازیں سنائی دیں گی (اس کو پھر لالچ آئے گا اور وہ پھر) عرض کرے گا۔ اے رب! مجھے اس کے اندر پہنچا دے۔ ارشاد ہوگا۔ اے ابن آدم! آخر تیرا سوال کرنا کسی طرح ختم بھی ہوگا؟ کیا تو اس سے راضی ہوگا کہ تجھے دنیا کے برابر دے دوں؟ وہ عرض کرے گا۔ آپ مجھ سے مذاق فرما رہے ہیں۔ حالانکہ آپ رب العالمین ہیں۔ اس بات کو بیان

کرتے ہوئے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہنسے۔ اور (حاضرین سے) فرمایا کہ تم مجھ سے دریافت نہیں کرتے کہ میں کس لیے ہنسا؟ حاضرین نے عرض کیا۔ فرمایئے۔ آپ کیوں ہنسے۔ فرمایا کہ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اس حدیث کو بیان کر کے) ہنسے تھے۔''

''صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کیوں ہنسے۔ فرمایا کہ اللہ رب العالمین کے ہنسنے پر مجھے ہنسی آ گئی۔ جب کہ بندے نے کہا کیا آپ مجھ سے مذاق فرماتے ہیں۔ حالانکہ آپ رب العالمین ہیں۔ حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ میں تجھ سے مذاق نہیں کرتا۔ (بلکہ واقعی تجھے اتنا ہی دیا) میں جو بھی چاہوں۔ اس پر قادر ہوں۔'' (حوالہ مذکور، از مشکوٰۃ، حوالہ مسلم)

اس حدیث میں اس آخری شخص کے جہنم سے آزاد ہونے کے بعد سے جنت تک کے سفر کی داستان ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے بار بار عہد و پیمان کرنے کا بیان ہے۔ ہر بار اس کے عہد توڑنے پر یہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو معذور قرار دیں گے۔ کیونکہ عہد کے وقت اس کی نیت ہی یہ ہوگی کہ وہ اور کچھ نہ مانگے گا۔ لیکن اس کو کچھ ایسی نعمتیں نظر آئیں گی کہ اس سے صبر نہ ہو سکے گا۔ اور اللہ رب العالمین اس پر فضل فرماتے رہیں گے۔ یہ نعمتیں اس درجے کی ہوں گی کہ اللہ تعالیٰ اس کی عہد شکنی پر اس کو معذور قرار دیں گے۔ جہنم سے نکلنے پر اس کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ نعمت دی جو اولین و آخرین میں سے کسی کو نہیں دی۔ دوزخ کی بے انتہا خوفناکی اور شدت کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود کا ہنسنا۔ اور پھر حاضرین سے ہنسی کی وجہ دریافت نہ کرنے کا سوال صحابہ کرام کی والہانہ محبت اور سنت پر عمل کرنے کی قابل تقلید مثال ہے۔ چنانچہ محدثین یہ اہتمام فرماتے تھے کہ حدیث کے بیان کے وقت اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی عمل کا کرنا ثابت ہوتا تو روایت کے وقت

اس عمل کو کر کے دکھاتے تھے۔ مثلاً ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد کی ابتدا میں اگر تکیہ لگائے ہوئے تھے اور کسی بات سیدھے ہو کر وہ بات بیان فرمائی تو محدثین اس بات سے پہلے تکیہ لگائے ہوتے اور اس بات پر پہنچ کر سیدھے بیٹھ کر وہ بات بیان فرماتے:

یہی واقعہ تقریباً اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کیا گیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے آخر میں ہے کہ (وہ شخص جب بار بار عہد توڑ کر جنت میں داخل ہو جائے گا تو) اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ جو تیری آرزو ہو وہ لے لے۔ (وہ اپنی آرزوئیں ظاہر کرتا جائے گا۔ اور مراد پاتا جائے گا) یہاں تک کہ اس کی آرزوئیں ختم ہو جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اور تمنا کر لے۔ (دیکھ) فلاں نعمت (رہ گئی ہے اس کی) آرزو کر لے۔ (اور) فلاں چیز (باقی ہے اس کی) تمنا کر لے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ اس کو آرزوئیں یاد دلاتے جائیں گے۔ (اور ہر آرزو پوری کرتے رہیں گے) یہاں تک کہ آرزوئیں ختم ہو جائیں گی (تو) اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ جو کچھ تو نے تمنائیں کی ہیں۔ وہ سب تجھ کو دیا۔ اور اسی قدر اور دیا۔ (حوالہ بالا از مشکوٰۃ، حوالہ بخاری و مسلم)

یہ روایت ہمارے رب کی رحمت و شفقت اور فیاضی کی عجیب و غریب روایت ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اللہ جل شانہ، اس سے فرمائیں گے تو نے جو جو تمنائیں کی ہیں وہ سب تجھے دیا۔ اور اس کا دس گنا اور دیا۔ اس کے بعد (جنتی) اپنے گھر میں داخل ہوگا تو حور عین میں سے دو بیویاں اس کے پاس آئیں گی اور کہیں گی۔

(سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے ہمارے لیے تجھ کو (جنت کی) دائمی زندگی بخشی اور جس نے ہم کو تیرے لیے زندگی عطا کی) وہ شخص کہے گا جو کچھ مجھے ملا ہے وہ کسی کو بھی نہیں ملا۔ (حوالہ مذکورہ، از ترغیب وترہیب وطبرانی جید اسناد کے ساتھ)

یہاں شیخ اکبر علامہ ابنِ عربی رحمتہ اللہ علیہ کے ایک کشف کا ذکر حکیم الامت حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے کسی وعظ میں کیا ہے۔ ابنِ عربی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جنت کے سب طبقات اوپر نیچے ہوں گے۔ اور مخصوص اعمال والوں کو ان کے لیے خاص دروازے سے بلایا جائے گا۔ مثلاً روزہ داروں کو باب الریان سے آواز دی جائے گی۔ اور وہ اپنے اسی دروازے سے جنت میں داخل ہوں گے۔ (جس طرح ہم کثیر المنزلہ عمارت میں لفٹ کے ذریعے اپنی مطلوبہ منزل پر پہنچ جاتے ہیں۔)

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح جنت کے آٹھ دروازے اعمال صالحہ کے اعتبار سے قائم کیے گئے ہیں اسی طرح دوزخ کے سات دروازے گناہوں اور اعمال بد کے اعتبار سے قائم کیے گئے ہیں۔ حضرت وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ ہر دو دروازوں کے درمیان ستر سال کی مسافت کا فاصلہ ہے اور ہر نچلا دروازہ اوپر والے سے شدید ترین گرم ہے۔

ستر سال کی مسافت جو فرمایا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیمانے کے طور پر فرمایا ہے۔ اس سے یہ استدلال نہیں ہوسکتا کہ جہنم کے طبقات اوپر نیچے نہ ہوں۔ بلکہ ہموار سطح ہو۔

سورہ کہف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا وَ اِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ

يَشْوِى الْوُجُوْهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا (۲۹)

(ترجمہ) ''بیشک ہم نے ظالموں کے لیے (یعنی کفار کے لیے دوزخ کی) آگ تیار کر رکھی ہے کہ اس کی آگ کی قناتیں ان کو گھیرے ہوں گی۔ (یعنی وہ قناتیں بھی آگ ہی کی ہیں، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ یہ لوگ اس گھیرے سے نہ نکل سکیں گے) اور اگر (پیاس سے) فریاد کریں گے تو ایسے پانی سے ان کی فریادرسی کی جائے گی جو تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا (اور ایسا گرم ہوگا کہ) مونہوں کو بھون ڈالے گا۔ کیسا برا پانی ہوگا۔ اور وہ دوزخ بھی کیا ہی بری جگہ ہے۔'' (سورہ کہف، ترجمہ حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ، از معارف القرآن)

اس آیت میں قناتوں کے لیے ''سرادق'' کا لفظ ہے جس کا ترجمہ قناتوں سے کیا گیا ہے روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دوزخ کی دیواریں ہیں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(ترجمہ) جہنم کی قناتیں چار دیواریں ہیں۔ ہر دیوار کی موٹائی چالیس سال چلنے کے برابر ہے۔ (جہنم کے خوفناک مناظر ص 112، از ترمذی)

مذکورہ بالا بیان تو جہنم کی ظاہری چار دیواری سے متعلق ہے۔ لیکن حدیث میں جنت اور دوزخ کے گرد ایک اور چار دیواری کا بیان ہے۔ جو دنیا والوں کے لیے باطنی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (ترجمہ) جب اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا کیا تو حضرت جبرئیل (علیہ السلام) سے فرمایا۔ جاؤ! جنت کو دیکھو! چنانچہ وہ گئے۔ جنت کو دیکھا۔ اور اس تمام سامان پر نظر ڈالی جو اللہ تعالیٰ نے جنتیوں کے لیے تیار کیا ہے۔ پھر واپس آ کر کہا: اے پروردگار! تیری عزت کی قسم! جو شخص اس جنت کا

حال سنے گا۔ وہ اس میں داخل ہونے کی خواہش کرے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بہشت کے چاروں طرف شرعی تکالیف کا احاطہ قائم کیا۔ اور اس کے بعد جبرئیل (علیہ السلام) سے فرمایا: اے جبرئیل! جاؤ۔ اور جنت کو دوبارہ دیکھو۔ چنانچہ جبرئیل علیہ السلام گئے۔ اور جنت کو دوبارہ دیکھ کر واپس آئے۔ اور عرض کیا۔ پروردگار! تیری عزت کی قسم مجھ کو اندیشہ ہے کہ اب شاید کوئی بھی جنت کے اندر داخل ہونے کی خواہش نہ کرے گا۔"

"اس کے بعد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے دوزخ کو پیدا کیا تو فرمایا: اے جبرئیل! جاؤ دوزخ کو دیکھو! چنانچہ وہ گئے اور دوزخ کو دیکھ کر واپس آئے۔ اور عرض کیا: یارب! تیری عزت کی قسم جو شخص دوزخ کا حال سنے گا وہ کبھی اس میں داخل ہونے کی خواہش نہ کرے گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دوزخ کے گرد خواہشات نفسانی اور شہوات کا احاطہ لگایا۔ اور پھر فرمایا: جبرئیل! جاؤ اب دوزخ کو دیکھ۔ چنانچہ جبرئیل علیہ السلام گئے اور دوزخ کو دوبارہ دیکھ کر واپس آئے۔ اور عرض کیا: یارب! تیری عزت کی قسم! مجھ کو اندیشہ ہے کہ اب جو شخص دوزخ کا حال سنے گا وہ اسی میں داخل ہونے کی خواہش کرے گا۔"

(مشکوٰۃ 5451، از ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

دیکھا جائے تو یہ حدیث پورے دین کا خلاصہ ہے۔ جنت کے چاروں طرف ایمان و شریعت کے احکام کی باڑھ لگی ہوئی ہے۔ فرائض کی پابندی ہو یا حقوق کی ادائیگی۔ حلال و حرام کا لحاظ ہو۔ یا معاملات میں انصاف و دیانت۔ ایثار و ہمدردی ہو۔ یا بیماریوں اور پریشانیوں میں صبر کرنا۔ یہ سب شرعی تکالیف ہیں۔ اور انسان کے نفس پر شاق ہیں۔ انسان ان پابندیوں سے گھبراتا ہے۔ جنت تک رسائی ان

سے گزرے بغیر ممکن نہیں۔ ہاں! البتہ جو لوگ اپنے نفس کی تربیت کر لیتے ہیں۔ ان کے لیے یہی پابندیاں اور تکالیف لذت وسرور کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ اللہ والوں کا یہی حال ہے۔ اس دنیا میں بھی یہی قانون رائج ہے۔ یہاں بھی گھر بیٹھے۔ محنت کیے بغیر کوئی نعمت نہیں ملتی۔ ملازم ہو یا تاجر، صنعتکار ہو یا کسان ہر شخص پہلے تکلیف سے گزرتا ہے۔ پھر اس کا پھل پاتا ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ ہر شخص جنت میں جانا چاہتا ہے مگر مرنا کوئی نہیں چاہتا۔

اس کے برخلاف دوزخ پرفریب اور رنگین خواہشات، مال ودولت، جاہ منصب اور شہوات نفسانی کی رنگا رنگ اور پرکشش چیزوں سے گھری ہوئی ہے۔ جو لوگ ان چیزوں میں پڑ کر آخرت سے غافل ہو جاتے ہیں اور نفس وشیطان کے بہکائے میں آکر اس احاطے میں داخل ہو جاتے ہیں انہیں دوزخ دبوچ لیتی ہے۔ (معاذ اللہ)

دوزخ سے بچو اور بچاؤ

جہنم کے واقعات اور حالات جو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں۔ وہ اتنی کثرت سے ہیں کہ ان کا احاطہ کرنا نہایت دشوار ہے۔ کثرت تعداد کے علاوہ دوزخ کی تفصیلات اتنی خوفناک اور عجیب وغریب ہیں کہ پڑھنے والا دنگ رہ جاتا ہے۔ دوزخ اللہ تعالیٰ کے غضب کا مظہر ہے اور اللہ تعالیٰ کی ہر صفت کامل ہے۔ رحمت ہو یا غضب۔ اس دنیا میں ان صفات کا اظہار کامل نہیں ہوتا لیکن آخرت میں رحمت کا اظہار جنت کی صورت میں کامل ہوگا جہاں ہر نعمت مکمل ہوگی۔ غضب کا اظہار دوزخ کی صورت میں بھی کامل ہوگا۔ جہاں (اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھے) ہر عذاب مکمل ہوگا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دوزخ سے ڈرانے کا جتنا اہتمام

فرمایا ہے شاید اتنی اہتمام کسی چیز کا نہیں کیا۔

جہنم سے ڈرو اور ڈراؤ

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان ''(دوزخ) انسانوں کے لیے بڑا ڈراوا ہے'' (سورہ مدثر) کے متعلق فرمایا ''قسم ہے اللہ کی کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو جہنم سے زیادہ خوف ناک شے سے کہیں نہیں ڈرایا۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کو خطاب کر کے امر کے صیغے میں حکم دیا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ(٦)

(ترجمہ) ''اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔ جس پر تندخو اور مضبوط اور قوی فرشتے متعین ہیں۔ جو اللہ کی ذرا نافرمانی نہیں کرتے جو حکم ان کو کیا جاتا ہے۔ فوراً اس کو بجالاتے ہیں۔ (یعنی نہ کسی پر رحم کرتے ہیں۔ اور اتنے سخت اور طاقتور ہیں کہ ان کی گرفت سے کوئی بچ کر بھاگ نہیں سکتا)۔ (سورہ تحریم۔ 6)

ایک روایت میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اپنے آپ کو جہنم سے بچانے کی فکر تو سمجھ میں آگئی (کہ ہم گناہوں سے بچیں اور احکام الٰہی کی پابندی کریں) مگر اہل وعیال کو ہم کس طرح بچائیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو جن کاموں سے منع فرمایا ہے۔ ان

کاموں سے ان سب کو منع کردو۔ اور جن کاموں کے کرنے کا حکم تم کو دیا ہے ان کے کرنے کا اہل وعیال کو حکم کرو۔ یہ عمل ان کو جہنم کی آگ سے بچا سکے گا۔ (جہنم کے خوفناک مناظر۔از قرطبی وروح المعانی)

اس حدیث میں گھر والوں کو نیکی کا حکم کرنے اور گناہ سے بچانے کا حکم ہے۔ اس دنیا میں تو یہ ماں باپ کی فطرت میں داخل ہے کہ وہ اپنی اولاد کو کسی مصیبت اور تکلیف میں دیکھنا برداشت نہیں کرتے۔ اور اس کے لیے ہر طریقہ اختیار کرتے ہیں۔لیکن آخرت کے معاملے میں خود بھی غفلت میں رہتے ہیں۔اور اپنے گھر والوں کے معاملے میں بھی بے فکر ہو جاتے ہیں۔قرآن کریم کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام مومنین پر جہنم سے بچنے اور بچانے کا فریضہ عائد کیا ہے۔لیکن ہمارے یہاں اس معاملے میں بہت افراط وتفریط پائی جاتی ہے۔

دوزخ کا محل وقوع اور گہرائی

قرآن کریم میں کہیں جہنم کے محل وقوع کے بارے میں کوئی آیت واضح نہیں ہے۔ جنت کے محل وقوع پر آیات اور روایات سے معلوم ہو چکا ہے کہ وہ ساتویں آسمان کے اوپر ہے۔ البتہ قرآن کریم کی بعض آیات سے مفسرین نے دوزخ کے محل وقوع کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے اور حدیث کی بعض روایات بھی اس کی تائید میں نقل فرمائی ہیں۔

ایک روایت حضرت عبداللہ بن سلام سے یہ نقل کی گئی ہے کہ ''جنت آسمان میں ہے۔اور جہنم زمین میں''۔

ان روایات سے اتنی بات تو یقینی معلوم ہوتی ہے کہ دوزخ آسمانوں میں نہیں ہے۔ بلکہ زمینوں کے نیچے ہے، اور قرآن کریم میں نیک لوگوں کے اعمال ناموں کا

مقام علیین اور کفار و مشرکین کے اعمال ناموں کا مقام سجین بتایا ہے۔ جو علیین کے مقابل استعمال ہوا ہے۔اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے دوزخ آسمانوں کے مقابل زمینوں میں ہے۔

ابن جریر نے اپنی تفسیر میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ قرآن کریم میں جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ (ترجمہ) ''قیامت کے روز جہنم کو لایا جائے گا'' اس کا کیا مطلب ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم کو ساتویں زمین سے لایا جائے گا''۔ (معارف القرآن جلد 8)

بعض مفسرین نے قرآن کریم کی آیت ''اور جب سمندر بھڑکائے جائیں گے'' (سورہ تکویر) کی تفسیر میں مختلف روایات نقل کی ہیں۔جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیا کے تمام سمندروں کو بھڑکا کر جہنم میں شامل کر دیا جائے گا۔سورہ طور میں بھی اللہ تعالیٰ نے ابلتے ہوئے دریا کی قسم کھائی ہے۔

کیا جہنم آسمان پر ہے؟

مذکورہ بالا روایات سے دوزخ کا زمین میں ہونا ثابت ہوتا ہے لیکن یہاں دو اشکال سامنے آتے ہیں حدیث کی بہت سی روایات سے مفہوم ہوتا ہے کہ جہنم بھی آسمان پر ہے۔معراج کی روایات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمانوں پر لے جایا گیا اور وہاں جنت اور جہنم کی سیر کرائی گئی۔ پھر واپس آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو جنت اور دوزخ میں جو کچھ دیکھا اس کی تفصیلات بیان فرمائیں۔ مشہور مفسر حضرت ضحاک اور حضرت مجاہدؒ نے اپنی تفسیروں میں یہی فرمایا ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا۔ (ترجمہ) ''میرے پاس براق لائی گئی۔ اور جبریلؑ اسکے ساتھ رہے۔ یہاں تک کہ بیت المقدس جا پہنچے۔ اور ہمارے لیے آسمان کے دروازے کھولے گئے۔ اور میں نے جنت اور جہنم کو دیکھا''۔ (التخویف امام ابن رجب اردو۔ از مولانا امداد اللہ انور بہ حوالہ مسند احمد)

اسی کتاب میں اور بھی دو تین روایات اسی مضمون کی نقل کی گئی ہیں جن سے جہنم کا آسمان پر ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اس اشکال کا جواب مولانا امداد اللہ انور نے اپنی کتاب ''جہنم کے خوفناک مناظر'' میں دیا ہے:

''یہ سب روایات اپنے مدلول پر صحیح نہیں ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہنم کو آسمان پر دیکھا اور اگر بالفرض یہ صحیح بھی ہوں تو ان روایات سے یہ دلالت تو ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو (دوزخ) کو دیکھا ہے جبکہ آپ آسمانوں میں موجود تھے۔ جیسا کہ میت اپنی قبر میں جنت اور جہنم کو دیکھتی ہے۔ حالانکہ جنت زمین پر نہیں ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کسوف میں جنت اور جہنم کو دیکھا۔ جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر تھے...... پس اگر حضرت حذیفہ کی حدیث سے ثابت ہو کہ آپ نے آسمان میں جنت اور جہنم کو دیکھا ہے تو مطلب یہ ہے کہ آپ نے آسمانوں پر سے جہنم کو دیکھا ہے نہ یہ کہ آسمان میں جہنم کو موجود دیکھا ہے''۔

(جہنم کے خوفناک مناظر۔ صف 93)

اب تک کی گفتگو کا حاصل یہ نکلا کہ جہنم زمینوں کے نیچے ہے اور قرآن کریم کی مذکورہ آیات سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے۔

دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمارا یہ کرہ زمین ایک چھوٹا سا سیارہ ہے۔ اگر پورے کرہ زمین کو بھی سمندروں سمیت جہنم بنا دیا جائے۔ تب بھی اس کی وسعت اور گہرائی اتنی نہیں ہوگی جتنی جہنم کی روایات سے معلوم ہوتی ہے۔ اس کا جواب اس

عاجز کی سمجھ میں یہ آتا ہے کہ زمین کے لفظ سے محض یہ کرہ زمین اپنے موجودہ حجم کے مطابق مراد نہ ہو۔ بلکہ خلا کی وسعتوں میں پھیلی ہوئی کہکشائیں جن میں سے ہر ایک کہکشاں میں اب تک کی معلومات کے مطابق تین ارب ستارے ہیں۔ جو ہماری موجودہ زمین سے کہیں زیادہ بڑے ہیں۔ ان سب کو یا ان میں سے کسی تعداد کو ملا کر زمین بنا دیا جائے۔ (واللہ اعلم)

دوزخ کی گہرائی

جنت کے طبقات کے ذکر میں روایات گزر چکی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت کے طبقات نیچے سے اوپر کی جانب ہوں گے۔ یعنی ادنیٰ درجہ نیچے اور اعلیٰ درجہ سب سے اوپر ہوگا۔ جبکہ دوزخ کے طبقات اوپر سے نیچے کی جانب ہوں گے۔ سب سے اوپر والا درجہ سب سے کم عذاب والا ہوگا۔ اور روایات میں اسی طبقے کا نام جہنم آیا ہے۔ اور ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہ گار اور فاسق و فاجر مومن جن کو عذاب دیا جائے گا، وہ اسی اوپر والے درجے میں ہوں گے؛ اور سب سے زیادہ خوفناک عذاب والا طبقہ سب سے نیچے ہوگا۔ اور قرآن کریم کی منافقین کے بارے میں یہ آیت گزر چکی ہے کہ (ترجمہ) ''بلاشبہ منافقین دوزخ کے سب سے نیچے طبقے میں جائیں گے''۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان کا یہ نچلا طبقہ ان کے ایسے گھر ہوں گے جن کے دروازے بند کر دیے جائیں گے۔ ان کے اوپر اور نیچے سے آگ کو تیز کیا جائے گا اور پھر فرمایا کہ یہی معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے:

لَهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ

(ترجمہ) ''ان کے لیے ان کے اوپر سے بھی آگ کے (محیط) بادل ہوں

گے اور ان کے نیچے سے بھی آگ کے بادل ہوں گے''۔(سورہ زمر آیت 16 حوالہ مذکور۔ص 97)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (دوزخ کی گہرائی بیان کرتے ہوئے) فرمایا: ''اگر ایک پتھر جہنم میں ڈالا جائے تو دوزخ کی تہہ میں پہنچنے سے پہلے ستر (70) سال تک گرتا چلا جائے''۔(مرنے کے بعد کیا ہوگا۔ از ابن حبان)

حضرت خالد عمیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہمیں حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے ذکر کیا کہ) ''ایک پتھر کو جہنم کے کنارے سے پھینکا گیا۔ جو ستر (70) سال تک اس میں گرتا رہا۔ مگر اس کی گہرائی کو نہیں پہنچ سکا۔ اللہ کی قسم (جنات اور انسانوں سے) ہم اسے ضرور بھر دیں گے۔ کیا تم تعجب کرتے ہو''۔(حوالہ مذکور۔ از مسلم موقوفاً۔ واحمد مرفوعاً)

دوزخ کی گہرائی کو سمجھانے کے لیے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (ترجمہ) ''اگر سات حاملہ اونٹنیاں (موٹی تازی) اپنی چربیوں سمیت لی جائیں اور انہیں جہنم کے کنارے سے پھینکا جائے تو اس کی تہہ تک ستر (70) سال تک نہیں پہنچ پائیں گی۔(حوالہ مذکور۔ از حاکم)

مذکورہ بالا تمام روایتوں میں ستر (70) سال کا عدد استعمال ہوا ہے۔ عربی زبان میں ستر (70) کا عدد ایک غیر معین طویل مدت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ ان روایات میں ستر (70) کا عدد اپنے اصلی

معنی میں استعمال ہوا ہو۔

بدکار حکمراں کتنی گہرائی میں ہوگا

جس طرح جنت کے درجات اعمال کے مطابق مختلف مسلمانوں کے مختلف ہوں گے۔ اسی طرح جہنم کی گہرائی اور اس کا عذاب بھی مختلف گناہوں کے حساب سے مختلف ہوگا۔ اور کفار و مشرکین اپنے اپنے گناہوں کی مناسبت سے مختلف طبقات میں ڈالے جائیں گے۔ چنانچہ ایک روایت میں برے حکمرانوں کے لیے دوزخ کی گہرائی کے حساب سے ان کی سزا کا بیان ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو حاکم اور جج لوگوں میں فیصلے کرتا ہے۔ (اور انصاف نہیں کرتا) اس کو قیامت کے روز قید کیا جائے گا۔ اور ایک فرشتے نے اسے گدی سے پکڑا ہوا ہوگا۔ یہاں تک کہ اسے جہنم پر لا کھڑا کرے گا۔ پھر وہ (فرشتہ) اللہ عزوجل کے سامنے اپنا سر اٹھائے گا۔ تو اگر اسے حکم ہوگا کہ اس کو (دوزخ میں) پھینک دے تو اسے ایسی جگہ پھینک دے گا جس کی گہرائی چالیس سال کی مسافت ہوگی''۔ (حوالہ بالا از مسند احمد)

اس حدیث میں ان تمام حکام کے لیے سخت وعید ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے ایسا منصب عطا فرمایا جہاں وہ لوگوں کے درمیان معاملات کا فیصلہ کرتے ہیں۔ ان میں تمام محکموں کے اعلیٰ افسران۔ وزرا اور تمام اہل اقتدار تو شامل ہیں ہی لیکن حدیث کے الفاظ سے عدلیہ کے اہل امر خاص طور پر شامل ہیں۔ کیونکہ ان کا تو منصبی فرض ہی فیصلے کرنا ہے۔ ذاتی مصلحتوں اور عارضی مفادات کے لیے غلط فیصلے کرنے والوں کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ فیصلے کا دن بہت قریب ہے۔ اس دن نہ یہ مصلحتیں ہوں گی۔ نہ وہ مال

دولت یا مفادات جن کی خاطر جان بوجھ کر غلط فیصلوں کے مرتکب ہوئے تھے۔

یہ بات کہ اس دنیا کی سردی اور گرمی دوزخ کے دو سانس ہیں، اپنے حقیقی معنی میں بھی درست ہو سکتے ہیں۔ سورج کا دہکتا ہوا گولہ کتنا گرم ہے۔ اس کے درجہ حرارت کو دنیا کی آگ کے درجہ حرارت سے کوئی ادنیٰ مناسبت بھی نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ یہ سورج دوزخ کا ایک انگار ہو۔

مشکوٰۃ شریف میں ایک روایت بیہقی کے حوالے سے یہ نقل کی گئی ہے:

(حضرت) حسن کا بیان ہے کہ ہم سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (ترجمہ) ''قیامت کے دن چاند اور سورج پنیر کے دو ٹکڑوں کے مانند ہوں گے۔ جن کا آگ میں ڈالا جائے گا۔ (حضرت) حسن نے (حضرت) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ سورج اور چاند نے کیا گناہ کیا ہے؟ (حضرت) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سنا تھا وہ بیان کر دیا۔ (حضرت) حسن یہ سن کر خاموش ہو گئے''۔ (مشکوٰۃ 5447)

غور فرمائیے۔ چاند سورج کو پنیر کے ٹکڑوں سے بظاہر کوئی مناسبت نہیں معلوم ہوتی۔ لیکن ان کی بے نوری کو سمجھانے کے لیے یہی مثال کتنی بلیغ ہو جاتی ہے۔ اصل مقصد تو بات سمجھانا ہے۔ وہاں فلسفے اور علمی پیچیدگیوں میں نہیں ڈالا جاتا تھا۔ پھر حضرت حسن کے سوال پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ جواب دینا کہ میں نے جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ وہ بیان کر دیا۔ ''جاننے'' اور ''ماننے'' کے درمیانی رشتے کی بہترین مثال ہے۔ اس پر حضرت حسن کی خاموشی بھی اسی حقیقت کی عکاس ہے۔

صحیح مسلم کی ایک طویل حدیث میں جو حضرت عمرو بن وعبسہ رضی اللہ عنہ سے

روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

(ترجمہ) ''پھر (دوپہر کے وقت یعنی زوال کے وقت) نماز ادا کرنے سے رک جا۔ کیونکہ اس وقت جہنم کو بھڑکایا جاتا ہے جب وہ ڈھل جائے تب نماز پڑھ''۔ (جہنم کے خوفناک مناظر۔ از مسلم)

دوزخیوں کے جسم کی بدبو

انسان کو جن چیزوں سے روحانی اذیت ہوتی ہے ان میں سے ایک بدبو کی تکلیف ہے۔ خوشبو سے روح کو تازگی ملتی ہے اور بدبو سے روحانی اذیت۔ اہل جنت کے پسینے کی خوشبو بھی یہاں کے اعلیٰ درجے کی مشک سے بہتر ہوگی۔ جبکہ دوزخیوں کے عظیم جثوں سے شدید تعفن اور بدبو اٹھ رہی ہوگی۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم میں بعض لوگ ایسے بھی ہوں گے کہ اہل جہنم ان سے پناہ مانگیں گے۔ ایک حدیث میں زناکاروں کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (ترجمہ) ''زناکاروں کی شرمگاہوں کی بدبو اہل جہنم کو تکلیف میں مبتلا کردے گی۔'' (التخویف اردو ص 213)

مکحول نے مرفوعاً بیان کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: (ترجمہ) ''اہل جہنم ایک خاص قسم کی بدبو سونگھیں گے تو کہیں گے۔ اے ہمارے رب! جب سے ہم جہنم میں داخل ہوئے۔ ہم نے اس سے زیادہ بدبو نہیں پائی۔ تو جواب ملے گا کہ یہ زناکاروں کی شرمگاہوں کی بدبو ہے''۔ (حوالہ مذکور)

آخر میں اللہ رب العلمین کا یہ ارشاد سن لیجیے جو انہوں نے ایمان والوں کو

مخاطب کر کے فرمایا ہے اور امر کے صیغے میں حکم دیا ہے کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا(٦)

(ترجمہ) ''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ۔''

(سورہ تحریم۔آیت 6)

اہل دوزخ کی مہمانی

قرآن کریم میں جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے اعزاز و اکرام کے لیے جگہ جگہ یہ اعلان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کی مہمانی کس کس طریقے سے فرمائیں گے۔ اسی کے مقابل منکروں، مشرکوں، کفار اور فساق و فجار کے لیے بھی مختلف آیات میں ان کی مہمانی کا ذکر فرمایا کہ دوزخ میں ان کی ''خاطر تواضع'' کس طرح کی جائے گی۔ مہمانی کے لیے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ''نزل'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ نزل کے معنی ایسی مہمانی کے ہیں جو مہمان کے آنے پر اس کے لیے تیار کی جاتی ہے۔ یہی لفظ دوزخیوں کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ لیکن یہ مہمانی ایسی ہوگی جیسے جیل میں مجرموں کی مہمانی کی جاتی ہے۔ مہمانی کا لفظ دوزخیوں کے لیے بطور استہزاء استعمال کیا گیا ہے جیسے ہم قیدی کو کہتے ہیں سرکاری مہمان ہے۔

دوزخیوں کے کھانے

دوزخ میں داخل ہونے کے بعد کفار سے خطاب ہے:

ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ(۵۱)

لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ(۵۲)

(ترجمہ) ''پھر تم کو۔ اے گمراہو! جھٹلانے والو! زقوم کے درخت سے کھانا

ہوگا۔ پھر اس سے پیٹ بھرنا ہوگا۔ پھر اس پر جلتا ہوا پانی پینا ہوگا۔ پھر پینا بھی پیا سے اونٹوں کا سا۔ یہ ہے ان کی مہمانی قیامت کے دن۔'' (سورۃ الواقعہ 51-52)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے کھانے کے لیے زقوم کا ذکر فرمایا ہے اور پینے کے لیے کھولتا ہوا پانی۔ اوراس پر یہ بھی عذاب کہ اس زہریلے اور سخت کڑوے پھل سے پیٹ بھرنا بھی ضروری ہوگا۔ اور کھولتے پانی کو پیا سے اونٹوں کی طرح پینا بھی ضروری ہوگا۔ یعنی اسی کھانے اور پینے سے پیٹ بھرنے پر مجبور ہوں گے۔

زقوم کیا ہے؟ اس دنیا میں سینڈھ کو کہتے ہیں جو مشہور درخت ہے جو سخت کڑوا ہوتا ہے۔ اس درخت کے بارے میں قرآن کریم میں یہ تفصیل دی گئی ہے:

اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِیْٓ اَصْلِ الْجَحِیْمِ(۶۴)

طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّیٰطِیْنِ(۶۵)

(ترجمہ) ''دراصل وہ (زقوم) ایک درخت ہے جو دوزخ کی جڑ میں سے نکلتا ہے۔ اس کے پھل ایسے ہیں جیسے شیطانوں کے سر۔''

(سورہ صافات۔ آیت 64 تا 65)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ زقوم کے درخت سے اگر ایک قطرہ زمین پر ٹپکا دیا جائے تو تمام دنیا کی معاش تباہ ہوجائے۔ پھر ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جن کی غذا ہی زقوم ہوگا۔ (تفسیر مظہری جلد 12)

زقوم کے بارے میں قرآن کریم میں ایک اور جگہ اس طرح ذکر کیا گیا ہے۔

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ(۴۳) طَعَامُ الْاَثِیْمِ(۴۴) كَالْمُهْلِ ۚ یَغْلِیْ فِی الْبُطُوْنِ(۴۵) كَغَلْیِ الْحَمِیْمِ(۴۶)

(ترجمہ) ''بیشک گنہگار کی غذا پگھلے ہوئے تیل کی تلچھٹ جیسا زقوم کا درخت

ہے جو پیٹوں میں گرم پانی کی طرح کھولے گا۔

(سورہ دخان۔آیات 43-46)

یہ ایسا عذاب ہے کہ اس کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔اللہ تعالیٰ تمام مومنین کو اس سے اپنی پناہ میں رکھے۔اس آیت سے معلوم ہوا کہ زقوم یعنی سینڈھ یا تھور کو اس دنیا کے تھور سے کوئی مناسبت نہ ہوگی۔

ضریع: آگ کے کانٹے

سورہ غاشیہ میں اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے۔

تَصۡلٰی نَارًا حَامِیَۃً(۴) تُسۡقٰی مِنۡ عَیۡنٍ اٰنِیَۃٍ(۵) لَیۡسَ لَہُمۡ طَعَامٌ اِلَّا مِنۡ ضَرِیۡعٍ(۶) لَّا یُسۡمِنُ وَ لَا یُغۡنِیۡ مِنۡ جُوۡعٍ(۷)

(ترجمہ) ''دوزخیوں کو کھولتے ہوئے چشمے کا پانی ملے گا۔اور سوائے جھاڑ والے کانٹوں والے کھانے کے ان کے لیے کچھ کھانا نہ ہوگا۔جو نہ طاقت دے گا۔نہ بھوک دور کرے گا۔'' (سورہ غاشیہ۔4 تا 7)

ضریع کے بارے میں مولانا عاشق الٰہی رحمتہ اللہ علیہ نے صاحب مرقاۃ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ضریع حجاز میں ایک کانٹے دار درخت کا نام ہے۔جس کی خباثت کی وجہ سے جانور بھی اس کے پاس نہیں پھٹکتے۔اگر جانور اس کو کھالے تو مرجائے۔آگے لکھتے ہیں کہ ضریع سے آگ کے کانٹے مراد ہیں۔جو ایلوے سے کڑوے۔مردہ سے زیادہ بدبودار اور آگ سے زیادہ گرم ہوں گے۔اور جس کو بہت زیادہ کھانے کے بعد بھی بھوک دور نہ ہوگی۔(مرنے کے بعد کیا ہوگا۔ص 247)

تفسیر مظہری میں ترمذی اور بیہقی کے حوالے سے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخیوں پر ایسی

بھوک مسلط کی جائے گی جو اس سارے عذاب کے برابر ہوگی جس میں وہ مبتلا ہوں گے۔ بھوک کا یہ عذاب۔ اس پر آگ کے کانٹوں کا کھانا جس سے نہ پیٹ بھرے گا۔ اونہ بھوک مٹے گی۔ بہت ہی برا عذاب ہے۔ (تفسیر سورہ غاشیہ، حوالہ بالا)

غسلین: زخموں کا دھوون

سورہ الحاقہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ(۳۵) وَّ لَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ(۳۶) لَّا يَاْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخَاطِـُٔوْنَ(۳۷)

(ترجمہ) ''آج اس کا کوئی دوست نہیں۔ اور نہ کچھ کھانے ہی کو ہے۔ سوائے زخموں کے دھوون کے جسے صرف گنہگار کھاتے ہیں۔''

(سورہ الحاقہ۔ آیات 35 تا 37)

تفسیر مظہری میں حضرت عکرمہ کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ غسلین دوزخیوں کا کچ لہو ہوگا۔ (تفسیر مظہری۔ جلد 12)

غساق

سورۂ نبا میں اللہ تعالیٰ نے دوزخیوں کی ایک اور غذا کا ذکر فرمایا ہے جسے ''غساق'' فرمایا ہے۔ ارشاد ہے:

لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّ لَا شَرَابًا(۲۴) اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا(۲۵)

(ترجمہ) ''وہ اس میں (دوزخ میں) کھولتے ہوئے پانی اور غساق کے علاوہ کسی ٹھنڈک اور پینے کی چیز کا مزہ تک نہ چکھ سکیں گے۔''

(سورہ نباء۔ 24 تا 25)

غساق کیا ہے؟ صاحب مرقاۃ کے حوالے سے چار قول مولانا عاشق الٰہی صاحب نے نقل کیے ہیں۔

1- دوزخیوں کی پیپ اور ان کا دھوون مراد ہے۔

2- دوزخیوں کے آنسو مراد ہیں۔

3- زمہریر یعنی دوزخ کا ٹھنڈک والا عذاب مراد ہے۔

4- غساق سڑی ہوئی اور ٹھنڈی پیپ ہے۔ جو ٹھنڈک کی وجہ سے پی نہ جا سکے گی (مگر بھوک کی وجہ سے مجبوراً پینی پڑے گی)

اسی جگہ مشکوٰۃ کے حوالے سے ترمذی کی یہ روایت بھی نقل کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر غساق کا ایک ڈول دنیا میں ڈال دیا جائے تو تمام دنیا والے سڑ جائیں۔

خلاصہ تمام اقوال کا یہ ہے کہ غساق بہت ہی بری اور بدبودار چیز ہے۔ اس کی اصل حقیقت تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسی چیزوں سے بچائے۔ آمین۔ ان اقوال سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ غساق کھانے کی چیز نہیں بلکہ کوئی رقیق شے ہے، اور دوزخیوں کی پیپ والا قول دوسری روایات میں بھی آیا ہے۔ یہ قرآن کریم کے بیانات ہیں۔ ان میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہوسکتی۔

جہنم سے نجات اور پناہ

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ جہنم کافروں کے لیے بنی ہے اور جنت مومنوں کے لیے لیکن مومن جو فسق وفجور میں مبتلا رہے ان کے لیے بھی جہنم کا عذاب برحق ہے مگر جس کو اللہ تعالیٰ امان دے دے۔ اور سب سے زیادہ خوف کی بات جس سے بڑے

بڑے اولیا اللہ ہر وقت کانپتے اور لرزتے رہتے تھے وہ یہ ہے کہ یہ کس کو معلوم ہے کہ وہ کس حالت پر مرے گا۔ بہت سے کفار و مشرکین جو زندگی بھر کفر و شرک جیسے گناہ میں مبتلا رہے۔ اللہ ان کو ہدایت دے دے اور وہ مرنے کے بعد جنت میں جائیں۔ اور بہت سے عابد و زاہد جنہوں نے اللہ کی عبادت میں زندگی گزاری ان پر تقدیر غالب آئے اور وہ ایمان سے محروم ہو کر دنیا سے اٹھیں۔

ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ آپ نے ایک خواب دیکھا۔ اس خواب کا ایک حصہ یہ بھی تھا کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنی امت کے ایک مرد کو جہنم کے کنارے پر دیکھا۔ جس کے پاس خوف خدا آیا۔ اور اس کو جہنم سے بچا لے گیا۔ اسی طرح ایک دوسرے مرد کو دیکھا۔ جو جہنم میں گرنے لگا تھا تو اس کے پاس اس کے وہ آنسو آئے جو خوف خدا سے بہے تھے انہوں نے بھی اس کو آگ سے نکال لیا (مرنے کے بعد کیا ہوگا۔ صفحہ 80)

اللہ کے خوف سے بہنے والے آنسو جہنم سے پناہ اور نجات کا بہترین ذریعہ ہیں۔ بہت سی روایات سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ یہاں صرف 2 روایتیں پیش کرتا ہوں:

(ترجمہ) ''اس آنکھ پر جہنم حرام ہے۔ جس نے کتاب اللہ کے ساتھ رات جاگ کر گزاری (یعنی تلاوت یا تفسیر وغیرہ میں وقت گزارا) اس آنکھ پر آگ حرام ہے جو خوف خدا سے بہہ پڑی۔ اس آنکھ پر جہنم حرام ہے جو اللہ کی حرام کردہ اشیا کو دیکھنے سے بند رہی۔''

دوسری روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(ترجمہ) جس مومن بندے کی آنکھوں سے خوف خدا سے آنسو بہہ پڑیں چاہے وہ مکھی کے سر کے برابر ہوں۔ پھر وہ رخسار تک جا پہنچیں تو اللہ

تعالیٰ اسے دوزخ پر حرام کر دیتے ہیں۔ (حوالہ مذکور۔ از ابن ماجہ)

محترم قارئین! راقم نے اس کتاب میں جو کچھ نقل کیا ہے۔ اس میں دیانت داری کے ساتھ یہ کوشش کی ہے کہ تمام واقعات کو مستند حوالوں سے پیش کیا جائے۔ اس کام میں جو محنت اور سال ہا سال کا وقت لگا، اس کے اجر کے لیے اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ اس کو قبول فرما کر مومنین کے لیے مفید اور ایمان و عمل میں اضافے کا سبب بنائیں گے۔

آخر میں قارئین سے گزارش ہے کہ وہ اس کتاب میں جہاں جہاں کوئی غلطی یا نقص پائیں، اس کو راقم کی کم علمی پر محمول فرما کر مطلع فرمائیں، تاکہ ان کو درست کیا جا سکے۔ اپنی اس حقیر سی کوشش کو اس دعا پر ختم کرتا ہوں۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسئَلُکَ الجَنَّۃَ وَمَا قَرَّبَ اِلیھَا مِن قَولٍ اَو فعلٍ او عَمَل

محمد ولی رازی
۳ جمادی الثانی
۱۴۳۶ھ۔ ۲۳ فروری ۲۰۱۵ء
گلستانِ جوہر، کراچی

غیر منقوط سیرت ''ھادیٔ عالم''

مؤلف: محمد ولی رازی

ھادیٔ عالم ایک ایسی عجیب کتاب ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری سیرت اس طرح لکھی گئی ہے کہ اس میں کوئی نقطے والا حرف استعمال نہیں کیا گیا ہے۔ مزید حیرت کی بات یہ ہے کہ اس کی زبان باوجود اس پابندی کے آسان و رواں ہے۔ اللہ تعالٰی نے اسے قبول عام سے نوازا ہے۔ اور تقریباً ۳۴ سال سے یہ حیران کن کتاب مختلف ملکوں اور شہروں میں چھپ رہی ہے۔ یہ کتاب ۴۱۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اور جیّد علماء کرام اور معتبر ادیبوں نے اس پر اپنے تاثرات پیش کئے ہیں۔ یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ اُردو، فارسی اور عربی میں اتنی ضخامت والی کوئی غیر منقوط کتاب موجود نہیں ہے۔ اسکی حیران کر دینے والی یہ خصوصیت بھی حقیقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔ یہ کتاب دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

قرآن اور سائنسی انکشافات

مؤلف: محمد ولی رازی

جناب محمد ولی رازی کی ایک اور حیرت انگیز تالیف ''قرآن اور سائنسی انکشافات'' کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ان نشانیوں کا عجائب گھر ہے جو کائنات میں بکھری ہوئی ہیں۔ اس کا ہر صفحہ آپ کے سامنے اچانک ایسے حقائق پیش کرتا ہے جسے پڑھ کر آپ دنگ رہ جاتے ہیں۔ اس کا موضوع تخلیقِ کائنات اور ہماری زندگی پر اس کے اثرات ہے۔ آپ کو شاید پہلی بار معلوم ہوگا کہ زمین جو ہمارا گھر ہے۔ وہ کہاں واقع ہے؟ سورج جو آگ کا گولہ ہے وہ ہمارا کتنا بڑا محسن ہے۔ کہکشاؤں کا وجود ہماری زندگی کے لئے کیوں ضروری ہے۔ ایٹم کی دنیا میں کتنی مخلوقات ہیں؟ خلیہ یعنی ہمارے جسم کی اینٹ کتنی عجیب دنیا ہے۔ آپ جوں جوں آگے پڑھتے جائیں گے قرآنِ کریم کی حقانیت۔ آپ کو مبہوت کردے گی۔ قرآنِ کریم کس طرح باطل کا بھیجہ نکال دیتا ہے؟ توحید صرف مسلمانوں ہی کی نہیں بلکہ مشرکین کی فطرت میں کس طرح شامل ہے۔ حقائق کا یہ عجائب گھر دینی اور سائنسی طلباء کے لئے خاص طور پر ایک قیمتی تحفہ ہے۔ یہ آپ کی توجہ کا منتظر ہے۔